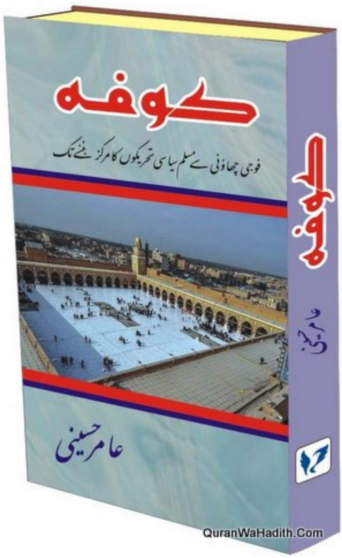


https://quranwahadith.com/
product_author/amir-hussaini/
Here you can order for the book

کُوفه

فوجی چھاؤنی سے مسلم سیاسی تحریکوں کا مرکز بننے تک

محمد عامر حسینی

اسی قلم سے:

- کوفہ (فوجی چھاؤنی سے سیاسی سماجی تحریکوں کا مرکز بننے تک)
- ساری کے نام خطوط
- پاکستان میں شیعہ نسل کشی: افسانہ یا حقیقت
- برصغیر میں مجالس عزا کی تاریخ
- کفارِ مکہ۔عباس زیدی (مترجم: عامر حسینی)
- شیخ احمد سرہندی: ایک نیا نکتہ نظر / فرائیڈ مین یوحنان (مترجم: عامر حسینی)
- مولانا عبدالحمید بھاشانی / سُرخ ماوَلانا
- جرمن آئیڈیالوجی / کارل مارکس (مترجم: عامر حسینی)
- قصہ غرانیق اور پہلی دو صدی ہجری کی مسلم دانش / شہاب احمد (مترجم: عامر حسینی)

کُوفہ

فوجی چھاؤنی سے مسلم سیاسی
تحریکوں کا مرکز بننے تک

مصنف:
محمد عامر حسینی

میٹر لنک پبلشرز
لکھنؤ

اشاعت: سوم
۲۰۲۲ء
ایک ہزار

زیر اہتمام:
قاضی محمد زکریا

حروف خوانی: محمد شبیر قادری رضوی

کمپوزنگ: کونین حیدر
لے آوٹ وڈیزائن سرِورق:
وزیر حسن چندا

پروسیسنگ
Premier Process
7-C/6, Havelock Road, Colony
Lucknow - 226001 (INDIA)

طباعت:
لکشمی آفسیٹ
سنجے گاندھی پورم
فیض آباد روڈ، لکھنؤ

KUFA
Fauji Chhauni Se Muslim Siyasi Tahreekon Ka Markaz Banane Tak
By
Mohammad Aamir Husaini

Edition
2022

₹ 600.00

MATTERLINK PUBLISHERS
1870, Ist Floor Likhraj Dollar, Indira Nagar, Lucknow
E-mail: aglawaraq@gmail.com, intisharaat@gmail.com
Website: www.matterlinkbooks.com

ISBN 978-93-90887-59-0

سیّدہ ہما علی جعفری (مرحومہ)

کے نام

جن کا فیضِ علمی میری آج بھی رہنمائی کرتا ہے۔

فہرست

دیباچہ

ایڈیشن ثانی

میں جب کوفہ کتاب لکھ کر چھپوا چکا تو مجھے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس کتاب کو عوام الناس میں اس قدر مقبولیت حاصل ہو گی۔ یہاں تک کہ یہ کتاب میری پہچان بن جائے گی۔ میں اس پر جتنا شکر بجا لاؤں کم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوفہ شہر کے بارے میں افراط وتفریط سے ہٹ کر ایک حقیقی تصویر اس شہر کی پیش کرنے کے پیچھے جو خلوص نیت کارفرما تھا اس نے اس کتاب کی مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ لوگ اس کتاب کی ڈیمانڈ برابر کرتے آرہے ہیں۔ میں اس کتاب میں بطور ضمیمے کچھ اضافے چاہتا تھا تا کہ اس کتاب کو اور زیادہ قیمتی بنایا جاسکے۔ کتاب کوفہ کے دوسرے ایڈیشن میں پانچ ضمیموں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور پانچوں ضمیمے اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔

میں نے تاریخ اسلام اور برصغیر کے کمپوزٹ کلچر پر جب بھی قلم اٹھایا تو تقریب بین المسالک اور تقریب بین المذاہب کی ضرورت کو مقدم رکھا اور تاریخی حقائق کو بھی مسخ نہیں ہونے دیا۔

کتاب کا دوسرا ایڈیشن پیش کرتے ہوئے بھی یہی امر ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

محترم عنایت علی، علی عباس تاج، ام رباب، ارم کاظمی، گل زہرا رضوی کا شکریہ جن کی حوصلہ افزائی مجھے یہ سب کام کرنے سے کبھی تھکنے نہیں دیتے۔

علی مرتضیٰ، غیور نقوی، علی نقی سابقی کے ساتھ ساتھ میں اپنے دوستوں ڈاکٹر علی حبیب،

ملک طاہر جاوید، مفتی گلزار نعیمی، مفتی ہاشم اور مفتی عامر، ابوالحسنین ترمذی کا بھی بے حد ممنون ہوں

کچھ لوگ جو اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کے کتب خانے ہمیشہ میرے کام آئے اور ان کی رہنمائی نہ ہوتی تو یہ سب لکھنا ممکن نہیں تھا۔ میرے نانا ظہور نقی، میرے ماموں حمید حیدر، میری دوست سیدہ ھما علی، میرے بہت ہی مشفق اور مہربان بزرگ مفتی محمد اشفاق قادری رضوی، کاتب عظیم استاد صدیق فانی نقشبندی، بابا فقیر حسین جمالی قادری، نقشبندی، چشتی۔ یہ سب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اللہ پاک ان کی قبور کو روشن و منور فرمائے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ان کے درجات ان کے درجات بلند فرمائے۔

عامر حسینی

lailonihar@gmail.com

’کوفہ‘

عامر حسینی کا غیر معمولی تحقیقی کام

عامر حسینی اپنے لئے مشکلات پیدا کرتا ہوا غیر معمولی محقق ہے جس نے ہر وہ بات کہی جو قبول عام نہ تھی اور ہمیشہ خون، مقتل، جلاوطنی اور لاپتہ ہو چکے لمحات کو اپنا موضوع بنایا۔کئی بار تو وہ خود بھی اپنے تحقیقی مواد میں ’’لاپتہ‘‘ ہوتے ہوتے رہ گئے۔کوفہ، ایک ایسا لفظ جو بے وفائی اور منافقت کا مترادف ہو چکا ہے، عامر حسینی اب اک ہجوم کو تسلیم و رضا کی منازل سے گزارنے میں مصروفِ عمل ہیں اور وہ بطور مصنف و محقق اقلیت کے کردار سے اکثریت کی مثبت فکر کو دھندلا ہونے سے بچانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

پہلی بار عامر حسینی نے تاریخ کے غیر مبہم ابواب کے مطائعہ کو فوجی و سیاسی ترازو پر رکھا تو کوفہ میں وفاداری و جاں نثاری کرنے والے، مفاد پرست منافقین کے مقابلے میں برتر نظر آئے۔فوجی چھاؤنی سے سیاسی مرکز میں ڈھلتے کوفہ کے ماتھے پر لگے بے وفائی کے داغ کو عامر حسینی کے قلم نے نتیجہ خیز حد تک اعزاز میں بدل دیا ہے۔تاریخ کا رخ موڑتا ہوا ’’کوفہ‘‘ کتابی شکل میں ایک علمی اثاثہ ہے۔

قیصر عباس صابر

ابتدائیہ

کوفہ کے بارے میں ،میں نے بچپن سے ایک جملہ اکثر لوگوں سے سنا کہ یہ ’’عہد شکنوں‘‘ کاشہر ہے-اور ’’کوفی لایعوفی‘‘ کی اصطلاح بھی میں نے اکثر لوگوں کو بولتے سنا-

مولانا شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر کا زمانہ تھا اور جب بھی محرم کا پہلا عشرہ آتا تو ان کو شہادت امام حسین کا قصّہ بیان کرنے کے لئے بلایا جاتا تو وہ جب اسیرانِ کربلا کا قصّہ بیان کرتے تو جناب شریکۃ الحسین، ام المصائب بی بی زینب بنت فاطمہ الزھراء سلام اللہ علیہا کا خطاب کا تذکرہ کرتے جس میں ’’کوفہ‘‘ والوں سے عمومی خطاب کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور اس بنیاد پہ کوفیوں کی مذمت کی جاتی اس زمانے میں بھی مرے ذہن میں یہ سوال اٹھا کرتا تھا کہ کوفہ وہ شہر ہے جہاں فقہ حضرت علی علیہ السلام کی بنیادیں رکھی گئیں اور یہی وہ شہر ہے جہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فکر کو مدون کیا گیا اور اسی سے آگے چل کر فقہ حنفیہ، فقہ امام اوزاعی اور فقہ امام جعفر صادق کا وجود سامنے آیا-اور پھر کوفہ شہر کسی بھی لحاظ سے عجمیوں کا شہر تو تھا نہیں بلکہ یہ خالص عرب شہر تھا اور یہاں پہ جو لوگ آ کر بسے وہ حجاز سے اسلامی تعلیمات کا براہ راست تجربہ کر کے یہاں آئے تھے اور ان کے اور رسالت مآب کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا-تو یہ شہر کیسے صرف بے وفاؤں کا شہر ہوسکتا تھا؟ اور پھر مرے ذہن میں یہ سوال بھی اٹھتا تھا کہ عراقی فقہ کے بارے میں اہلسنت چاہے بریلوی ہوں یا دیوبندی ان کے اہل علم فقہا کی کتابیں تعریف و مدح سے بھری پڑی تھیں اور وہ عراقی فقہ کو رد کرنے

والے" غیر مقلدین" کے خلاف علمی جہاد میں مصروف تھے لیکن جیسے ہی وہ تاریخ سے معاملہ کرنے پہ آتے تو ان کے رویے بھی عراق بارے بالعموم اور کوفہ بارے بالخصوص" غیر مقلدین" جیسے ہو جاتے تھے- دیوبندی علماء تو اس سے بھی آگے جاتے تھے اور وہ امویوں کو چھوڑ کر اہل بیت اطہار پہ مصائب کا زمہ دار ہی اہل کوفہ کو ٹھہرا دیتے تھے- اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے تکفیری خیالات خارجی فکر کی حدود کو چھو جاتے تھے یزید کے ظلم کی توجیہ پیش کرنے لگتے تھے-

مرے ایک دوست ہیں مولانا محمد شوکت سیالوی، وہ جب جامعہ نظامیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہو کر آئے اور انھوں نے فقہ کوفہ پہ خاص مہارت حاصل کرنے کی ٹھانی اور غیر مقلدین کی" کوفہ" بارے پھیلائی چیزوں کا کافی شافی رد کرنے کی ٹھان لی تو مجھے بھی ان کے ساتھ اس بارے میں کافی کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا- کوفہ کے بارے میں" افواہیں" اور" مبالغہ آرائی" پہ مبنی چیزیں اس شہر کی" تہذیبی اور اقتصادی وفکری" پرداخت اور پرشکوہ تاریخ کو دبانے کا سبب بن گئیں- اور المیہ یہ ہوا کہ اردو میں کسی بھی صاحب نے اس شہر کی سنجیدگی سے ایک علمی وفکری تاریخ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی- مولانا شوکت سیالوی کی مناظرہ بازی نے ان کو ایک انتہائی ضروری کام سے روک دیا لیکن میں نہیں رکا- میں مسلسل اس موضوع پہ مواد ڈھونڈتا ہی رہا- عرب دنیا کو اس لحاظ سے خوش قسمت کہا جاسکتا ہے کہ وہاں دانشور طبقہ کوفہ کی اجتماعی حیات، اقتصادیات بارے کافی سنجیدہ تحقیقی کام سامنے لاتا رہا- لیکن المیہ یہ ہے کہ سعودی عرب کے وہابی تاریخی بیانیہ کے شور میں مسلم تاریخ کے متبادل تحقیقی کام کو دبا دیا گیا- خود کوفہ کی فقہی روایت کے علمبرداروں نے اس علمی کام کو برصغیر پاک وہند کی مقامی زبانوں میں ڈھالنے یا اس بارے لوگوں کی رائے کو بہتر بنانے کے لئے کوئی کام نہ کیا- بلکہ کوفہ کے اور اس کے مکینوں کے بارے میں جو" فکری مغالطے" زبان زد عام کر دئے گئے تھے ان کو ہی پروموٹ کرنے کے کام میں جت

گئے-1966ء کے لگ بھگ عرب دنیا کے اندر بالخصوص اور مغرب کے دانشکدوں میں ایک کتاب کا بہت شہرہ ہوا تھا اور یہ کتاب اب

"کوفہ شہر" کی اجتماعی زندگی اور معاشی زندگی پہ ایک حوالہ کتاب بن چکی ہے-اور یہ کتاب لکھنے والے محمد حسین الزبیدی تھے-اور کتاب کا نام تھا "الحی الاجتماعی و الاقتصادی فی الکوفة فی القرن الاول الھجری" انگریزی میں اس کا ترجمہ بنتا "سوشو-اکنامک لائف آف کوفہ ان فرسٹ ہجری" اور کوفہ کی قبائلی تاریخ بارے تفصیل سے جاننے کے لئے دمشق سے ۱۹۴۹ء میں عمر رضا کہالہ کی کتاب "معجم قبائل العرب" شایع ہوئی اور اسی طرح سے ایک اور بہت ہی تحقیقی مقالہ یوسف خالف کا کتابی شکل میں ۱۹۶۸ء میں قاہرہ سے شایع ہوا جس کا نام تھا "حیات الشعر فی الکوفة" -ایم ہند کا ایک تحقیقی مقالہ "کوفی سیاسی اتحاد ساتویں صدی عیسوی میں" انٹرنیشنل جرنل آف مڈل ایسٹ اسٹڈیز کے اکتوبر ۱۷ ۱۹ء میں شایع ہوا-اور اسی طرح سے ایک بہت ہی مشہور مورخ سید محمد صادق نے "تاریخ الوف" لکھی اور یہ ۱۹۸۵ء میں شایع ہوئی تھی-کوفہ کی تاریخ بارے جزو، جزو بکھرا ہوا مواد تاریخ طبری، تاریخ البلاذری، تاریخ حموی، تاریخ یعقوبی میں موجود ہے اور کم از کم عربی، فارسی، انگریزی میں اس کو کمپائل یا مرتب کرنے والوں کی کمی نہیں ہے-اور اسی طرح کوفہ کی سماجی زندگی پہ سید حسین محمد جعفری کی کتاب "دی اورجینز اینڈ ارلی ڈیولپمنٹ آف اسلام" کا پانچواں باب "کوفہ: سٹیج آف شیعی ایکٹویٹیز" بہت ہی زبردست تحقیق پہ مشتمل ہے کوفہ اور عراق بارے سنجیدہ تاریخی مطالعوں کا آغاز عرب دنیا میں اس لئے بھی ہوا کہ "سعودی وہابی تاریخی بیانیہ" بے پناہ فنڈنگ کے سبب تاریخ کو مسخ کرنے کا سبب بن رہا تھا اور اس کا اگر فکری رجحان کا کوئی ٹھوس مظاہرہ دیکھنا مقصود ہو تو ہمیں مصر کے اندر ہی محمد امین مصری جیسے لوگ مل جاتے ہیں جنھوں نے پوری تاریخ کو گھڑی ہوئی اور فرضی قرار دے ڈالا-فجر الاسلام نامی کتاب کو آپ پڑھتے جائیں تو آپ کو اس رجحان کی ٹھیک ٹھیک جڑیں ملتی چلی جائیں گی-یہ سعودی وہابی

تاریخی بیانیہ کے پیچھے بڑی فنڈنگ تھی جس نے شیخ ابن تیمیہ کی ''منہاج السنۃ'' کو پھر سے زندہ کیااور اسی کتاب کی بنیاد پہ ایک ''تکفیری تاریخی بیانیہ'' بھی تشکیل پایا جس میں کوفہ کے لوگ ''ولن'' ٹھہرادئے گئے-اور کیا یہ محض اتفاق تھا کہ خود دیوبندی روایت سے جڑے کئی بڑے بڑے نامور دانشوراور محققین نے

شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن قیم جوزی، محمد بن عبدالوہاب تیمی نجدی کا تاریخی بیانیہ اپناتے ہوئے کوفہ کی سماجی-معاشی زندگی کو بس عہد شکنی تک محدود کردیا-اور آج بھی ''سعودی وہابی تاریخی بیانیہ'' ریڈیکل وہابی ازم اور ریڈیکل دیوبندی ازم کے ہاں مقبول ترین پروڈکٹ ہے-عراق میں بالخصوص کوفہ کی تہذیبی زندگی کی تشکیل میں زہاد، صوفیاء، عابدین، عالم باعمل کا کس قدر کردار تھا؟ اس سوال کا جواب آج بھی ''بے وفائی'' کے شور میں نظر نہیں آتا-کوفہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام ویسے ہی کیا گیا جیسے تاریخ مدینہ کو مسخ کرنے کا کام شیخ ابن تیمیہ نے بخوبی کیا تھا اور اس کے لئے اس کی کتاب ''مذہب امام مالک اور اجماع اہل مدینہ'' کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت ہے-مدینہ کی سعودیائے جانے کی تاریخ بہت دلچسپ ہے اور اس سے صرف شیعی تاریخ کا مین سٹریم بیانیہ ہی رد کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ خود مین سٹریم سنّی تاریخی بیانیہ بھی مسخ کردیا گیا-مجھے اپنی تحقیق کے دوران بار بار یہ احساس بھی ستاتا رہا کہ سلفی اور دیوبندی سعودی نواز تاریخی بیانیہ اصل میں سرے سے" تاریخ" کا ہی انکار کرنے والا بیانیہ ہے-اور یہ اپنے جوہر کے اعتبار سے 'اے ہسٹاریکل' ہے-کوفہ کے بارے میں اس 'بیانیہ' کی طاقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے خود کئی ایک شیعی اور اکثریتی صوفی سنّی ذہنوں کو بھی تسخیر کرلیا-کوفہ سارے کا سارا ہی مذمت کے دائرے میں آگیا-اور اس کا اندازہ مجھے اس طرح سے بھی ہوا کہ کئی ایک شیعہ اور صوفی سنّی انتہائی پڑھے لکھے خواتین و مرد نے مجھے کوفہ کے بارے میں تحسین کے جملے کہنے اور لکھنے پہ معتوب کیا اور اس حوالے سے جناب بی بی زینب اور اس سے پہلے جناب علی المرتضی کے کئی جملوں

کے اجمالی اور عمومی خطاب سے انہوں نے یہ کہنے کی جسارت بھی کی کہ کوفہ سارے کا سارا مذمت کے دائرے میں لانا خود مکتب اہل بیت کا شعار ہے- میں نے بارہ سال اسی تگ و دو میں گزارے اور مسلسل چیزیں پڑھنا شروع کیں اور اپنے اس مقالے کو رنگ و روپ میں ڈھالنا شروع کر دیا-

مری تفہیم حرف آخر کا درجہ تو نہیں رکھتی لیکن پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں نے کوفہ کے سارے رنگوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے جس تصویر کو بنانے کی کوشش کی ہے وہ کم از کم آنے والے محققین کی راہ آسان ضرور بنائے گی- اور مرے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ میں نے نصر بن مزاحم بارے متبادل نکتہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی تھی ایسے ہی کوفہ بارے یہ متبادل نکتہ نظر کم از کم اردو پڑھنے والوں کے ذہنوں کو صاف شفاف کرنے کا موقعہ فراہم کرے گا- اگر اوپر بیان کردہ کتب اور مقالہ جات کو اردو میں منتقل کرنے کا بیڑا کوئی تحقیقی بورڈ سنبھال لے تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جنوبی ایشیا کے اندر اردو پڑھنے والی کمیونٹی کے اندر تکفیری آئیڈیالوجی کا رام رام ستے ہو جائے گا- اور ریڈیکل سلفی ازم و دیوبندی ازم کے لئے کے بہت بڑے چیلنج کا سبب بنے گا- اور ہمارے ہاں یہ جو کوفہ کی مادی سماجی تاریخی جڑوں سے عدم آگاہی کے سبب 'مارکسی وہابیت' یا 'نام نہاد لبرل وہابیت' جیسی انہونیاں ہو رہی ہیں اس کا سدباب بھی کیا جاسکتا ہے- کوفہ کی مادی سماجی جدلیاتی جڑوں کی ازسرنو تلاش خود یورپ اور امریکہ کے معاشروں میں سعودی فنڈنگ سے پھیلتی سلفی دیوبندی ریڈکلائزیشن سے پیدا ہونے والی خوفناک صورت حال سے نکلنے کی سبیل بھی بن سکتی ہے۔

کوفہ کے بارے میں حضرت عمر فاروق کے خیالات کا جاننا بھی بڑی دلچسپی کا حامل ہوسکتا ہے۔ یہ شہر حضرت عمر فاروق نے ایک مضبوط فوجی چھاؤنی کے طور پہ تو بنایا ہی تھا لیکن اس شہر میں آنے والوں کی تربیت اور ان کی فکری تعلیم کے لئے حضرت عمر فاروق نے مدینہ میں موجود مہاجر و انصار جید صحابہ کرام جو اپنے اپنے شعبوں میں مجتھد مطلق کا درجہ

رکھتے تھے کو روانہ کیا۔ان کی تعداد تین سو کے قریب بنتی ہے۔اور ان میں بدر و حنین کی جنگوں میں شریک صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی شامل تھے۔حضرت عمر فاروق نے کہا تھا کہ جن صحابہ کرام کو وہ کوفہ روانہ کر رہے ہیں وہ ان کو اپنے سے کبھی جدا نہ کرتے لیکن دین اسلام کے وسیع تر مفاد میں وہ ایسا کر رہے ہیں۔اور بعد ازاں حضرت عمر فاروق نے اس شہر کوفہ کو راس الاسلام اسلام کا سر قرار دیا اور اس کی بارہا تعریف فرمائی۔کوفہ کا شہر اور اس کی اکثریت ہمیشہ سے شیخین کریمین کے خیالات اور ان کی روش کو بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ قابل تقلید خیال کرتی رہی اور یہی وجہ ہے جب خود حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسین، حضرت عمار یاسر، حجر بن عدی کو کوفہ کی جانب روانہ کیا تو کوفہ کی جامع مسجد میں ان سے پہلا سوال بابت 'شیخین کریمین' اور شہادت حضرت عثمان بارے کیا گیا۔یہ داخلی شہادت ہے کہ کوفہ شہر کے باسیوں کی اکثریت کا تعلق بے وفاؤں سے نہیں بلکہ سواد اعظم سے تھا اور ان پہ شعیان علی علیہ السلام الکریم کا اطلاق ان معانی میں تھا جن معانی میں حیدر کرار علیہ السلام کے مدینہ اور مکّہ میں حامیوں پہ کیا جاتا تھا۔کوفہ کے چہرے پہ ڈالے گئے بدنما نقابوں کو نوچ ڈالنے کی یہ عاجزانہ سی کوشش ہے جو میں نے کی ہے۔کوفہ وہ شہر ہے جس میں امام ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، ان کے شاگرد امام محمد، زفر، یوسف اور دیگر نے جناب علی المرتضی، عبداللہ بن مسعود کی علمی و فقہی روایت کو زندہ و تابندہ رکھا اور اسے آگے بڑھایا۔یہ شہر فقہ حنفی اور فقہ جعفری دونوں کی بنیادوں کو اسارنے والا شہر رہا ہے۔اور اس شہر میں انقلابی تبدیلیوں کے علمبرداروں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔حضرت امام ابوحنیفہ کی زندگی کا احوال بتاتا ہے کہ وہ ملوکیت کے خلاف، بادشاہت کے خلاف اور ظلم و جبر کے خلاف سینہ سپر ہوئے اور انہوں 'مذہب رخصت' اختیار نہ کیا۔انہوں نے اپنے خیالات نہ چھپائے۔اور بڑی بہادری سے اموی اور پھر عباسیوں کی دسیسہ کاری کا پردہ چاک کیا۔یہ امام اجو حنیفہ تھے جنھوں نے 'زمین کی کرایہ داری' اور خراجی زمینوں کی نجی

ملکیت پہ اعتراض اٹھایا۔اور اسے باقاعدہ نظریہ کی شکل دی۔کوفہ اسلامی تحریک کے انقلابی سماجی پہلوؤں کا عکاس بھی بنکر ابھرا۔یہیں سے مساوات اور برابری کے نظریات کی چرچا ہوئی۔مجھے امید ہے کہ کوفہ بارے میرا یہ تحقیقی مقالہ اس بارے مزید تحقیق کی راہیں کھولے گا۔اور فرقہ وارانہ تنگنائیوں سے ہٹ کر 'کوفہ' کو دیکھنے کی کوشش ہوگی۔

عامر حسینی

۲۸/فروری ۲۰۱۷ء

باب اوّل

کوفہ کی سماجی و سیاسی اجتماعیت

❖

کوفہ کی سوشو- پولیٹکل زندگی کے بارے میں اگر ہمیں بات کرنی ہے تو ہمیں کوفہ کی حیات اجتماعی کے تین بڑے رجحانات کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے-کوفہ میں ایک طرف تو وہ گروہ تھا جسے ہم سیاسی طور پہ شیعان علی کہہ سکتے ہیں اور اس سے ایک گروہ ٹوٹ کر الگ ہوا جسے دنیا خوارج کے نام سے جانتی ہے اور تیسرا گروہ قبائلی اشراف کا گردانا جاتا ہے-کوفہ کی اجتماعی سیاسی زندگی کا یہ تین بڑے گروہ ہی مظہر تھے-اور ان تینوں گروہوں نے اگر دیکھا جائے تو جناب عمر کے زمانے ہی میں 'سیاسی مزاحمت' دکھانا شروع کر دی تھی اور پھر بنو امیہ کے خلاف کوفہ کا جو سیاسی کردار ہے وہ انہی تین گروہوں کی روش سے شکل وصورت پاتا ہے-اب ہمارے ہاں اکثر و بیشتر جو مذہبی سکالرز، ذاکرین اور مولوی حضرات ہیں ان کا طریقہ کار خاصا چیزوں کو گڈمڈ کر دینے والا ہے-وہ کوفہ پہ بات کرتے ہوئے کوفہ میں سیاسی اشتراک اور افتراق اور وہاں پائی جانے والی سیاسی تقسیم اور قبائلی تقسیم کو عمومی طور پہ نظر انداز کر ڈالتے ہیں اور کوفہ کے رہنے والوں کے کردار کی ایک عمومی سیاہ تصویر پینٹ کرنے لگ جاتے ہیں-کوفہ کے بارے میں ایک جامع تصویر بنانے میں ہماری مدد لبنان نژاد امریکی پروفیسر طیب ال-حبری کی کتاب Parable and Politics in Early Islamic History The Rashidun Caliphs بھی کرتی ہے-طیب الحربی اس کتاب میں کوفہ کے اندر بتدریج ابھرنے والی سیاسی تقسیم بارے بہت ہی تفصیل سے بیان کرتا ہے اور شاید یہ کتاب کوفہ پہ عمومی طور پہ اختیار کی گئی تعبیرات سے ہٹ کر ایک تیسری تعبیر پیش کرنے والی کتاب بھی ہے-مجھے اس کتاب کو پڑھنے کے دوران ہی یہ اندازہ ہوا کہ کیسے مورخ بلازری نے کوفہ کی

سیاسی وسماجی زندگی کو سمجھنے میں ہماری بہت زیادہ مدد کی-یہ بلاذری کی کتاب الانساب ہے جس میں' بنوعبد شمس' قبیلے بارے لکھتے ہوئے بلاذری معاویہ کے زمانہ حکمرانی میں یہ زکر کرتا ہے کہ سعید بن العاص نے ایک خط معاویہ کو لکھا جس میں اس نے بتایا کہ کوفہ کے اندر ایک گروپ' قراء' کا ہے جسے اسے نے نہایت متقی، باصفا، بہترین اور امانت دار قرار دیا حکومت کے خلاف بدامنی پھیلانے کا سبب بن رہا ہے-اس گروہ کی شکایت طبری کی روایت کے مطابق کوفہ کے قبائلی اشراف نے بھی کی اور معاویہ کو سعید بن العاص گورنر کوفہ نے ان اشراف کی جانب سے معاویہ کو خط لکھا کہ ان سے نمٹا جائے ورنہ حالات بگڑ جائیں گے-طیب الحربی بلاذری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بلاذری نے خود' قراء' کا خط کا متن درج کیا جس میں اہل قراء نے معاویہ کو لکھا: تم نے اپنے عزیز و اقرارب میں عہدے بانٹ رکھے ہیں اور ہم پہ ان کو مسلط کر دیا ہے اور آج کوفہ کے اندر ایک تقسیم ہے جس میں ایک جانب وہ لوگ ہیں جو تمہارے مددگار ہیں اور یہ ظالم اور جبر کرنے والے لوگ ہیں جبکہ دوسری طرف مظلوموں کے مددگار ہیں جو ظلم کے شکار لوگوں کے ساتھ ہیں۔

طیب الحربی کہتا ہے کہ بلاذری نے اس خط کو لکھنے والوں کے نام بھی لکھے ہیں جن میں مقبل بن قیس الریاحی، عبداللہ بن الطفیل العامری، مالک بن حبیب التمیمی، یزید بن قیس ارہابی، حجر بن عدی الکندی، عمر بن حمق الخزاعی، سلیمان بن صرد الخزاعی، مصیب بن نجبہ الفزاری، زید بن حسن الطئے، کعب بن عبدالنھادی، زید بن ناضر، بشیر بن مالک، مالک بن الدیان الحریثی، مسلمہ بن عبدالقاری شامل تھے اور الحربی کا کہنا ہے کہ یہ وہ گروہ ہے جو کوفہ کے اندر اصل میں شیعان علی کا عکاس ہے-اور یہ کوفہ کا وہ گروہ ہے جس کی مزاحمت کے تاریخی شواہد ہمیں خود جناب حضرت عمر کے دور سے ہی ملنا شروع ہوجاتے ہیں اور یہ مزاحمت جناب خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں اپنے عروج پہ پہنچ جاتی ہے اور جسے اہل قراء کہا جا رہا ہے اسی کا بہت غالب رول تھا زمانہ خلافت عثمانی میں کوفہ کے گورنر کے خلاف سیاسی مزاحمتی تحریک چلانے کا-طیب الحربی کتب تاریخ

وتفسیر و احادیث و اسماء الرجال میں آنے والے واقعات کے دوران لوگوں کے جملوں اور امثال سے کوفہ کی سیاسی وسماجی تقسیم اور مزاحمت ولڑائی کی ں ظریاتی وفکری بنیادوں اور پھر اس پہ بننے والے سیاسی و مذہبی گروہوں کی تفہیم کو آسان بنانے میں ہماری مدد کرتا ہے-عراق میں حضرت علی کے حامیوں میں اگر کوئی گروہ سب سے زیادہ مخلص اور جو بعد میں امامت کے منصوص من اللہ ہونے پہ بہت کلئیر نظر آیا اور جس نے کوفہ سمیت عراق کے اندر بے مثال قربانیوں کی تاریخ رقم کی اس کے اولین نشان تو ہمیں انہی لوگوں میں ملتے ہیں جن کو طبری ،بلازری ،ابن اثیر،ابن اعثم کوفی 'اہل قراء' کے لقب سے یاد کرتا ہے-جبکہ حضرت علی اور اہل بیت کے حامیوں میں باقی عناصر جن میں عراق کے بدوی اورعرب قبائل کے اکثر اشراف بھی شامل ہیں کی وفاداریاں نشیب وفراز کا شکار رہیں اور انہی میں سے خوارج بھی تھے جو کہ صفین کی جنگ میں 'تحکیم' کو عذر بنا کر حضرت علی علیہ السلام الکریم سے الگ ہو گئے-حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور دیگر آئمہ اہل بیت کی حمایت میں وفاداری کے ساتھ سرگرداں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جن کا امامت بارے نظریہ وہ تو نہیں تھا جسے ہم شیعہ امامیہ کے ہاں پاتے ہیں مگر انہوں نے خانوادہ اہل بیت کا ساتھ نہ چھوڑا اور جیسے بن پڑا آپ کا ساتھ دیا-مسلم تاریخ کی ابتداء میں مذہبی سیاسی گروہ بندی کی جانچ کرنے کے لئے جولیس ویل ہاچس (جرمن مشترق) کی کتاب 'ابتدائی زمانہ اسلام میں مذہبی سیاسی تقسیم /گروہ بندی' ایک اہم دستاویز ہے اور اس میں ہاچس نے جس طرح سے خوارج کی سماجی ترکیب کو بیان کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے-ڈاکٹر حسین محمد جعفری اگرچہ اپنی اوپر ذکر کردہ کتاب میں شیعی اسلام کی اصل اور ابتدائی تشکیل کا جائزہ لیتے ہوئے ان کتابوں کا تذکرہ کرنا بھول گئے یا انہوں نے ضروری نہیں سمجھا مگر ان کی کتاب کا پانچویں باب کی کئی ایک سطریں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کے سامنے یہ کام بھی تھا لیکن طوالت سے بچنے کے لئے انہوں اس کا تذکرہ زیادہ ضروری خیال نہ کیا-ایک اور کتاب جو حامد دباشی نے لکھی 'اتھارٹی ان اسلام: فرام رائزنگ آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹو اسٹیبلشمنٹ آف امویہ میں بھی ابتدائی

سیاسی مذہبی تقسیم اور اس حوالے سے جو کوفہ کا کردار ہے اس پہ کافی تفصیل سے بات کی گئی ہے- جیفری ٹی کینی کی کتاب' دی مسلم ریبلز: خوارج اینڈ ایکسٹریم ازم ان ایجپٹ (مسلم باغی: خوارج اور مصر میں انتہا پسندی) بھی ایک بہترین کتاب ہے جو کہ اگر چہ کوفہ سے براہ راست ڈیل نہیں کرتی لیکن اس میں ناردن میسو پوٹیمیا شمالی عراق میں خوارج کے بتدریج پھیلاؤ اور ان کے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے کیمپ سے الگ ہونے کے اسباب پہ کافی اچھی روشنی ڈالی گئی ہے-ایک اور بنیادی بات بھی کوفہ اور عراق کو ڈسکس کرتے ہوئے ذہن نشین رہنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم اور اہل بیت اطہار کے گرد جو لوگ اکٹھے ہوئے جن میں ان کو امام منجانب اللہ ماننے والے اور ان کی امامت کو نص کا معاملہ نہ سمجھنے والے بلکہ کئی ایک کسی بھی آدمی کے لئے جواز امامت و خلافت خیال کرنے والے سبھی شامل تھے اور ان تینوں گروہوں کے اندر شامیوں اور امیوں کے خلاف سیاسی و حربی سٹریٹجی اختیار کرنے کے حوالے سے کافی انتشار پایا جاتا تھا اور کم از کم تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اکثریت اہل عراق کی عام آدمیوں میں سے حربی راستے کی بجائے خیالی و مثالی امن کی متلاشی تھی اور اس تلاش میں وہ جدال کے راستے پہ چلنے سے گھبرانے لگی تھی جس کے نتائج خود ان کے اپنے حق میں بہت برے نکلے-عراق کے اشراف قبائل کی اکثریت جاہ پسندی کا شکار تھی اور وہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی مکمل جیت اور فتح نہیں چاہتی تھی اور یہی اس کا خیال امام حسن کے زمانے میں بھی تھا اور اشراف قبائل کی اکثریت بنوامیہ کے آگے ڈھیر ہوگئی تھی بلکہ اس نے شامیوں کے ذریعے ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کرلی جس نے نہ صرف معاویہ ابن سفیان کو پوری مسلم ریاست کا بادشاہ بننے کا موقعہ فراہم کیا بلکہ شہادت امام حسن سے لیکر واقعہ کربلاء تک کے المیے اس عراقی کوفی قبائلی اشرافیہ کی موقعہ پرست فطرت سے پیدا ہوئے-لیکن اہل عراق نے بالعموم اور اہل کوفہ نے بالخصوص آہستہ آہستہ اپنی غلطیوں اور خامیوں پہ قابو پایا اور شیعان علی کا کیمپ بھی مضبوط ہوتا چلا گیا- بنوامیہ ہی نہیں بلکہ بنوعباس کے خلاف مزاحمت کا سب سے بڑا کیمپ

بھی علوی کیمپ ہی بنتا چلا گیا- اور واقعہ کربلاء کے بعد یہ کوفہ ہی تھا جہاں نئی توانائی اور قوت کے ساتھ شیعی تحریک کا ظہور ہوا اور علی شناسی کے چراغوں کی روشنی تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی یہ درست ہے کہ واقعہ کربلاء کے بعد جناب امام سجاد سے لیکر امام جعفر صادق تک آئمہ اہل بیت مدینہ منورہ میں ہی رہے لیکن ان کی تحریک کا مرکز کوفہ ہی رہا اور علی شناسی وہیں سے بلاد اسلامیہ کے اندر پھیلتی رہی آج کے معاصر عراق، لبنان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں علوی کیمپ ہی سب سے بڑا مذہبی سیاسی کیمپ ہے اور جب میں علوی کیمپ کی بات کرتا ہوں تو اس میں شیعہ امامی، اسماعیلی ہی نہیں بلکہ صوفی سنّی بھی شامل ہوتے ہیں جن کی اصل جناب حضرت علی علیہ السلام الکریم کے زمانے میں بننے والے عمومی شیعان علی کے نام سے موجود سیاسی-مذہبی گروپ کے اندر ہی پیوست ہیں-کوفہ اور عراق کے باسیوں نے اموی و عباسی اور بعد کی ملوکیتوں کے جبر وستم سہے اور ان کی اکثریت نے اپنے آپ کو علوی کیمپ سے الگ کرنے سے انکار کیا- یہی وجہ ہے سارے اموی بادشاہوں نے عراق کو زبردست ریاستی جبر وتشدد کا نشانہ بنایا- اگر اہل عراق اور اہل کوفہ کی اکثریت کی تصویر ویسی ہوتی جیسی ہمیں 'کوفی لا یعفوی' جیسے القابات اور جملوں میں نظر آتی ہے تو اتنے بڑے پیمانے پہ ظلم وجبر اور ستم کرنے کی امویوں اور عباسیوں کو ضرورت کیا تھی؟ کیوں جناب امیر شام کو کوفہ کی جامع مسجد میں آ کر یہ کہنا پڑا تھا کہ اگر اہل کوفہ نے اپنی روش ترک نہ کی تو تلواروں سے ان کو سیدھا کر دیا جائے گا کونسی روش تھی اہل عراق و اہل کوفہ کی اور کون لوگ تھے ان کے مخاطب؟ یہ سوالات کم اہم نہیں ہیں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ جب 'کوفی' کا استعارہ یا 'کوفی ذہنیت' کی اصطلاح 'بے وفائی، دھوکہ بازی، موقعہ پرستی، بزدلی، انحراف، ہوس، لالچ' کے معانی میں حضرت علی علیہ السلام الکریم، امام حسن و امام حسین و حضرت زینب بنت علی، امام زین العابدین، امام باقر و امام سجاد کے ہاں دیکھنے کو ملتی ہے تو اس سے صاف صاف مراد ایک طرف تو کوفہ و اہل عراق کے وہ قبائلی اشراف ہیں جنھوں نے نظریہ پہ مال اور سماجی مرتبہ کو فوقیت دی اور وہ جا کر امویوں سے مل گئے، یا وہ جنھوں نے صفین میں تحکیم کے وقت آپ کو

چھوڑ دیا یا وہ جنھوں نے جا کر امویوں سے ساز باز کر لیا- ملامت کا مصداق شیعان علی کے نام سے موجود ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے خیالی امن پرستی کے زعم میں جناب بوتراب و جناب امام حسن کی سٹریٹجی کی بجائے نام نہاد گفت وشنید پہ زور دیا اور لڑائی سے کترانے لگے- لیکن اس منفی ترکیب کا مصداق کوفہ وعراق کے وہ جانثار ہر گز نہیں ہیں جو عراق میں اور کفہ میں بسے عرب قبائل کے اندر جا بجا موجود تھے اور اہل قراء کے نام سے ان میں سے چند ایک کے نام تاریخ میں سامنے آ گئے- ان سب کو نظر انداز کرنا اور سارے کوفہ واہل کوفہ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی کوشش کرنا تاریخ کے چہرے کو مسخ کرنے کے مترادف ہے

کوفہ شہر میں ریڈیکل پولیٹکل نظریات کی مقبولیت بارے پہلے پہلے عام طور پہ مورخین کا خیال یہ رہا کہ اس کا عروج خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان کے دور میں ہوا اور اکثر مورخین نے یہاں پہ انقلابی مذہبی-سیاسی خیالات کے ابتدائی بیجوں کا سراغ لگانے میں زیادہ سے زیادہ حضرت عثمان کے آخری دنوں تک ہی تلاش کی لیکن یوسف خلاف کے مقالے" ساتویں صدی کے درمیان کوفہ میں سیاسی صف بندی" مقالے کی اشاعت نے اس سوچ میں انقلابی تبدیلیوں کو جنم دیا- یوسف خلاف کا یہ مقالہ جرمن مستشرق جولئیس ویل ہاسچ کی تحقیق" ابتدائی اسلام میں مذہبی سیاسی گروہ بندی" میں بیان کئے جانے والے مقدمات کی توسیع معلوم ہوتا ہے- اور عراق کی فتح اور وہاں کے بندوبست اراضی، بیت المال کے نظام کو چلانے کا طریقہ کار اور سواد واشراف جیسی دو بڑی اہم سماجی ترکیب اور اس دوران کوفہ کے بتدریج ایک چھاؤنی سے اربن شہر بن جانے کے دوران پیدا ہونے والی تبدیلیوں نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے دور ہی میں اس شہر میں ایک ریڈیکل، انقلابی مذہبی سیاسی تحریک کے ابتدائی بیج بودیئے تھے- اور عمرو بن العاص کے زمانہ گورنری کے اندر ہی کوفہ میں مدینہ کی جانب سے قائم کردہ اتھارٹی کو چیلنج کر دئے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا- ایسے شواہد موجود ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں ہی کوفہ کے لوگوں کا حضرت علی علیہ السلام الکریم اور خانوادہ اہل بیت اطہار سے روابط کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا

باب دوم

کوفہ شہر کی تاسیس

❖

کوفہ شہر کی بنیاد 17 ہجری/ 638ء میں اس وقت رکھی گئی جب حضرت عمر فاروق کی خلافت مدینہ میں قائم ہوئے تیسرا سال ہو چلا تھا- اصل میں 15 ہجری/ 636ء کو قادسیہ کی جنگیں اپنے اختتام کو پہنچیں اور مسلم عرب لشکروں کو فتح ہوئی اور اس کی قیادت حضرت سعد بن ابی وقاص کر رہے تھے- اور اسی سال جلولاء نامی ٹاؤن بھی فتح کرلیا گیا جو کہ نھر دیالہ کے کنارے آباد تھا اور اس کا ساسانی دور میں فارسی نام سیروان دریا تھا- سعد بن ابی وقاص کو حضرت عمر نے جلولاء میں ٹھہر جانے کا حکم دے دیا- حسین محمد جعفری سمیت دیگر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ حکم ابتک کی فتوحات سے حاصل ہونے والے علاقوں میں عرب مسلم قبضے کو مضبوط بنانا تھا اور وہاں پہ انتظام و انصرام کو بہتر کرنا تھا- اس وقت عرب لشکر ساسانی دارالحکومت مدائن میں قیام پذیر تھا اور عرب لشکر کے لوگوں کو یہ شہر اپنی حبس زدگی اور گنجان آباد ہونے کی وجہ سے بہت ہی خراب فضاء کا شہر لگتا تھا- یہاں صحراء کی جیسی صاف شفاف ہوا کی موجودگی نہیں تھی- اور چراگاہوں کی بھی اشد کمی تھی- اس حوالے سے جب لشکر میں شکایات بڑھ گئیں تو سعد بن ابی وقاص نے خلیفہ دوئم حضرت عمر کو سارا حال لکھ بھیجا اور اس پہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے جن لوگوں سے مشاورت کی ان میں حضرت علی علیہ السلام الکریم بھی شامل تھے اور آپ نے مشورہ دیا کہ مدائن سے عرب لشکر کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے جو صحرا کے نزدیک ہو اور وہاں کی آب و ہوا بھی عربوں کو موافق آئے- جگہ کے انتخاب میں بھی حضرت علی علیہ السلام الکریم کے دو انتہائی قریبی ساتھی حضرت سلمان فارسی و حضرت حذیفہ بن الیمان ہی کام

آئے-انہوں نے دو تین جگہوں کو دیکھا اور طویل غور وفکر کیا گیا اور قریب قریب دو سال کا عرصہ لگا علاقہ چننے میں انہوں نے میسو پوٹیمیا کا قدم علاقہ الحراء کے نزدیک دریائے فرات کے مغربی کنارے کی جگہ پسند کی-تو یہاں عرب لشکر چلا آیا اور یہیں پہ خیمے لگا دئے گئے-اور دریائے فرات کا مغربی کنارہ الحراء کے ل زدیک آہستہ آہستہ ایک نئے شہر کی بنیاد پڑ گئی اور اس کا نام کوفہ پڑ گیا کوفہ شہر کی بنیاد پڑتے وقت ہمیں حضرت علی علیہ السلام کا تذکرہ کسی نہ کسی حوالے سے ملتا ہے اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ کوفہ شہر اپنی تشکیل کے ساتھ ہی اہل بیت اطہار کی جانب رجحان کو سمونے والا شہر ثابت ہوا تھا-

عرب لشکر کا اگر ہم علاقائی پس منظر دیکھیں تو اس میں کئی علاقوں سے شریک عرب جنگجو شامل تھے اور یہ سب کے سب وہ تھے جنھوں نے ساسانیوں کے زیر حکمرانی عراق کو فتح کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا-اور بقول یوسف خلاف ان کو بعد ازاں مورخوں نے اہل الایام القادسیۃ بھی لکھا اور یہی" اہل الایام القادسیۃ" دریائے فرات کے مغربی کنارے پہ آکر خیمہ زن ہوئے-اور یہ بھی خیال رہے کہ کوفہ میں بعد ازاں جو" اشراف قبائلی طاقتور سماجی گروپ" وجود میں آیا اس کے اکثر اراکین" اہل الایام القادسیۃ" ہی تھے اور یہی بعد ازاں کوفہ کا سب سے بڑا مرفہ الحال اور دولت مند بنے-اور اسی گروپ کے زیادہ تر اشراف عرب نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی حربی اور جارح سٹریٹجی کے مدمقابل مرتاض قسم کی فراریت پہ مبنی پالیسی کو اہل عراق پہ تھونپنے کی کوشش کی لیکن یہ بات سب" اہل الایام القادسیۃ" کے بارے میں درست نہ ہے ان میں کئی ایک جناب علی المرتضیٰ کے بے مثال رفیق ثابت ہوئے-یوسف خلاف، ویلہا سچ جرمن مستشرق اور طیب الحربی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حسین محمد جعفری نے بھی کوفہ شہر کی بنیاد بارے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان سب کا کم ازکم اس بات سے اتفاق ہے کہ کوفہ شہر کو پہلے پہل ایک گریژن/ چھاؤنی کی شکل دینے کا ارادہ تھا اور عمر فاروق نے سعد بن ابی وقاص کو خط میں لکھا کہ ایک" دارالہجرت و الجہاد والقیر وان" کی ضرورت ہے-یعنی ایک تو وہاں جگہ جگہ سے شامل ہونے والے عرب

جہادی ٹھہریں گے، پھر وہیں سے عراق کے مفتوحہ علاقوں پہ کنٹرول کو مستحکم کرنے کا کام بھی کیا جائے اور یہ لوگوں کے باہمی صلاح مشورے کا مرکز بھی بن جائے-اس سے ثابت ہوا کہ ابتداء میں یہ ایک چھاؤنی بنانے کا فیصلہ تھا اور اسے ایک سیٹلڈ سٹی بنانے کا کوئی فیصلہ نہیں تھا-

یہاں پہ ذرا ٹھہر کر ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت بھی ہے کہ کیا عربوں کو ٹاؤن/ شہر جیسے کہتے ہیں ان کو بسانے کا کوئی تجربہ اسے پہلے تھا کہ نہیں-حسین محمد جعفری، ڈاکٹر محمد حسین دتّو، مارٹن ہنڈز سمیت کئی ماہرین تاریخ کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ ایک ایسا شہر جو
سیاسی سماجی اکائی کے طور پہ بسایا جائے یہ تصور عربوں کے ہاں ابھی بہت دور تھا-کوفہ سے پہلے بصرہ کو بسایا گیا تھا-اور بصرہ کے اندر زیادہ مشکل پیش نہیں آئی تھی کیونکہ وہاں دو ہی بڑے عرب قبیلے تھے بنو تمیم اور بنو بکر تو ان کو بسانا آسان تھا-لیکن سعد بن ابی وقاص کا جو لشکر تھا ایک تو وہ کئی قبیلوں اور ان کی ذیلی شاخوں سے تعلق رکھنے والے عربوں پہ مشتمل تھا-حسین محمد جعفری نے جن ذرایع سے اس لشکر کی تعداد معلوم کی ان ذرایع کے مطابق 15 ہزار سے 20 ہزار سپاہی تھے جو دور دراز کے مختلف علاقوں سے آئے تھے اور مختلف عرب قبائل اور ان کی شاخوں سے تعلق رکھتے-ڈاکٹر محمد حسین دتّو کے بقول محتاط اندازے کے مطابق عرب لشکریوں کی تعداد 20 ہزار اور فارسی سپاہیوں کی تعداد 4 ہزار تھی اور یہ فارسی سپاہ دیلم نام کے ایک لیڈر کے تحت جمع تھی-عرب لشکریوں کا تعلق زیادہ تر بنو سلیم، ہمدان، بجابلہ، نماللات، بنو تغلب، بنو اسد، نخاہ، کندہ، ازد، مزینہ تمیم محرابا مریم جدلہ، اخلاط، جہنیہ، مجاز اور ہواون وغیرہ سے تھا-اور یہ سب ملے جلے تھے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پہ افرادی قوت کے اعتبار سے زیادہ طاقت نہیں رکھتا تھا اور یہ ایک طرح سے بہت زیادہ تنوع والی صورت حال تھی-سعد بن ابی وقاص نے یہ کیا کہ ان کی ایک بڑی تقسیم کی-اور یہ نزاری عرب اور یمنی عرب کی ایک بڑی تقسیم تھی لیکن یہ تجربہ کچھ زیادہ کامیاب نہ رہا اور جلد ہی سعد بن ابی وقاص نے اس سماجی تقسیم کو بدل ڈالا-

اکثر مورخین کوفہ کی تقسیم کو" ایڈمنسٹریشن بلاک" میں تقسیم سے تعبیر کرتے ہیں اس طرح کی تقسیم کے ان کے نزدیک تین فیز تھے حضرت سعد بن ابی وقاص نے کوفہ کی جو پہلی ایڈمنسٹریشن تقسیم کی تھی یعنی اسے نزاری عرب اور یمنی عرب دو بلاکس میں تقسیم کیا تھا، اس کے نتائج بہتر نہ نکلے کیونکہ ہر ایک بلاک میں جو قبائل کی مختلف شاخیں تھیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک اور جڑت بنانے میں ناکام رہے اور کافی سنگین قسم کے چیلنج ابھر کر سامنے آئے، پھر یہ جو ان بلاکوں کے اندر جو انتشار دیکھنے کو مل رہا تھا یہ کوفہ شہر کے بطور گریژن سٹی بنانے کے تصور کے آڑے آرہا تھا- تو ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے کوفہ کی سماجی اجتماعیت کی تشکیل نو کرنے کا فیصلہ کیا گیا- کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ یہ کیا گیا کہ عرب ماہرین الانساب کو بلایا جائے اور کوفہ میں بسے عرب قبائل کے شجرے دیکھ کر عصبہ کی بنیاد پہ قبائل کی تنظیم نو کی جائے- یعنی عرب قبائل کے درمیان جو سیاسی معاہدے ہیں جسے عصبہ کہتے ہیں کو مدنظر رکھکر کوفہ کی سماجی اجتماعیت کی ترکیب نو کی جائے- تو اس بنیاد پہ کوفہ کی ساری آبادی کی تقسیم" عصبہ" کی بنیاد پہ 7 بڑے گروپوں میں یا بلاکوں میں کی گئی مارٹن ہنڈز، یوسف خلاف، حلبی اور حسین محمد جعفری کے بقول کوفہ کی سماجی اجتماعیت کی یہ تشکیل نو" ماقبل اسلامی" یا روائتی عرب قبائلی نظم کی بنیاد پہ رکھی گئی اور اس سماجی ترکیب کے اندر بھی" اہل الایام القادسیۃ" کی اشرافیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا تھا اس اشرافیت کو مقدم رکھے جانے کا اندازہ 'کنانہ بلاک' سے کیا جاسکتا ہے یہ ایک بلاک تھا جس میں کنانہ، احباش، جدالہ، قیس، ایلان (حجاز سے) کے قبائل شامل تھے کنعانہ اور قریش سابقہ تقسیم میں اس گروپ میں شامل تھے، جسے خندیف کہا جاتا تھا اور یہ اہل العلیا بلند مرتبہ والے کہلاتے تھے کنانہ اور جدالہ دونوں کے دونوں کوفہ کے اندر ایک تو ایک دوسرے کے بہت قریبی اتحادی تھے تو دوسری طرف ان کے قریشی عربی گورنر ان کوفہ سے گہرے سمبندھ تھے ان کی تعداد بہت کم تھی لیکن ان کا اثر و رسوخ اور سماجی مقام بہت بلند تھا-

کنانہ قبیلے سے ہی حضرت ابوزر غفاری کنانی کا تعلق تھا اور اس قبیلے سے ہی ایک بڑا

لشکر غالب بن عبداللہ اللیثی کی قیادت میں قادسیہ کی جنگ میں شامل ہوا تھا اور کنانہ قبیلہ پہلے حضرت علی کے ساتھ تھا اور جمل کی جنگ میں عراق میں بسے سارے کنانیوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا لیکن صفین کی جنگ میں یہ دو حصّوں میں بٹ گیا ایک جیش لشکر جس کی قیادت حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلۃ کر رہے تھے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ تھا جب کہ دوسرا گروہ کنانیوں کا تمیم بن نصر الضمری الکنانی کی قیادت میں شامی لشکر کے ساتھ تھا۔کنانی قیس اعیلا ن کی اولاد تھے اور عرب قیس اعیلا ن قبیلے کی یمنی عرب قبائل سے پرانی حریفانہ کشمکش چل رہی تھی اور یہ کشمکش بنو امیہ کے عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جھگڑے میں بہت کھل کر سامنے آئی اور اس زمانے میں قیس اعیلا ن قبیلے سے عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دیا۔اس کشمکش کا سب سے بڑا سبب میسوپوٹیمیا کی زرعی زمینوں پہ کنٹرول کی لڑائی تھی

دوسرا بلاک قضاعۃ،غسّان،بجلیۃ ، خثعم ،کندہ،حضرموت اور ازد قبائل کی کنفیڈریشن پہ مشتمل تھا۔یہ یمنی قبائل تھے اور اس میں جو بجلیۃ قبیلہ ہے اس کو عراق کی سوادی زمینوں کا ایک ربع عطاء کیا گیا تھا اور اس کا سردار جعفر بن عبداللہ کے خلیفہ راشد دوئم حضرت عمر فاروق سے بہت قریبی تعلق تھا اور یہ ان کے ذاتی دوست تھے۔جبکہ دوسرا قبیلہ اس گروپ میں کندہ تھا جس سے اشعث بن قیس کا تعلق تھا اور یہ دونوں اس گروپ میں غالب پوزیشن رکھتے تھے۔

تیسرا گروپ یا بلاک قبائل مذحج (اسی قبیلے سے حضرت عمار بن یاسر علیہ السلام کا تعلق تھا)، ہمدان (یہ وہ قبیلہ ہے جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو روانہ کیا تھا اور اس قبیلے نے اسلام قبول کیا تو حضرت علی علیہ السلام الکریم نے ایک خط اس بارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارسال کیا آپ نے جب یہ سنا سجدہ شکر کیا اور سر اٹھا کر تین مرتبہ ہمدان قبیلے کی سلامتی کی دعا مانگی)،حمیر اور ان کے اتحادیوں پہ مشتمل تھا۔ہمدانی قبیلہ کوفہ کے اندر بہت بااثر تھا اور اس نے حضرت علی علیہ السلام الکریم اور آئمہ اہل بیت اطہار کی بہت زیادہ حمایت کی اور عراق میں یہ امویوں کے خلاف ایک اہم ترین

قبیلہ شمار ہوتا تھا

چوتھا گروپ تمیم، رحاب اور ھوازن پہ مشتمل تھا یہ بنو مضر سے تعلق رکھتے تھے جبکہ پانچواں گروپ بنو اسد، غطفان، محارب، دو بیۃ، نمر اور تغلب پہ مشتمل تھا یہ بنو ربیعۃ اور بنو بکر کے نزاری عرب قبائل پہ مشتمل گروپ تھا۔

چھٹا گروپ ایاد، عک، عبدالقیس اور حمیرا قبائل پہ مشتمل تھا۔قبیلہ ایاد (یہ ان قدیم عرب قبائل کی ایک فیڈریشن ہے جوکہ بہت پہلے سے عراق کے اندر آباد تھے اور یہ بازنطین سلطنت میں اہم مقام رکھتے تھے اور چھٹی صدی عیسوی میں یہ بازنطین سلطنت کے علاقوں میں داخل ہوئے جن میں میسوپوٹیمیا/عراق بھی شامل تھا اور ایاد قبیلہ نے میسوپوٹیمیا/عراق کے اندر کلچر کے حوالے سے بہت ہی اہم کردار ادا کیا اور تین جہتوں سے تھا، ایک یہ کرسچن تھے، دوسرے ان کی شاعری اور تیسرا ان کا عرب ہونا جبکہ عک (مھجع بن صالح عکی جنگ بدر کے پہلے شہید کا تعلق بھی عک قبیلے سے تھا اور یہ مولی عمر ابن خطاب تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی (ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا) بھی عدنانی عرب قبیلہ تھا اور یہ بھی بہت پہلے سے غالب امکان ہے کہ 6ویں صدی عیسوی سے یہ لوگ عراق میں آبسے تھے ان دونوں قبائل نے ساسانی افواج کے خلاف مسلم عرب افواج کا ساتھ دیا تھا۔ عبدالقیس قبیلہ بھی ایک اور عرب عدنانی شاخ ہے، اس قبیلے نے 9 ہجری میں ایک بڑا وفد مدینہ بھیجا تھا اور اسلام قبول کرلیا تھا اور ان کو الاہل الہجر بھی کہا جاتا ہے اور یہ بحرین سے وفد آیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ کے بعد دوسرے جس شہر میں پہلی مرتبہ نماز جمعہ ہوئی وہ عبدالقیس قبیلہ کے شہر بحرین میں ہی ہوئی تھی یہ قبیلہ بصرہ، موصل اور پھر کوفہ میں مسلم عرب لشکر کے ساتھ ہی مقیم ہوئے۔ یہ تینوں قبیلے یعنی ایاد، عک اور عبدالقیس بنو تمیم کے سردار زھرہ بن حوائیہ کی قیادت میں متحد ہو گئے اور ان کے اس اتحاد نے فارسی افواج کو سخت ھزیمت سے دوچار کیا۔ اور اس گروپ کی طاقت میں اس وقت مزید اضافہ ہوگیا جب 4 ہزار فارسی غلاموں نے اسلام قبول کرلیا اور ان کا سردار دیلم کی قیادت میں ان سے آملا تو یہاں جو حمیر

قبیلہ ہے اس گروپ میں اس سے مراد بقول حسین محمد جعفری اور دیگر یہی چار ہزار فارسی غلام ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے- یہ گروپ قبائل کا کوفہ کی سماجی ترکیب میں اور ں ظم اجتماعیت میں اگر چہ تعداد کے اعتبار سے زیادہ تھا لیکن اسے کوفہ کے نظم اجتماعی میں سماجی رتبے کے لحاظ سے دوسرے گروپوں کی جانب سے تحقیر کا سامنا تھا- خاص طور پہ قریشی گورنروں کے حامی پہلا گروپ جس کی قیادت کنانیوں کے پاس تھی کے ساتھ اس کا تضاد بہت جلدی سامنے آیا- عبدالقیس، ایاد اور عک قبائل میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی کوفہ، بصرہ اور موصل میں بالخصوص حمایت بہت زیادہ تھی اور یہ قبائل جمل، صفین کی جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ دل جمعی سے کھڑے رہے

ساتواں گروپ قبیلہ طے کا ہے، اگر چہ طبری نے کوفہ پہ سو کے قریب صفحات لکھے لیکن اس کو الگ سے زکر نہیں کیا لیکن بلازری نے یہ اہتمام کیا ہے اور یہ بہت بڑا قبیلہ تھا جو کہ قبل اسلام سے ہی عراق، شام اور آج کے ترکی تک جا بسا تھا اور اس قبیلے کے کئی لوگوں نے کرسچن مذہب اختیار کرلیا تھا طی ءقبیلہ 9 ہجری میں اسلام کرگیا اور اس کا سردار عدی بن حاتمؓ تھے عربوں میں سخاوت کے لحاظ سے دیومالائی کردار حاتم کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا- 11 ہجری میں جب بڑے پیمانے پہ قبائل نے اسلام ترک کردیا تو یہ قبیلہ قائم دائم رہا- مثنٰی بن الحارثہ کے ساتھ ملکر انہوں نے عراق اور حیرہ کی جنگوں میں حصّہ لیا اور پھر ایام القادسیۃ میں بھی یہ بڑے اہتمام سے شریک ہوئے اور کوفہ کے اندر اس قبیلے کی بڑی تعداد آباد ہوئی قبیلہ طی ء کے لوگ بھی حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شریک رہے اور ثابت قدم رہے اس قبیلے کے لوگ امام حسن کے ساتھ کوفہ میں ڈٹے رہے اور یہ عدی بن حاتم تھے جنھوں نے کوفہ میں امام حسن کے لئے زبردست تحریک بھی چلائی تھی اور اسی قبیلے کے معزز سردار اور عدی بن حاتم کے بیٹے ترمیمہ بن عدی امام حسین کو فہ کے راستے میں ملے تھے اور انہوں نے امام حسین کو یمن کے پہاڑوں میں بسے طی ء قبیلے میں چلنے کی دعوت دی تھی ایسے آثار موجود ہیں کہ جب جبر اور ستم حکومت اموی بہت زیادہ بڑھ گیا تو اس

قبیلے کے اکثر لوگوں نے یمن کے پہاڑوں میں نقل مکانی کرلی تھی

ہم کوفہ کی تیسری نظم اجتماعی کی ترکیب نو جوکہ ٹھیک 19 سال بعد جب حضرت علی مدینہ سے کوفہ آئے واقع ہوئی تھی پر زرا بعد میں لکھیں گے لیکن پہلے یہاں کچھ اور بنیادی باتیں طے کرلی جائیں جن کا اس مقالے سے براہ راست تعلق ہے

باب سوم

کوفہ کی ابتدائی سیاسی وابستگی

❖

بعد میں آنے والے مورخین نے کوفہ کی ابتدائی سیاسی مذہبی وابستگی بارے موقف کا تعین کرنے کے لئے جو راستہ اختیار کیا، وہ بہت حد تک فرقہ وارانہ ہے- مثال کے طور پہ شہادت حضرت علی علیہ السلام الکریم، صلح امام حسین کے پس منظر اور واقعہ کربلاء کے ظہور پذیر ہونے کے بعد جب ان واقعات کی زمہ داری کا تعین کرنے کی بات آئی اور سنّی وشیعہ کی تقسیم خاصی گہری ہوگئی اور یہ دو واضح مکتبہ فکر کی شکل میں سامنے آگئے تو ہمارے سامنے ایسے مورخوں کی کمی نہیں ہے جن کی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی طرح سے حضرت علی علیہ السلام الکریم، اہل بیت اطہار اور ان کے رفقاء کے خلاف کئے جانے والے جرائم کی زمہ داری امویوں کے سر سے اتار ڈالیں اور اسے الٹا آپ کے ساتھیوں کے ذمے ہی ڈال دیا جائے اب اگر" کوفہ" بارے آپ تعصبات اور شدت سے مذمت کے رجحان کا جائزہ لیں تو آپ کو واضح اندازہ ہوگا کہ کیسے یہ بڑی ہوشیاری اور کمال مہارت سے امویوں کے جرائم پہ پردہ ڈالنے اور اس حوالے سے پورے کوفہ کو ایک مجرم شہر کے طور پہ پیش کرنے کی کوشش تھی اور یہ کوشش یہاں تک ہوئی کہ قتل حسین بن علی بن ابی طالب کو بھی یزید کے زمے سے ہٹا کر صرف عبیداللہ ابن زیاد اور شمر تک محدود کرتے ہوئے اصل نزلہ اہل کوفہ پہ گرادیا گیا اور اسقدر شور مچایا گیا کہ کوفہ کی تاریخ کے جو روشن ابواب تھے وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے- کوفہ شہر میں جب یہ آباد ہوا اور حضرت علی کے کوفہ آنے تک کن سیاسی نظریات کے حامل لوگوں کی اکثریت تھی یہ سوال اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور یہ بھی جاننا بہت اہمیت کا حامل ہے کہ

کوفہ امویوں کی حکومت آنے تک عربوں کی اکثریت کا شہر رہا یا یہ عجمیوں کا شہر بن گیا تھا؟
اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جسے جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کوفہ آج بھی عربوں کی اکثریت کا شہر ہے اور یہ امویوں اور عباسیوں کے دور میں بھی عربوں کی اکثریت کا شہر رہا۔ اور اس شہر کی ابتدائی سیاسی وابستگی کیا تھی اس کا ایک ثبوت تو ہمیں نہج البلاغہ میں ہی ایک واقعے سے ملتا ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام الکریم نے حضرت عمار یاسر، حجر بن عدی الکندی اور امام حسن کو کوفہ بھیجا تا کہ وہ لوگوں سے ان کے لئے حمایت طلب کریں تو لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ شیخین کریمین یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟

یہ واقعہ پورا درج ہے کہ یہ تینوں اصحاب پھر آپ کے پاس آئے اور آپ کو اس بارے بتایا بھی تو یہ بات مسلم ہے کہ کوفہ شہر اپنی تاسیس کے دن سے لیکر بعد تک شیخین کے حامیوں کا شہر تھا اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں بھی آپس کے باہمی معمولی افتراق کے باوجود اس شہر نے مدینہ کی اتھارٹی کو کبھی چیلنج نہ کیا اب یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ شہر فتنوں کا شہر ہے، شریر لوگوں کا شہر ہے اور تخریب اس شہر کی سرشست میں ہے یا اس شہر کو مجوسی سازش کا گڑھ بتایا جاتا ہے تا کہ اس شہر میں بعد ازاں ہونے والی ریڈیکلائزیشن کو ایک سازش بتایا جائے اور اس کی انقلابی جہت کا انکار کیا جا سکے۔ اس شہر میں کوفہ کی جامع مسجد تھی اور ہر گروپ کی جس کے علاقے کو ہم ایک ڈسٹرکٹ کہہ سکتے ہیں اپنی مسجد تھی اور کوفہ کی مسجد میں بیک وقت چالیس ہزار نمازی آسکتے تھے اور یہ شہر اپنی ہئیت کے اعتبار سے بہت بعد تک کسی بھی لحاظ سے امامیہ شیعہ کی اکثریت کا شہر نہ تھا بلکہ پولیٹکل شیعہ کی اگر ہم اصطلاح استعمال کریں تو یہ اس کی اکثریت کا شہر بھی حضرت علی علیہ السلام الکریم کی کوفہ آمد کے وقت بنا ہاں ایک بات بہت ہی واضح ہے کہ اس شہر کی اکثریت نے قریشی غلبے اور اموی اشرافیت کو حضرت عثمان کے دور میں رد کرنا شروع کر دیا تھا اور ولید بن عقبہ کے خلاف اس شہر کی فضاء واضح طور پہ ناموافق ہوئی اور اس کے خلاف سب سے زیادہ مضبوط احتجاج اور

تحریک جو چلی کوفہ میں اس کی قیادت کرنے والوں میں عرب پس منظر کے حامل جید صحابہ کرام بشمول عدی بن حاتم، حجر بن عدی، وغیرہ تھے اور یہ کسی بھی لحاظ سے فارسیوں کی کوفہ میں تحریک نہ تھی مدینہ کی اتھارٹی کے خلاف کوفہ کے اندر جو تحریک پیدا ہوئی اس کا سبب بھی مرکز کا اموی اشراف کا ساتھ دینا تھا اور یہی اشرافیت تھی جس کے خلاف ہمیں نہج البلاغہ اور دیگر کتب تواریخ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خطبات ملتے ہیں اور وہ تواتر سے قریشی اشرافیہ کی اکثریت کے غلط سیاسی موقف اور دنیا پرستی کے بارے میں بار بار باتیں کرتے ہیں اور ظلم کے خلاف، باطل کے خلاف ان کے نظریات بہت ہی واضح ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں اس لئے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے رفقاء اور ان کے حامیوں کو مطعون کرنے کی مجمل پالیسی ہرگز ٹھیک نہیں ہے اور سارے کوفہ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کا طریقہ بھی غلط ہے۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے جب مدینہ چھوڑا اور کوفہ کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا اور وہیں رہ کر انھوں نے اموی اشرافیت کا مقابلہ کیا تو یہ بات سوچنے والی ہے کہ اگر ان کے ساتھ کوفہ میں کوئی نہ تھا اور سارا کوفہ ہی بے وفائی پہ مصر تھا تو انہوں نے کوفہ ہی میں ٹکے رہنے پہ کیوں اکتفا کیا؟ اور پھر یہ بات سوچنے کی ہے اگر کوفہ کے سبھی رہنے والے لالچی، بزدل، کائر، حکومت اور عہدوں کے بھوکے تھے تو امیر شام سے لیکر سبھی اموی بادشاہوں نے عراق بشمول کوفہ پہ انتہائی جابر گورنر کیوں مسلط کئے؟ ان کو کیوں ڈرایا دھمکایا جاتا رہا؟ ان کے قتل کیوں ہوتے رہے اور پھر بار بار کوفہ بغاوت کا مرکز کیوں بنتا تھا؟ اور کیوں کوفہ کی جانب اہل بیت اطہار دیکھا کرتے تھے اور جناب امام حسین علیہ السلام نے عراق کا ہی دوبارہ رخ کیوں کیا؟ ان کی منزل پھر کوفہ ہی کیوں تھی؟ اگر کوفی وعدہ ایفا کرنے والے نہ تھے سب کے سب تو امام حسین اپنے اہل خانہ اور رفقاء کے ساتھ اسی شہر بے وفا میں قدم رکھنے کیوں چلے آئے تھے؟ ہم اگر سارے کوفہ کو ہی مورد الزام ٹھہرا دیں گے تو پھر ہمیں اس شہر میں بسنے والے ہمدانیوں، عبدالقیس، حمیرا، بنو اسد، اور دیگر کی قربانیوں کا انکار کرنا پڑے گا اور ان کی خدمات

کا بھی اور ہم ارتقاء کی اس کڑی کو بھی کبھی نہ پاسکیں گے جس نے کوفہ شہر کی اکثریت کو آخر کار ایک علوی شہر میں بدل ڈالا تھا اور کوفہ شہر کی وابستگی کی ابتداء سے آخر تک یہ بھی دیکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ عراق میں وہ کونسے ہتھکنڈے اور حربے تھے جو اس کے باسیوں کی علویوں سے یک جہتی اور نیاز مندی کو توڑنے کے لئے اپنائے گئے ڈرائے جانے اور بے پناہ دہشت زدہ کرنے کا ہتھیار اور کوفہ سمیت عراق کے عرب قبائل کے اشراف کو خریدے جانے کا ہتھیار اور ان کے درمیان نہ ختم ہونے والی افواہیں پھیلانے کا حربہ یہ سب آپ کو تاریخ کی کتب اور قدیم لٹریچر میں جا بجا بکھرا ہوا ملے گا کوفہ اور عراق پہ قدیم تاریخی ماخذ کو اگر آپ کھنگالیں، سوصفحات طبری نے لکھے، بلاذری کے عراقی قبائل کے بارے میں بیان کئے گئے صفحات کو لے لیں، اعثم کوفی کی کوفہ بارے کی جانے والی باتوں کو اکٹھا کریں، تو آپ کے سامنے ایک پوری تصویر آجائے گی کہ کیسے عراق کے اندر حضرت علی علیہ السلام الکریم اور ان کے بعد آنے والی اولاد کی حمایت اور ان سے محبت و مودت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور کیسے عرب اشرافیت کے خلاف جو عراق، مصر کے اندر ایک بڑی ریڈیکل سیاسی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسے ختم کرنے کی کیسے کوشش کی گئی اور یہ بھی مدنظر رہے کہ اموی ہوں کہ عباسی انھوں نے اپنے اپنے قبضوں کے مستحکم ہونے کے بعد تاریخ کو مسخ کرنے اور " علی شناسی" کو مبہم بنانے میں کوئی کمی نہیں کی اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ علویوں کے استحقاق حکمرانی کے مقابلے میں ان کا اپنا استحقاق کو کہیں سے ثابت ہوتا نہیں تھا اور اسی لئے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلیفہ بننے کے بعد ان کی مخالفت میں جس سیاسی کیمپ کا ظہور ہوا اس کے افکار اور اعمال سے صرف نظر کرنے کے لئے" عبداللہ ابن سباء" کا کردار گھڑ لیا گیا اور حیرت انگیز طور پہ کوفہ کی بالخصوص اور عراق کی بالعموم سیاسی-فکری مذہبی زندگی کو ہی سبائیت کے برابر ٹھہرا دینے کی بھرپور کوشش کی گئی اور کوفہ شہر کے علمی وفقہی، تاریخی کردار کو گہنا دیا گیا اور المیہ یہ ہے کہ یہ پروپیگنڈا اتنا شدید اور اتنا بدتر ہے کہ کوفہ شہر کو علمی اور سیاسی اعتبار سے اپنا شہر کہنے میں خود مین سٹریم سنّی اسلام کے سب سے بڑے فقہی مکتبہ فکر یعنی احناف اور

مین سٹریم شیعی اسلام کے سب سے بڑے گروپ یعنی اثناء عشری کو شرم آتی ہے-

قاتلان امام حسین کا ذکر آئے تو سنّی کہتے ہیں کہ یہ کوفیوں کا کام تھا جو کہ شیعہ تھے اور شیعہ کہتے ہیں کہ کوفہ تو کبھی شیعہ امامیہ کی اکثریت کا شہر تھا ہی نہیں یہ تو سنّی شہر تھا تو قاتلان امام حسین سنّی ہوں گے دھوکے باز، دغا باز اور عہد شکن بھی سنّی ہوں گے وہ کہتے ہیں کہ شیعہ ہوں گے-لیکن بات اتنی سادہ ہے نہیں جتنی بنادی جاتی ہے-کوفہ کے جس بازار میں بی بی زینب رضی اللہ عنھا کے خطبے کا زکر شیعہ اور سنّی دونوں کے ہاں سننے کو ملتا ہے تو کیا اس ایک بازار میں سبھی کوفی جمع تھے اور سبھی کے سبھی عہد شکن اور دھوکہ باز تھے؟ یقینی بات ہے کہ ایسا نہیں تھا تاریخ میں زکر ہے کہ اس بازار میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے ہاتھوں میں پتھر تھے ، کچھ مذاق اور ٹھٹھا کر رہے تھے تو کیا یہ لوگ محبان اہل بیت تھے؟ چلو فرزدق کی بات کر لیتے ہیں جس نے کہا کہ دل آپکے ساتھ مگر تلواریں نہیں ہیں تو اسی ایک فقرے سے قیاس کیجئے کہ عزیمت کی بجائے رخصت اختیار کرنے والے وہ کوفی جن کے دل اہل بیت اطہار کے ساتھ رخصت کے مذہب پہ عمل کرنے کی وجہ سے قابل ملامت تو ٹھہر جاتے ہیں لیکن کیا ان کو بالکل ہی علوی کیمپ سے خارج کردیا جائے گا؟ ہرگز نہیں بات سمجھنے اور پالینے کے کئی زاویے ہوا کرتے ہیں اور آگے چل کر میں بتاؤں گا کہ اموی افواج اور اس کی ایڈمنسٹریشن نے کیسے کوفہ کی جانب آنے والے اور کربلاء کی اور آنے والے عراق کے سب راستوں کو کیسے بلاک کیا کہ کوفہ اور بصرہ سے اہل بیت اطہار کے حامی امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی مدد کو نہ پہنچ سکے اور کیسے عرب اشراف قبائلی سرداروں نے وہی کیا جو انھوں نے امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا تو کوفہ اور عراق کا علوی کیمپ کسقدر زمہ دار ٹھہرتا ہے اور کس قدر ہم اسے الزام دے سکتے ہیں یہ سب باتیں آگے چل کر اور صاف ہوں گی لیکن یہ بات طے ہے کہ اہل عراق کی اکثریت کے اندر علوی کیمپ کی حمایت کا تناسب بہت زیادہ تھا تبھی تو یزید کو امیر شام نے عراق کے ساتھ سختی سے نمٹنے کو کہا تھا اور ان کے پورے دور میں عراق میں اہل بیت کے حامیوں کے خلاف سخت ترین جبر اور تشدد کی فضا قائم رکھی گئی تھی اگر کوفہ اور عراق

والے فکری علوی سے مخلص نہ تھے یا ان کے ہاں علوی افکار کی کوئی اہمیت نہ تھی تو شامیوں کی طرح عراقیوں نے اموی افکار اور نظریات کو مجموعی طور پہ اپنا کیوں نہ لیا اور سٹیٹس کو کے حامی کیوں نہ بنے اور کوفہ شہر امویوں کے خلاف مسلسل بغاوتوں اور انقلابی ابھاروں کا مرکز کیوں بنا رہا؟ اور عراقیوں کی فقہ، ان کے فہم تفسیر، فہم حدیث، ان کے فہم عقائد کے خلاف امویوں کے سرکاری و درباری لکھاریوں نے ایک محاذ کھولے کیوں رکھا؟ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ بعد مابعد کربلاء بھی مین سٹریم سنّی اسلام کی بڑی بڑی شخصیات جن کا جنم کوفہ میں ہوا وہ بھی امویوں کے سخت خلاف تھیں اور یہاں تک کہ جب عباسیوں نے علویوں کے ساتھ مخاصمت شروع کی تب بھی ان شخصیات نے علوی کیمپ کا ساتھ دیا- امام اعظم ابوحنیفہ کی سیرت سب کے سامنے ہے- وہ ہشام بن عبدالمالک کے خلاف بھی رہے اور اوائل عباسی خلفاء کو بھی رد کیا امام مالک اور امام شافعی کی حالت بھی یہی تھی امام شافعی نے اپنے اشعار میں محبت اہل بیت اطہار کا جیسے اظہار کیا اس سے صاف ان کی سیاسی وابستگی کا اندازہ ہوتا جاتا ہے اور وہ عباسی دور میں سانس لے رہے تھے، اس زمانے میں ان کے گرد ونواح میں ایسے لوگ ضرور موجود ہوں گے جن کو اہل بیت اطہار سے محبت رفض لگتا ہوگا تو تبھی انھوں نے کہا تھا نا:

یا آل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ،
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ
قالوا: ترفضت قلت: کلا
ماالرفض دینی ولا اعتقاد
ان کان حب الولی رفضا
فاننی ارفض العباد

اے اہل بیت اطہار آپ کی محبت قرآن کے اندر فرض کر دی گئی ہے- آپ کی قدر و

منزلت کے بڑے ہونے کی یہی بات کافی ہے کہ جو آپ پہ درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے- وہ کہتے ہیں کہ کیا تو رافضی ہو گیا، تو میں کہتا ہوں

، ہرگز نہیں مرا نہ تو دین رفض ہے اور نہ ہی اعتقاد لیکن اگر تم حب ولی (حضرت علی علیہ السلام الکریم کی ولایت کے حوالے سے ان کو ولی کہا جا رہا ہے) کو رفض کہتے ہو تو میں اللہ کے بندوں میں سب سے بڑا رافضی ہوں

امام ابوحنیفہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے کچھ پیسوں کی نذر مانی ہے، میں کس کو دوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے امام عادل کی پہچان کرنا ہے تو جاؤ جعفر بن محمد (امام جعفر صادق بن محمد الباقر رضی اللہ عنہما) کے پاس اور اپنا مال ان کو دے ڈالو

تو کوفہ کو رفض سے منسوب کرنا، اسے وعدہ شکنوں، عہد شکنوں کا مرکز قرار دینا، اس کو سراپا شر قرار دینا یہ نظریہ سرے سے حد اعتدال سے گرا ہوا ہے اور ساتھ ساتھ یہ علوی تحریک کو ہی یکسر سازش قرار دینے کے مترادف ہے- اور آج جو واقعہ کربلاء کے خلاف صف بندی ہے اور اس واقعے کے زمہ داروں کے بارے میں حیلوں بہانوں سے توجہ کو بھٹکانے کی کوشش ہے یا یزید کو معصوم اور بیچارہ ثابت کرنے پہ زور ہے یا اس کے خلاف قیام حسین علیہ السلام کو ایک غلط اقدام ثابت کرنے کی کوشش ہے یہ خود مین سٹریم سنّی اسلام کے اسلاف اور اکابر کے بالکل برخلاف بات ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ مین سٹریم سنّی اسلام اور مین سٹریم شیعہ اسلام کے جمہور اکابر اس بات پہ متفق ہیں کہ حضرت عثمان کے بعد جس کیمپ کو علوی کیمپ کہا جاتا ہے وہی برحق کیمپ تھا اور ان کا تعلق بھی اسی کیمپ سے تھا اور مین سٹریم سنّی اسلام کے اکابر ولایت حضرت علی علیہ السلام الکریم کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک جنگ جمل ہو کہ جنگ صفین کہ جنگ نہروان ہو اور کربلاء کا معرکہ ہو یا حضرت زید بن علی کا قیام ہو سب کے سب درست تھے اور یزید اور اس کے ساتھیوں کے لئے مین سٹریم سنّی اسلام نے کوئی گنجائش رکھی ہی نہیں نام نہاد سلفی، اور ریڈیکل تکفیری دیوبندی اس حوالے سے مین سٹریم سنّی اسلام کے نہ کل نمائندے تھے نہ ہی آج ہیں اور اگر ہوتے تو وہ اپنے حق میں شیخ

ابن تیمیہ اور اس کے شاگردوں کے ساتھ ساتھ محمد بن عبدالوہاب اور اس کے ساتھیوں کے دلائل سے مدد نہ لے رہے ہوتے بلکہ مذاہب اربعہ کے بانیوں سے اپنی بات مضبوط کرتے یزید کو پلید قرار دینے میں دارالعلوم بریلی کے امام احمد رضا، دارالعلوم دیوبند کے قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع، مولوی خیر محمد جالندھری، مولانا شفیع اوکاڑوی کے موقف ایک جیسے ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس حوالے سے آج کے تکفیری دیوبندیوں کی جو روش اور راہ ہے وہ ان کے اکابر کی راہ سے ہٹ کر ہے ورنہ وہ ایسے نہ کہتے بلکہ آگے بڑھ کر یزید کو پلید کہتے

باب چہارم

کوفہ عرب اکثریتی شہر سے
فارسی اکثریتی شہر بننے تک

❖

جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ کوفہ کی تشکیل سے لیکر 36 ہجری تک (جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کوفہ میں وارد ہوئے) یعنی 22 سالوں میں کوفہ کئی بڑی سیاسی سماجی تبدیلیوں سے گزر چکا تھا- حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں جب اس شہر کوفہ کی بنیاد ایک چھاؤنی کے طور پہ رکھی گئی تھی تو اس وقت 370 صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے کوفہ شہر میں رہائش اختیار کی جن میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے-طبقات ابن سعد کے مطابق ان 370 اصحاب میں سے 70 صحابی بدری اصحاب تھے یعنی انھوں نے 2 ہجری/ 623ء میں بدر کے میدان مسلمانوں کی پہلی جنگ میں حصّہ لیا تھا- اور 300 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین وہ تھے جو بیعت رضوان کے موقعہ پہ موجود تھے حضرت عمر فاروق نے اس شہر کو آباد کرنے والے عرب سپاہ کو خدا کی آنکھ قرار دیا اور انھوں نے اسے اور اس شہر کو قبہ اسلام، راس الاسلام تک قرار دیا- اور اس کے باسیوں کو انھوں نے دین کا خزانہ قرار دیا- مدینہ منورہ جن نامور اصحاب رسول نے کوفہ رہائش اختیار کرلی ان میں سر فہرست عبداللہ بن مسعود، حذیفہ الیمان، عمار بن یاسر، موسی اشعری، سلمان فارسی، براء بن عازب، زید بن ارقم و دیگر شامل تھے- حضرت عمر فاروق کی کوفہ شہر کو بسانے کی سوچ کے پیچھے یہ فکر کارفرما تھی کہ ایک طرف تو نئے مفتوحہ علاقوں پہ عرب مسلم حکمرانی کو مستحکم کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اگر مسلم عربوں کے غلبے کو کہیں پہ کوئی عسکری چیلنج درپیش ہو تو ایک تیز اور سریع الحرکت لشکر اس چیلنج کو رد کرے- حضرت عمر فاروق نے کوفہ شہر کی سماجی ترکیب کے بارے

میں یہ اندازہ بھی کرلیا تھا کہ اس شہر میں چونکہ کسی خاص قبیلے، اس کی ذیلی شاخ کو غلبہ حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایک قبیلے کی اکثریت ہے تو اس شہر کو ایک آئیڈیل اسلامی معاشرے کی عکاسی کرنے والا شہر بنایا جاسکتا ہے- اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے اس شہر کے لئے حضرت عمار بن یاسر علیہ السلام کو گورنر اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بیت المال کا امین بنا کر روانہ کیا اور آپ نے اہل کوفہ کے نام ایک خط لکھا:

" میں عمار کو تمہارا گورنر اور عبداللہ کو تمہارا استاد و نائب گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں عظیم دانا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نجباء اصحاب میں سے شمار ہوتے ہیں ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا- میں نے اپنی ضرورت کو تمہاری ضرورت پہ ترجیح نہیں دی وگرنہ میں ان دونوں کو اپنے پاس رکھنا پسند کرتا"

اس خط سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے پیش نظر کوفہ میں ایک مسلم معاشرے کی تشکیل کا خواب کیا تھا؟ اور یقینی بات ہے کہ وہ قبائلی دعاوی اور تفاخر کی بجائے کسی اور شئے کو بنیاد بنانا چاہتے تھے مسلم سوسائٹی کی بنیاد کی اس کے لئے انھوں نے کوفہ کے اندر بیت المال سے وظائف کی تقسیم کا پیمانہ وہی مقرر کیا جو انھوں نے حجاز میں اہل مکّہ و مدینہ میں کیا تھا- حجاز میں انھوں نے وظائف کی تقسیم میں سبقت اسلام کو پیش نظر رکھا اور پہلے درجے پہ السابقون الاولون من المہاجرین والانصار آئے پھر ان کے بعد والے- کوفہ میں انہوں نے تین درجہ بندی وظائف کی تقسیم کے حوالے سے کیں- پہلے گروپ میں مہاجرین و انصار، مرتدین اور باغیوں سے لڑنے والے اور دوسرے گروپ میں یرموک والقادسیہ کی اولین جنگوں میں حصّہ لینے والے تھے- تیسرے گروپ میں روادف یعنی وہ کوفہ جنگ یرموک و القادسیہ کے بعد آ کر بسے تھے- حضرت عمر فاروق کی ہدائت پہ ان تینوں گروپوں میں وظائف کی تقسیم کے لئے چھوٹے، چھوٹے گروپ بنادئے گئے، جو کہ یا تو ایک ہی قبیلے کی ذیلی شاخوں پہ مشتمل ہوتے یا مختلف ہوتے تھے، بلکہ یہ کہنا آسان ہوگا کہ کوفہ میں بسے محلوں کا ایک مختار کار مقرر کردیا گیا تھا، اسے حضرت عمر فاروق کے زمانے میں عارف کہا گیا اور اسی کی جمع"

عرفاء" سامنے آئی، یہ وظائف کی تقسیم کے زمہ دار ٹھہرے، بلکہ ایڈمنسٹریشن اور کوفہ کے قبیلوں کے درمیان رابطے کی سبیل بھی بنے-یہاں پہ مارٹن ہنڈز، طیب حلبی اور حسین محمد جعفری سمیت کوفہ کی سماجی ترکیب پہ قلم اٹھانے والے ماہرین کی رائے یہ ہے کہ اہل کوفہ کے اندر جو" کوفی اشراف" یا" اشراف القبائل" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی اس سے مراد صرف قبائلی سردار نہ تھے بلکہ اس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کوفی محلوں کے" مختار کار" اور" عرفاء" بھی شامل ہوگئے اور ان کا کردار حضرت عمر کے آخری زمانے میں روبہ عروج نظر آتا ہے اور یہ کردار حضرت عثمان غنی اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے زمانے میں اور زیادہ پیچیدہ ہوا اور کوفی ایلیٹ کے کردار کی طبقاتی بنیادیں اور واضح ہوتی چلی گئیں-بلازری نے "مصیر الکوفۃ" کے عنوان سے فتوح البلدان میں جو باب باندھا ہے، اس کو پڑھنے سے بھی یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کا مقصد ایک دارالھجرت، دارالقیر وان قائم کرنے کی تھی اور مارٹن ہنڈز کے بقول حضرت عمر فاروق کے اقدامات اگر دیکھیں جائیں تو وہ ایک کاسمو پولیٹین شہر کی تشکیل کے تھے-بلازری کی فتوح البلدان کا کوفہ پہ لکھا جانے والا باب اور انساب الاشراف میں" اخبار علی و ابناہ" کو ملاکر اور طبری کے کوفہ پہ لکھے سوصفحات دیکھنے سے ہمیں کوفہ کے بارے میں ایک نکتہ نظر قائم کرنے میں مدد ملی جاتی ہے-عمر فاروق نے عمار بن یاسر کو گورنر گوفہ بنایا تو ایک سال اور نو ماہ کی تعنیاتی کے بعد انہوں نے بڑھاپے کی شکایت کرکے اس زمہ داری سے معذوری ظاہر کردی-آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو گورنر مقرر کیا-حضرت عمر فاروق کے حوالے سے بلازری نے ہی ایک قول اہل کوفہ کے بارے میں درج کیا ہے-اور وہ یہ ہے کہ اگران پہ گورنر قوی ہوتو سرکشی کرتے ہیں اور ضعیف بناؤ تو اس کی سنتے نہیں ہیں-کوفہ کی بار بار کی ایڈمنسٹریشن تبدیلی، اور پھر حضرت عمر فاروق کی جانب سے پورے بلاد اسلامیہ میں دولت کی تقسیم نو کا ارادہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اتنا آسان کام تھا نہیں جتنا بظاہر نظر آرہا تھا-کوفہ سے اگرچہ مدینہ کو حضرت عمر فاروق کے دور میں کسی بڑے چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا-لیکن پھر بھی یہاں سماجی بے چینی کے آثار نظر آنے لگے

تھے-حضرت عثمان کے زمانے میں کوفہ کے اندر بتدریج غیر عرب لوگوں کی آبادکاری کا سلسلہ جاری رہا اور اس زمانے میں جب حضرت عثمان بن عفان نے ولید بن عقبہ کو گورنر لگایا تو ہم نے یہ دیکھا کہ ولید بن عقبہ نے سرکاری آرمی کے ساتھ ساتھ جو" عرفا" یا مختار کار تھے اور عرب قبائلی سردار تھے ان سے زاتی تعلقات بڑھانے شروع کردئے تھے اس زمانے میں جب حضرت عثمان نے مال غنیمت پہ پہلا حق گورنروں کا قرار دے ڈالا تھا تب سے کوفہ کے اندر ایک طرف تو پرہیزگار لوگوں کو یہ لگتا تھا کہ مسلم سوسائٹی کا جو آدرش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دو خلفائے راشدین نے سیٹ کیا تھا، اسے دوری ہورہی ہے-اس حوالے سے کوفہ میں جن کو اہل قراء کہا جاتا تھا، جن کی امانت و دیانت اور پرہیزگاری کے سب قسم اٹھاتے تھے، ان کی جانب سے تحریک اصلاح اٹھادی گئی اور ان اہل قراء کی ایک بڑی تعداد بعد میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی حمائتی بنی اور ان کو علی کے شیعہ بھی کہا گیا-کوفہ کے اندر گورنر اور اس کے دیگر ہرکاروں کے خلاف تحریک کا جنم ہوا تو یہ صرف کوفہ میں نہیں ہورہا تھا بلکہ بصرہ، مصر سمیت کئی علاقوں میں عمال کے خلاف تحریک کا سماں بن رہا تھا-اور ظاہر ہے اس تحریک میں سب مسلم مثالی معاشرے کے آدرش سے جڑے لوگ نہ تھے، ایسے بھی تھے جن کو دور عثمانی میں دربار و مالیات سے دور رکھے جانے کا گلہ تھا-لیکن خود کوفہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جن کو بعد میں عثمانی بھی کہا گیا-تو جب مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی خلافت کے لئے بیعت ہوگئی تو تاریخ سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ کوفہ میں جب حضرت امام حسن، عمار بن یاسر، حجر بن عدی، عدی بن حاتم اور دیگر احباب خلافت حضرت علی علیہ السلام الکریم کی حمایت کے لئے آئے تو اہل کوفہ نے جامع مسجد میں قتل عثمان ابن عفان کے بارے میں سوالات کئے اور یہاں تک کہ ایک روایت کے مطابق اہل کوفہ کے ایک بڑے حصّے نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا شیخین کریمن کے بارے میں خیال دریافت کیا- اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلاف کیمپ کا پروپیگنڈا کوفہ میں حضرت علی کی آمد سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا-حضرت علی علیہ السلام الکریم کی

کوفہ آمد سے پہلے کوفہ کی ڈیموگرافی بہت بڑی تبدیلیوں سے گزری تھی- ولید بن عقبہ کی گورنری کے زمانے میں کوفہ میں جو سرکاری فوج تھی اس کی تعداد 40 ہزار ہو چکی تھی (جبکہ حضرت عمر نے جب یہ شہر بسایا تو اس وقت بلاذری کے بقول کل عربوں کی تعداد 30000 ہزار اور جبکہ دیلمی فارسی 4 ہزر کر تھے- اور کوفہ کی ابتدائی آبادی کوئی 34000 ہزار بنتی تھی) اور ولید بن عقبہ کے زمانے کے آتے آتے یہ تعداد قریب قریب ایک لاکھ کو پہنچ گئی کوفہ اور اس کے گرد و نواح دو طرح کی اراضی تھی ایک سوادی اراضی تھی جس پہ عراق کے قدیمی لوگ ہی کاشت کرتے تھے اور وہ اس پہ جزیہ ادا کرتے تھے- دوسری اراضی صافی کہلاتی تھی جو کہ ساسانی اشراف کی زمینیں تھیں اور ان سے ہونے والی آمدنی اہل الایام القادسیۃ پہ خرچ ہوتی تھی- حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں کوفہ کے گرد و نواح میں کئی لوگوں کو قطعات اراضی دئے گئے اور اس دوران گاؤں کے گاؤں کوفہ کے نزدیک آباد ہو گئے- اور ان گاؤں میں زمینوں پہ مزارعت کرنے والوں، غلاموں کی ایک بڑی تعداد آ کر رہنے لگی تھی- جبکہ شہر کے اندر اور قرب و جوار میں دستکار، تاجر اور دیگر ہنر مندوں کی آمد اور آبادکاری کا سلسلہ بھی جاری تھا- شہر مسلسل پھیل رہا تھا- فارسی علاقوں کی فتوحات نے بھی کوفہ میں پریشر بڑھا دیا تھا اور ان فتوحات میں نئے فارسی آبادکاروں نے بڑا کردار ادا کیا تھا جن کے وظائف بھی بڑھائے گئے تھے- کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں عرب آبادکار تھے وہ بہت ہی متنوع شناختیں رکھتے تھے جن کی جانب ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے- اب ذرا مزید اس عرب آبادکار آبادی کی سماجی ترکیب پہ روشنی ڈال لینی چاہیے- ان عربوں میں بہت تھوڑی تعداد حجاز کے قریشیوں کی تھی، ان میں دوسرا عنصر ان عربوں کا تھا جن کے بدوی عربوں سے گہرے سمبندھ تھے جیسے مضر کی گروپنگ اور تمیم تھے اور یمنی ہمسائے جیسے طیء قبیلے کے لوگ تھے- نیم بدوی جیسے بنو اسد، ربیعہ، عبدالقیس، بنو بکر وغیرہ، اصلی جنوبی عرب جیسے ہمدان، حمیر، کندہ، بجلہ اور دیگر جو یہاں کے قدیم ترین عرب تھے- اسی طرح کرسچن عرب پس منظر سے مسلمان ہونے والے عرب جیسے تغلب، نمر، ایاد اور نجران کے سابق کرسچن عرب قبائل کے

لوگ جو کوفہ اور اس کے گردونواح میں آ کر بس گئے تھے- عرب کے سب سے زیادہ اشراف گھر جن کو بیوت العرب کہا جاتا تھا، ان کے گھر بھی کوفہ میں تھے- اور ابن سعد کہتا ہے کہ بیوت العرب صرف کوفہ میں تھے بصرہ میں نہیں تھے- عربوں کے بعد کوفہ اور اس کے گرد ونواح میں دوسرا بڑا ایتھنک گروپ بتدریج یہاں پہ آ کر آباد ہوا، وہ فارسی لوگ تھے قادسیہ، یرموک، نہاوند سمیت جیسے جیسے ساسانی علاقوں پہ قبضہ ہوتا چلا گیا تو فارسیوں کی ایک بہت بڑی تعداد غلام اور کنیزیں بنا کر کوفہ لائی گئیں اور ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کر کے اپنے عرب آقاؤں سے اپنی آزادی حاصل کی ساسانی فیوڈل سسٹم کے ٹوٹ جانے اور نظام اراضی تبدیل ہونے کی وجہ سے فارسی کسانوں کی ایک بڑی تعداد بے روزگار ہوئی تو وہ روزگار کی تلاش میں کوفہ اور اس کے گردونواح میں آباد ہوئی اور ان میں سے بھی بھاری تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے اور آزادی حاصل کرنے میں کامیاب لیکن یہ فارسی، غیر عرب لوگ سماجی رتبے کے اعتبار سے کبھی بھی عربوں کے برابر قرار نہیں دئے گئے اور ان کو بہر حال کوفہ میں دوسرے درجے کے شہریوں کا مقام حاصل تھا اور ان کے لئے ایک اصطلاح "موالی" استعمال کی گئی

کوفہ میں بالخصوص اور حجاز سے باہر بننے والی چھاؤنیوں میں بالعموم غیر عرب خاص طور پہ ساسانی اور بازنطینی سلطنت کے باشندوں میں جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ان پہ لفظ موالی کا اطلاق کیا گیا اور رفتہ رفتہ لفظ موالی ان غیر عرب فارسیوں کے لئے بولا جانے لگا جو کہ کوفہ سمیت دیگر مسلم عرب گریژن اور اس کے گرد ونواح میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے تھے- ان شہروں کی سماجی ترکیب میں موالیوں کا کیا سٹیٹس تھا اور ان کی تعداد کتنی تھی اور ان کا اثر کیا تھا؟ اس بارے میں ایک باقاعدہ اور مربوط مطالعہ اور تحقیق کا آغاز مستشرقین نے کیا- قدیم عربی ماخذ میں الجاحظ کی کتاب " الموالی " اور ابن الہثیم کی کتاب " من تزوج من الموالی فی العرب " کا سراغ ملتا ہے-

موالی پہ ابتدائی متشرقین نے جو تحقیقات کیں، وہ ان کی سماجی، مادی بنیادوں سے

ان کی سماجی حرکات اور فکر کا تعین کرنے سے کہیں زیادہ مسلم ماہرین علم کلام کی جانب سے بدعتی، گمراہ اور زندیق کہہ کر پکارے جانے والے گروہوں کی آئیڈیالوجی کی روشنی میں متعین گولڈ زیہر وغیرہ کا تعلق اسی قبیل سے تھا- لیکن بعد میں آنے والے محققین نے اس کو بدلا- موالی کو صرف پرشین شناخت کے ساتھ دیکھنے اور ان کے ایک سے سماجی سٹیٹس بیان کرنے یا کھل کر کہا جائے تو ان کو صرف دشمنی کی عینک سے دیکھے جانے کے تصور کو سب سے زیادہ چوٹ الزبتھ اربن نے لگائی ان کا مقالہ" دی ارلی موالی: اے وِنڈو آن ٹو پروسس آف آئیڈنٹی اینڈ سوشل چینج " موالی بارے سماجی مطالعے میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا سبب بن گیا- اس حوالے سے ایک اور کتاب مونیق برینارڈ ز اور جان عبداللہ نواس نے لکھی جس کا عنوان تھا' پیٹرونیٹ اینڈ پیٹرینیج ان ارلی اسلام' موالی کی سماجی ترکیب اور چھاؤنیوں کی ہئیت کو بدل ڈالنے میں ان کے کردار بارے ضمنی طور پہ بہت ہی پرمغز گفتگو ہمیں کتاب' سلک اینڈ ریلیجن: این ایکس پلوریشن آف میٹریل لائف اینڈ ۔۔۔۔۔' میں ملتی ہے- الزبتھ اربن کی انقلابی تحقیق نے موالی کے بارے میں ان سے پہلے بنائے جانے والے مقدمات کو پھیر کر رکھ دیا- ان سے قبل تحقیق کرنے والوں کے ہاں سب موالیوں کو ایک ہی سماجی سٹیٹس کا حامل بتایا جاتا تھا اور ایسے مقدمات پیش کئے جاتے تھے جن سے یہ تاثر ملتا تھا کہ آغاز کار سے موالی، کنورٹ نان عرب مسلمانوں کو" باہر والا " اور مداخلت کار خیال کیا جاتا تھا-

لیکن الزبتھ اربن نے اپنی ریسرچ میں ایک تو یہ بات ثابت کی کہ حضرت عمر ہوں یا حضرت عثمان اور پھر حضرت علی ان سب نے موالیوں کی مختلف سماجی پرتوں کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کو شریک اقتدار کرنے کے اقدامات کئے اگر ہم حضرت عمر کی پالیسی پہ غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کوفہ کے ابتدائی جو باشندے بنے ان میں چار ہزار دیلمی فارسی جنگجو بھی شامل تھے اور ان کا سماجی سٹیٹس عمر نے سبقت اسلام رکھنے والے عرب مہاجر و انصار کے بعد اہل الایام القادسیۃ کے برابر رکھا اور آپ کے زمانے میں فارس کے دیگر علاقوں کی جو فتوحات ہوئیں ان میں شریک ہونے والے کنورٹ مسلم غیر عربوں کے وظائف میں بھی

اضافہ کیا گیا-لیکن ہمیں ایسے کوئی آثار نہیں ملتے جن سے یہ پتہ چل سکے کہ اہل سواد (سوادی زمینوں پہ کام کرنے والے مقامی کسانوں) اور ساسانی فیوڈل ریاست کے خاتمے کے دوران بے روزگار ہوکر کوفہ کا رخ کرنے والے سابقہ کسانوں، ساسانی ریاست کے سابق اہلکاروں، فارسی دستکاروں، تاجروں کیا وہ سٹیٹس دیا گیا جو حضرت عمر فاروق کے دور میں دیلیمی جنگجوؤں اور بعد کے دیگر کنورٹ غیر عرب مسلم فارسی جنگجوؤں کو دیا گیا تھا-لیکن ایک بات طے ہے کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے کی عرب ایلیٹ اگر تھی تو وہ مہاجر و انصار صحابہ کرام اور اہل الایام القادسیۃ میں شریک صحابہ کرام تھے اور حضرت عمر فاروق نے عرب قبائل کے سرداروں اور اشراف امور مملکت سے دور ہی رکھا-اس لئے جو موالی تھے ان کی اکثریت نے بھی خود کو سبقت اسلام اور مہاجر و انصار کی شناخت رکھنے والی عرب مسلم اشرافیہ سے جوڑا-لیکن یہ ترتیب حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں بتدریج تبدیل ہوئی اور عرب ارسٹو کریسی، بنوامیہ کے قبائلی اشراف کے درمیان محبتیں بڑھتی چلی گئیں

اور پھر ریاستی مشینری اور خود عرفاء ونقباء کے اندر بھی عرب ارسٹو کریسی کا اثر و رسوخ پھیلتا ہی چلا گیا-لیکن امویوں نے حضرت عثمان غنی کے زمانے میں ہی ساسانی و بازنطینی سلطنت کو چلانے والی ارسٹو کریسی، بیورو کریسی کے ساتھ ہاتھ ملالیا تھا اور ان کو خاص طور پہ ریاستی مشینری کے اندر بھی جگہ ملنے لگ گئی تھی اور اس ارسٹو کریسی کو خراج سمیت دیگر اور ٹیکسز سے بھی مستثنیٰ قرار دے ڈالا تھا-اور حضرت عثمان کے زمانے میں ہی ہم نے کوفہ، بصرہ، مصر کے اندر اس اموی پلس عرب و پرشین ارسٹو کریسی کے خلاف تحریک کھڑے ہوتی دیکھ لی تھی- بلکہ اگر دیکھا جائے تو خود اس اتحاد کے خلاف مدینہ اور مکّہ کے انصار و مہاجر اور ان کی اولادوں نے واضح اظہار ناراضگی کیا تھا اور امویوں کے خلاف وہاں بھی فضا سازگار نہ تھی-موالیوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن کا تعلق کسان، دست کار، درمیانے درجے کے تاجر طبقات سے تھا یا وہ بطور سکالر سامنے آئے تھے کا زیادہ جھکاؤ خلفاء ثلاثا کی جانب تھا اور بعد ازاں جب حضرت عثمان غنی کی شہادت ہوگئی تو ہم نے ان موالیوں کے اندر نظریاتی اعتبار

سے ایک بڑی تقسیم یہ دیکھی کہ یہ علوی کیمپ اور عثمانی کیمپ میں بٹ گئے-کوفہ شہر اور اس کے گردونواح میں رہنے والوں کی بڑی تعداد حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ کھڑی ہوئی جبکہ اس سے پہلے میں بتا چکا کہ خود کوفہ اور اس کے گردونواح میں موجود عرب مسلمانوں کی کی بھاری اکثریت حضرت علی علیہ السلام الکریم کے کیمپ میں آگئی اور کوفہ میں اگر کوئی عثمانی یا اموی کیمپ کا تھا بھی تو اس نے اکثریت کے سامنے کھل کر حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلاف کوئی صف بندی نہیں کی-لیکن کیا کوفہ، بصرہ کے عرب مسلمانوں اور موالیوں کا حضرت علی علیہ السلام الکریم کے کیمپ میں کھڑا ہونا ویسے ہی تھا جیسے ان بزرگوں اور ان کے حامیان کا تھا جسے تاریخ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے شیعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے- یاد رہے کہ حضرت علی کے یہ نظریاتی شیعہ خود شیعہ امامیہ کے نزدیک سب کے سب امامت کے منصوص من اللہ ہونے، امام کی موجودگی میں کسی مفضول کا خلیفہ نہ بننے جیسے خیالات کے مالک نہ تھے- یہاں تک کہ خود حجر بن عدی الکندی اور دیگر کئی رفقائے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے بارے میں یہ اطلاعات و اخبار موجود ہیں کہ وہ حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنھما کی خلافت کو برحق مانتے تھے-اور اغلب امکان یہی ہے کہ کوفہ کی اکثریت بشمول عرب وموالی سیاسی شیعہ پہ مشتمل تھی اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے حق میں وصی وولایت وخلافت کے امامیہ عقیدے کی قائل نہ تھی-اس بات کو اس لئے بھی تقویت ملتی تھی کہ جنگ صفین کے موقعہ پر جب لشکر شام نے نیزے قرآن پہ بلند کئے تو اس موقعہ پہ بہت تھوڑی تعداد ایسی تھی جس نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے جنگ کو منطقی انجام تک پہنچائے بغیر ختم نہ کرنے کی تجویز کو من وعن مان لیا تھا

اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کو تحکیم کا فیصلہ ماننا پڑا اور جب آپ نے عبداللہ بن عباس کو حکم بنانے کی تجویز دی تو اسے بھی اکثریت نے رد کیا-اور جب تحکیم کا نتیجہ شامیوں کی دغابازی کے طور پہ نکل آیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ کے لشکر میں جو بدوی عرب شامل تھے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور ان میں سے اکثر نے حضرت علی

کے کیمپ کے خلاف تلواریں بھی اٹھالی-کوفہ حضرت عمر فاروق کے دور ہی میں ایک کاسمو پولیٹن سٹی میں بدلنا شروع ہوگیا تھا اور اس شہر میں دست کار، درمیانے درجے کی تاجر کلاس، نچلے درجے کے ریاستی اہلکار، علم و دانش یعنی قرآن وحدیث، اسماء الرجال، اسباب نزول کے ماہرین سمیت اہل علم کی اکثریت موالی غیر عرب فارسیوں پہ مشتمل تھی-حضرت عمر فاروق کی جب شہادت ہوئی تو کوفہ کی آبادی ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ تھی اور ایک اور روایت کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی-اور حضرت عثمان غنی کے زمانے میں یہ تعداد کہا جاتا ہے کہ ڈیڑھ سے دو لاکھ ہو چکی تھی-اور اس میں اکثریت موالی کی تھی ایک اندازے کے مطابق حضرت عمر فاروق کے زمانے میں موالی قریب قریب 40 ہزار سے 60 ہزار موالی تھے اور حصرت عثمان غنی کے زمانے میں یہ 80 سے 90 ہزار کے قریب ہو چکے تھے-اور اہل زمہ/ زمیوں کی تعداد میں بتدریج کمی آنی شروع ہوگئی تھی-

مارٹن ہنڈز، طیب حلبی، حسین محمد جعفری، الزبیتھ اربن سمیت اکثر ماہرین کے خیال میں کوفہ کے موالیوں میں سب سے بڑی اکثریت کا تعلق دستکاروں، تاجروں، سکالرز وغیرہ کا تھا اور اس کے بعد وہ سابق کسان تھے جو ساسانی سلطنت میں مفتوحہ زمینوں کو چھوڑ کر کوفہ آگئے تھے اور یہاں وہ کسی عرب قبیلے کے حلیف نہ بنے بلکہ براہ راست کوفہ کے دارالامارہ کے ماتحت بن گئے تھے جبکہ تیسرا بڑا گروہ ان غیر عرب فارسیوں کا تھا جو جنگجو یا پیشہ سپاہ سے متعلق تھا-اور سب سے کم تعداد میں وہ موالی تھے جو ساسانی نوبل/حکمران معزز اشراف میں سے تھے اور کوفہ کے اندر آباد تھے-آئیڈیالوجیکل کے اعتبار سے ان موالیوں کی اکثریت کے بارے میں حسین محمد جعفری اور دیگر نے لکھا کہ ان کے ہاں کیونکہ وصائت و وراثتی نیابت و بادشاہت کا تصور پہلے سے موجود تھا تو ان کا رجحان شیعیت کی جانب تھا-اسی طرح سے جو یمنی عرب تھے وہ کرسچن بادشاہت کے زیر نگین رہے تھے تو ان کے ہاں بھی امامت کے باب میں شیعیت کی جانب جھکاؤ صاف تھا-اور یمنی عربوں اور موالیوں کی اکثریت نے علوی کیمپ کو ہی جوائن کیا-ان ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ کوفہ کے برعکس دمشق سمیت جو

دوسرے مسلم اکثریت کے شہر تھے ان پہ بازنطینی اور ساسانی روایت کا گہرا اثر تھا تو وہ بہت جلد ان روایات کے اندر ڈھل گئے جبکہ کوفہ کی اپنی کوئی روایت سرے سے موجود نہ تھی اور یہ شہر اپنی ابتداء میں عرب جنگجوؤں کا شہر تھا جو کہ اگر چہ یہاں آ کر آباد تو ہو گئے تھے لیکن ان کی عسکریت پسندی اور جدید اصطلاح میں ان کی ریڈیکلائزڈ فطرت قائم دائم تھی، اس لئے اس شہر میں تحرک اور بغاوت اور جارحانہ سیاست خوب پلا بڑھا کرتی تھی۔

اب اگر ہم حضرت عمر فاروق کے زمانے ایک بڑی سیاسی کشمکش کے ابتدائی آثار کی تلاش کریں تو ہمیں اس کی بنیاد خود حضرت عمر فاروق کی پالیسی میں نظر آجاتی ہے-حضرت عمر فاروق کی کوشش تھی کہ وہ کوفہ کی سیاسی معاشی ومذہبی پاوران لوگوں کے ہاتھ میں رکھیں جن کی اسلام کے لئے خدمات کا کسی کو بھی انکار نہ تھا اور ان کا مذہبی قد کاٹھ بھی کافی بلند تھا-حضرت عمر فاروق کو اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں کوفہ کے اقتدار کی باگ ہو وہ عرب ارسٹوکریٹ ہیں یا نہیں، ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہے یا نہیں اور اپنے قبیلے کے اندر ان کے پیچھے بہت بڑی افرادی قوت ہے کہ نہیں-حسین محمد جعفری اور دیگر احباب نے بہت واضح انداز میں اس بات کو واضح کیا کہ حضرت عمر فاروق نے اہل الردہ کے طاقتور قبائلی ارسٹوکریٹس کو واپس دائرہ اسلام میں آنے کے باوجود کوئی عہدہ نہیں دیا تھا-اور آپ کے زمانے میں ہی سبقت اسلام رکھنے والوں اور عرب ارسٹوکریسی کے درمیان تناؤ اور کش مکش کے آثار نظر آنے لگے تھے اور کوفہ سیاسی اعتبار سے ان دو کیمپوں میں بٹا نظر آنے لگا تھا لیکن عرب ارسٹوکریسی کو حضرت عمر فاروق کے دور میں یہ ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ سیاسی نظام میں سابقین اسلام کے غلبے کو چیلنج کریں اور کوفہ کے غالب حکمران سیکشن کے خلاف کھڑے ہوں-اور حضرت عثمان کے زمانے میں جب تک حضرت سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود کی قیادت رہی تو اس وقت تک بھی کوفہ میں کسی بڑی کشمکش کے آثار دکھائی نہ دئے تھے

صورت حال ولید بن عقبہ کی گورنری کے زمانے سے بدلنا شروع ہوئے اور اس زمانے میں ہم نے یہ دیکھا کہ سبقت اسلام رکھنے والے اور ان کے اتحادی موالی پیچھے جانا شروع ہوئے اور اسی زمانے میں حجر الکندی، مالک الاشتر، مسیب بن نخبۃ اور دیگر حضرات جو اہل قراء کے نام سے معروف تھے کو عہدوں سے ہٹادیا گیا اور ان کی جگہ عرب ارسٹوکریٹس نے لینا شروع کردی- عرب ارسٹوکریسی کے اس ظاہر ہونے والے غلبے نے خود موالی کے سب سے بڑے نمائندہ گروپ کے لئے دوسرے درجے کے شہری کا سٹیٹس لیکر آنا شروع کردیا- اور ہم نے مدینہ کے اندر مروان سمیت بنوامیہ کے ان لوگوں کو آگے آتا دیکھا جن کی اسلام کے لئے کوئی بڑی خدمات نہ تھیں یہاں ایک بات اور جو بہت ہی اہم نکتہ ہے اور مسلم تاریخ میں ہونے والی سیاسی کشاکش بارے ہمیں ایک اور راہ بھی سجھاتی ہے کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے- اور اس کی جانب الزبیتھ اربن نے بھی واضح اشارہ کیا ہے- اس کا کہنا یہ ہے کہ اموی یا مروانی غلبے کے خلاف سابقین اسلام اور موالیوں نے جو بغاوت کی اور ان کے خلاف تحریک اٹھائی تو اپنی اس تحریک کی بنیاد انھوں نے ایتھنک بنیادوں پہ نہیں رکھی اور نہ ہی موالیوں نے اسے "عرب" کے خلاف غیر عربوں کی بغاوت قرار دیا- بلکہ انہوں نے اس کی باقاعدہ ایک مذہبی اور آئیڈیالوجیکل بنیاد رکھی اور انھوں نے اپنی غیر عرب شناخت اور ساسانی دور کی شان وشوکت کے عروج کی واپسی کی لڑائی قرار نہ دیا- جبکہ اسی طرح جنھوں نے ولید بن عقبہ اور اس کی اتحادی عرب ارسٹوکریسی کے خلاف تحریک شروع کی انھوں نے بھی اپنا آدرش اقتدار پہ قبضہ یا پاور کا حصول قرار نہیں دیا بلکہ انھوں نے اس اسلامی آدرش کو اپنا نصب العین قرار دیا جس کی بنیادی قدر عدل وانصاف اور مساوات تھی اور طاقتور وکمزور کی قانون کے سامنے برابری کا آدرش تھا-

امویوں، عرب ارسٹوکریسی اور ساسانی نوبل اشراف میں ہم یک گونہ اتحاد دیکھتے ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں سابقین اسلام عرب، عام عرب اور موالیوں میں دست کار، کاریگر، درمیانے درجے کے تاجر اور کوفہ کے گردونواح میں زمینوں پہ کام کرنے والے کسان اور

دیگر لوئر سٹارٹا کو ایک الائنس میں اکٹھے ہوتے دیکھتے ہیں-الزبتھ اربن اسی لئے کہتی ہے کہ موالیوں کی اکثریت جو امویوں اور مروانیوں کے خلاف کھڑی ہوئی اس نے ایتھنک آئیڈنٹٹی کو اپنی جدوجہد کی بنیاد خود قرار نہیں دیا-کوفہ اس پہلی تحریک کا نروسنٹر تھا اور اس تحریک کا بتدریج شیعی رنگ اختیار کرنا بھی اسی بات کا ایک ثبوت ہے اور پروٹوسنّی اور پروٹو امامی دونوں کی بڑی اکثریت اسی شیعی سنٹر کے ساتھ آگے چل کر جڑی-اس تحریک کو آج کے سعودی نواز وہابی اور دیوبندی مائل بہ بنوامیہ خالص سنّی چہرہ دکھا کر پیش کرنے کی جو کوشش کرتے ہیں، اس مین سب سے بڑا گھپلا پروٹوسنّی آبادی کے مائل بہ علویت ہونے کے کردار کو چھپانا ہے اور پروٹوسنّی کرداروں کو امامی شیعہ یا چھپے ہوئے امامی شیعہ بنا کر دکھانا ہے-اور اگر میں کہوں کہ آج کی سفیانیت یا آج کی یزید سے کامریڈشپ پہ مبنی کاوشیں بھی اسی علمی بدیانتی، خیانت اور بے ایمانی کا نام ہے تو کچھ غلط نہیں ہوگا-کوفہ میں ہونے والی اس بڑی تقسیم کو سازش بنا کر دکھانا اور اسے ایک انتہائی مجہول کردار ابن سباء کے دماغ کی سازش بنا کر دکھانا بھی ایسی ہی کوشش ہے-اور یہاں پہ ہم ان مارکسیوں کی غلطی کی نشاندہی یا بعض مارکسزم کے پردے میں چھپے اموی کامریڈز کی تدلیس کا پول بھی کھول سکتے ہیں جو کوفہ،شیعان علی کے کیمپ بارے بات کرتے ہوئے کوفہ کی سماجی ترکیب اور اس کی بنیاد پہ اٹھنے والے تضادات اور ان کے آئیڈیالوجیکل شیڈز کا تاریخی مادی جدلیاتی روشنی میں تجزیہ کرنے کی بجائے اس کو قبیل داری یا ایتھنک لڑائی قرار دینے پہ ہر دم تیار رہتے ہیں-اور سابقین اسلام،غریب موالیوں کی لڑائی کو ہوس اقتدار کی لڑائی قرار دیکر سماجی انصاف و عدالت کے آدرشوں کے علم اٹھا کر ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونے والے چہروں کو مسخ کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق نے کوفہ کے ایڈمنسٹریٹو/ انتظامی عہدوں اور فوجی عہدوں میں یہ خیال رکھا کہ اس میں سبقت اسلام رکھنے والوں کو فوقیت دی جائے اور اس پہ انہوں نے سختی سے عمل کیا اور اس کا نتیجہ کم ازکم یہ تھا کہ ان کی حیات تک کوفہ کے جملہ معاملات میں کبّار

مہاجر و انصار صحابہ کرام اور ان عرب مسلم لوگوں کا عمل دخل زیادہ رہا جن کی ایمانداری، پرہیز گاری اور امانت داری کا زمانہ گواہ تھا- ایسے غالب لوگ ضروری نہیں تھا کہ اپنے قبیلے کے کے سب سے بااثر آدمی ہوتے یا ان کے پاس بہت دولت ہوتی لیکن حضرت عثمان ابن عفان کے خلیفہ بننے کے بعد بہت جلد یہ طریقہ بدل گیا اور کوفہ کے اندر ایڈمنسٹریٹو اور فوجی عہدے عرب ارسٹوکریٹس کے پاس جانے لگے- سابقین اسلام بتدریج ان عہدوں سے ہٹائے جانے لگے- اگر ہم اس حوالے سے حضرت عثمان غنی کے دور میں کوفہ کی گورنری، اس کی فوجی ایڈمنسٹریشن پہ غالب آنے والوں میں سے چند ایک علامتی نام چن لیں تو ہمیں اس دور کے اندر کوفہ میں بڑی گھمبیر تقسیم کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی- ولید بن عقبہ ابی معیط کا کوفہ کا گورنر بننا کوفہ میں آباد عرب ارسٹوکریسی کے لئے امور مملکت پہ غالب آنے کا سنہری دور ثابت ہوا- ولید بن عقبہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص کو ہٹا کر گورنر لگایا تھا- ولید بن عقبہ کا جو ریکارڈ تاریخ میں ملتا ہے، اسے دیکھتے ہوئے تو اس کا گورنر کوفہ بننا کوئی نیک شگون نہ تھا- ولید بن عقبہ نے گورنر بننے کے ساتھ یہ کیا کہ کوفہ کے اندر کئی انتظامی تبدیلیاں کیں- ولید نے ایک تو یہ کیا کہ اشعث بن قیس کندی کو حضرت حجر بن عدی الکندی کی جگہ دے ڈالی اشعث بن قیس وہ تھا جس نے اپنے قبیلے کے ساتھ ارتداد کا ارتکاب کیا تھا اور بعد میں لڑائی کے زریعے سے پھر اسلام میں داخل ہوا تھا- ابن ابی الحدید نے اشعث کے بارے میں ایک جملہ لکھا ہے جو ساری بات سمجھانے کے لئے کافی ہے،

"كلّ فتنة أو فساد كان في خلافة أمير المؤمنين و كلّ اضطراب فأصله الأشعث"

خلافت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام الکریم کے زمانے میں ہر فتنہ یا فساد اور ہر اضطراب کی جڑ اشعث تھا۔

اشعث کندہ قبیلہ سے تھا اور اس کو اپنے ملوکانہ پس منظر پہ بہت ناز تھا اور ولید بن عقبہ نے اسے کوفہ کے اندر اہم مقام دیا اور اسی کندہ قبیلے کے انتہائی معتبر، ثقہ، زاہد اور عالم،

شجاع صحابی رسول حجر ابن عدی کو ہٹا دیا اس کے بارے میں مورخین و اہل سیر نے کئی ایک واقعات درج کیئے جس میں یہ ہدایا، تحفے تحائف کے ذریعے سے ایڈمنسٹریشن میں داخل ہونے کی کوشش کیا کرتا دکھائی دیتا ہے اور اس کے تحائف حضرت علی نے قبول کرنے سے انکار بھی کیا تھا- یہاں ہمیں تاریخ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا ولید بن عقبہ کی گورنر کوفہ کے طور پہ تقرری پہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی اسلام کے لئے خدمات نہ ہونے اور اس منصب کے لئے اہل نہ ہونے کی بات بھی کی-تو ولید بن عقبہ اور اس کے بعد سعید بن العاص کا گورنر کوفہ بننا حضرت عمر فاروق کی روایت نامزدگی سے دستبرداری تھا-اور یہ عرب ارسٹوکریسی کی واپسی کا اشارہ بھی تھا-لیکن یہاں مجھے حسین محمد جعفری کی ایک فاش غلطی کی جانب بھی اشارہ کرنا ہے اور وہ غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ولید بن عقبہ کی گورنری کے زمانے میں عرب ارسٹوکریسی کی واپسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے رے کی حکومت سعید بن قیس ارجبی ہمدانی کو دئے جانے پہ لکھا کہ ان کی اسلامی سٹینڈنگ کوئی نہیں تھی اور ان کے بھائی یزید بن قیس کو انہوں نے ہمدانی قبیلے کے اندر کوئی نوبل حثیت نہ ہونے کا ذکر کر دیا حالانکہ یہ دونوں بھائی ہی مسلم معاشرے کے لئے اپنی خدمات کے لئے کافی معروف تھے اور دونوں نے ہی بعد ازاں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ اپنے قبیلے کے ہمراہ جنگ جمل، جنگ صفین اور نہروان مین شرکت کی، سعید بن قیس بعد ازاں امام حسنعلیہ السلام کے ساتھ بھی جم کر کھڑے رہے-اور بعد میں ان کی اولاد اور قبیلہ ھمدان بھی اہل بیت اطہار کے ساتھ کھڑے رہے جبکہ حضرت علی علیہ السلام الکریم، امام حسن، امام حسین اور دیگر آئمہ اہل بیت اطہار نے بھی سعید و یزید ابناء قیس ہمدانی کے خاندان اور ان کے قبیلے کی وفاداری اور خدمات کا تذکرہ بہت ہی اچھے الفاظ میں کیا-

ہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ ولید بن عقبۃ اور سعید بن العاص اموی گورنران کوفہ کے دور میں کوفہ کے اندر جو اسلامی سٹینڈنگ رکھنے والے مسلم عرب تھے، انتہائی متقی، پرہیز گار لوگ جو تھے ان سب کو کوفہ، رے وغیرہ کی ایڈمنسٹریشن سے دور کر دیا گیا تھا-تاریخ ہمیں

اس زمانے میں عہدوں سے ہٹائے جانے والوں میں خاص طور پہ حجر بن عدی الکندی، مالک الاشتر النخعی، مسیب بن نجبۃ الفزاری، عدی بن حاتم الطائی اور صعصعہ بن صوحان العبدی وغیرہ شامل تھے یہ کوفہ کے اہل القراء میں انتہائی بڑا مقام رکھتے اور ان کی شجاعت و بہادری، عسکری صلاحیتیں بھی کسی سے کم نہ تھی-کوفہ کی سماجی زندگی میں ان کا ایک خاص مقام مرتبہ تھا اور اس کی بنیاد دھن دولت، قبائلی تفاخر پہ نہ تھیں بلکہ اس کی خالص فکری اور عمل کی صفائی بنیادیں تھیں-کوفہ کی سماجی زندگی کی یہ روشن مثالیں وہ ہیں جن کے ساتھ تاریخ نے شاید انصاف نہیں کیا اور سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ سعودی فنڈنگ سے اسلام کے جس چہرے کو سامنے لایا گیا، اس چہرے میں ان چہروں کی جھلکیاں کہیں دکھائی نہیں دیتیں-کوفہ کی جو تصویر ہمارے سامنے پینٹ کی جاتی ہے اس میں ان تصویروں کے رنگ یا تو دکھائی ہی نہیں دیتے یا بہت پھیکے اور ماند نظر آتے ہیں- جبکہ آپ سعودی فنڈڈ وہابی اور دیوبندی لٹریچر کو اٹھالیں اور آن لائن موجود مواد کو دیکھیں اکثر آپ کو ولید بن عقبہ، اشعث بن قیس، عبدالرحمان بن اشعث، سعید بن العاص سمیت ان سب لوگوں کا دفاع ملے گا جو کہ عرب ارسٹوکریسی کے علمبردار تھے اور جنھوں نے کوفہ شہر میں حضرت عمر فاروق کے مقرر کردہ گورنروں عمار بن یاسر، سعد بن ابی وقاص، اور نائب گورنر عبداللہ بن مسعود، اور ان 130 سے زائد مہاجر و انصار صحابہ کی قائم کردہ روایات اور اقدار کے برخلاف راستہ اختیار کیا تھا قبائلی عصبیتوں، ایتھنک منافرتوں کا راستہ کھل گیا تھا-کوفہ کی سماجی ترکیب میں ولید بن عقبہ اور مکّہ کے ارسٹوکریٹ سعید بن العاص کے ادوار میں واضح طور پہ عرب ارسٹوکریٹ بلاک کی تشکیل ہوئی اور اس بلاک کے خلاف یہی اہل القراء، سابقین اسلام، اور موالین میں سے نیک پرہیز گار لوگ جن کی سماجی بنیادیں ارسٹوکریسی میں نہیں تھیں تشکیل پانے لگا تھا-ان میں صعصعۃ بن صوحان سے کتنے لوگ واقف ہوں گے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بیعت کرتے وقت کہا تھا،

"یا أمیر المؤمنین لقد زنت الخلافة و ما زانتك ورفعتها و ما رفعتك،

وهى إليك أحوج منك إليها".

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ کوفہ کی تاریخ کا قتل ہوا، اس لئے کہ اس شہر کے اندر جو اہل حق کا کیمپ تھا، جنھوں نے سماجی عدل و انصاف کا جھنڈا اٹھایا تھا، ان کے کردار نسیا منسیا کردئے گئے-اور مین سٹریم اسلام کے ماننے والوں کے شعور کو اس طرح سے پسماندہ رکھے جانے کی کوشش ہوتی رہی اور یہ عرب ارسٹو کریسی صرف کوفہ کے اندر ہی بحال کرنے کی کوشش نہیں ہورہی تھی بلکہ اس کا احیاء مدینہ، مکّہ، بصرہ وغیرہ میں بھی ہو رہا تھا جبکہ شام کے اندر تو یہ پہلے ہی منظم ہو چکی تھی اور مصر میں بھی اسے مضبوط کیا جارہا تھا-لیکن ہم نے دیکھا کہ عرب ارسٹو کریسی کے علمبردار کیمپ کے مخالف عدل و انصاف کی سماجی تحریک کے بھی آثار نمودار ہونے لگے تھے-اور اس تحریک کی اولین بنیادیں کوفہ کے اندر پڑیں تھیں جس کی قیادت کوفہ کے اہل القرآء کے ہاتھوں میں تھیں-لیکن ہمیں تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ عرب ارسٹو کریسی کے خلاف جید صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں سب سے طاقتور آواز حضرت ابوزر غفاری، عبداللہ بن مسعود، سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حجر بن عدی الکندی، عدی بن حاتم رضوان اللہ اجمعین کی تھیں اور یہی اس تحریک کے ابتدائی رہبر و رہنماء بنے تھے-لیکن یہاں یہ بھی مدنظر رہے کہ خود عرب ارسٹو کریسی کے خلاف مکّہ اور مدینہ کے قریشی مہاجروں کے اندر بھی ایک گروپنگ سامنے آرہی تھی اور اس کی قیادت ہمیں حضرت طلحہ، زبیر بن العوام سمیت کئی ایک جید صحابہ کرام کرتے نظر آرہے تھے اور تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان کی نظریں بھی حصرت عثمان ابن عفان کی مسند پہ لگی ہوئی تھیں عرب ارسٹو کریسی نے جس طرح سے مسلم مثالی اقدار کو نظر انداز کیا تھا اور مسلم معاشروں کی اجتماعیت کو جیسے انھوں نے بتدریج ملوکانہ طرز کی جانب دھکیلا تھا اس کے خلاف ایک ردعمل موجود تھا-اور اس ردعمل نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان غنی کی مظلومانہ شہادت کی شکل اختیار کرلی اور اور آگے چل کر عرب ارسٹو کریسی اور مکّہ و مدینہ کے طاقتور قریشی اشراف نے اس خون کو بنیاد بنا کر مسلم ریاست کا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی-

حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد جب مدینہ ومکّہ ،کوفہ، بصرہ اور مصر سے جمع ہونے والوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو خلیفہ بننے پہ مجبور کردیا تو اس وقت حالات یہ تھے کہ مسلم ریاست کی ملٹری پاور تین بڑے حصوں میں عملی طور پہ تقسیم ہوگئی تھی- ایک ملٹری پاور کا بیس کوفہ تھا اور دوسری ملٹری بیس بصرہ تھی جبکہ تیسری ملٹری بیس شام تھی- حضرت علی علیہ السلام الکریم کی خلافت کے اعلان کے بعد مدینہ اور مکّہ سے طاقتور قریشی صحابہ کرام کا ایک گروپ بصرہ پہنچ گیا اور اس نے وہاں جا کر اپنے لئے ملٹری سپورٹ جمع کرنا شروع کردی اور یہ صورت حال ایسی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے پاس سوائے اس کے اور راستہ نہیں تھا کہ وہ مدینہ ومکّہ سے اپنی فورس لیں اور کوفہ کو اپنا مرکز بنالیں- اب یہاں پہ یہ بات غور کرنے والی ہے کہ مدینہ سے حضرت علی علیہ السلام کو جو فوجی قوت میسر آسکی وہ محض ایک ہزار افراد پہ مشتمل تھی اور جب وہ کوفہ پہنچے تو وہاں جا کر ان کی ایک ہزار فوج کے ساتھ بارہ ہزار کوفہ میں مقیم سپاہ ان کے ساتھ ہوئی مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی خلافت کا تحفظ کرنے میں کوفہ کی ملٹری چھاؤنی سے 12 ہزار کی سپاہ نے اہم ترین کردار ادا کیا تھا- حضرت علی علیہ السلام الکریم کی سپاہ بارے یہ معلومات ہمیں تاریخ طبری اور نصر بن مزاحم کی کتاب الجمل میں ملتی ہیں- اور ہمیں تاریخ ایک اور واقعہ بارے بھی بتلاتی ہے- اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کوفہ پہنچے تو سابق گورنر کوفہ سعید بن العاص نے کوفہ کی رہائش ترک کی اور وہ مدینہ آکر ٹھہر گئے- یہ اس بات کا بھی اشارہ تھا کہ اموی عرب ارسٹو کریٹس نے اپنے اتحادی عرب اشراف القبائل اور اتحادی فارسی اشرافیہ کو کوفہ میں تنہا چھوڑ دیا تھا- اور یہ کوفہ کے نامور اہل قراء اور یمنی قبائل کے لوگ اور موالین کے افتادگان خاک تھے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا ساتھ دیا اور کوفی اشرافیہ کو بھی وقتی طور پہ آپ کا ساتھ دینے پہ مجبور کردیا- ہمیں طوعا و کرھا حضرت علی علیہ السلام الکریم کا ساتھ دینے والے حضرات بھی نظر آتے ہیں جن میں اشعث بن قیس کا نام بہت نمایاں ہے اور اس کے زیر اثر کندہ قبیلے کے لوگ بعدازاں اموی فوج کا ہراول دستہ ثابت ہوئے- عبدالرحمان بن

اشعث ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ امویوں کے لئے خدمات سرانجام دیتا رہا

نصر بن مزاحم المنقری متوفی 212 ہجری کی کتاب وقعۃ الصفین کوفہ اور اہل عراق کا حضرت علی علیہ السلام الکریم کی طرف رویہ جاننے میں ہماری مدد کرتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ اہل کوفہ ان دنوں کن خیالات اور افکار کے زیر اثر تھے،اس سلسلے میں نصر بن مزاحم نے ہماری معلومات میں بہت اضافہ کیا ہے-کتاب کے آغاز میں نصر ہمیں بتاتے ہیں کہ رجب کی 12 راتیں گزر چکی تھیں یعنی 13 رجب المرجب تھی اور سن 36 ہجری تھا جب حضرت علی علیہ السلام الکریم جنگ جمل سے فارغ ہو کر بصرہ سے کوفہ آئے اور انہوں نے دارالامارہ میں قیام کرنے سے انکار کیا اور کوفہ کے لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے کوفہ کی جامع مسجد کا انتخاب کیا-نصر بن مزاحم نے اس موقعہ پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کا جو خطاب درج کیا ہے ،وہ اپنے مضامین کے اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل ہے-اس میں آپ نے اسلام کو اپنی زندگی کی بنیاد بنانے اور خواہشات کا اسیر ہونے سے بچنے اور آخرت کی فکر کرنے پہ زور دیکر دنیا پرستی کی مذمت کی اور اس کے بعد آپ نے جنگ جمل کا پس منظر بتایا اور آپ نے اہل کوفہ سے کہا کہ ان کی بیعت مہاجرین و انصار اولین کی شوری نے کی اور پھر عامۃ المسلمین نے اور شوری کا اتفاق جماعت کا اتفاق ہے اور اس سے الگ ہونا فرقہ پرستی ہے،اور اسی تناظر میں انھوں نے بتایا کہ کیسے ایک گروہ نے ان سے کی ہوئی بیعت توڑی تو ان سے انھیں لڑنا پڑا اور جب وہ مطیع ہو گئے تو ان سے تلوار اٹھالی گئی یہیں آپ کے خطاب کے بعد مالک بن حبیب یربوعی نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو بتایا کہ کوفہ کے اندر ایک گروہ قلیل کو چھوڑ کر سب آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کی اطاعت کریں گے-نصر بن مزاحم ایک روایت ساتھ ہی نقل کرتا ہے کہ ایک شخص ابو بردہ بن عوف الازدی کھڑا ہوا---اس کے تعارف میں نصر لکھتا ہے کہ یہ شخص "عثمانی" تھا اور یہ امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کو خفیہ خط لکھا کرتا تھا اور جب معاویہ ابن ابی سفیان کوفہ پہ غالب آئے تو انھوں نے اسے فلوجہ میں ایک قطعہ اراضی دے دیا تھا-یہاں پہ ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ عثمانی کی اصطلاح سے مراد کیا ہے-یہ

اصطلاح بعد میں متعارف ہوئی اور اس کا اطلاق اہل سیر و تاریخ نے دو طرح کے لوگوں پہ کیا-کوفہ میں جب ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص کے خلاف تحریک کھڑی ہوئی تو اس موقعہ پہ جو لوگ کوفہ میں اموی گورنروں کے ساتھ تھے وہ بعد میں عثمانی کہلائے اور اسی طرح وہ لوگ جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خون عثمان کے مطالبے کے ساتھ کھڑے ہو گئے ان کو بھی عثمانی کہا گیا اور نصر من مزاحم کی کتاب سے ہمیں پتا چلتا ہے جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کوفہ آئے تو ایسے لوگ موجود تھے- یہاں پہ نصر بن مزاحم نے ص 9 پہ ایک روایت درج کی ہے جس میں آپ نے مخنف بن سلیم اور ان کی قوم کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہماری حمایت میں سرگرم رہے اور ان کا حال اس قوم کی طرح نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا (منافقین مدینہ کے بارے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے نہیں گئے تھے) کہ جب ان کو اہل ایمان کے بارے میں کسی مصیبت کی خبر پہنچے تو کہتے ہیں اچھا ہوا کہ ہم وہاں نہیں تھے اور جب کوئی کامیابی کی خبر ملے تو کہتے ہیں کہ کاش ہم وہاں ہوتے- پھر نصر نے ذکر کیا کہ چوتھے دن جب جمعہ کا دن تھا تو کوفہ کی جامع مسجد میں آپ نے نماز جمعہ پڑھی اور اس موقعہ پہ آپ نے مخنف بن سلیم، قدامہ بن مظعون، قرظۃ بن کعب، ابوحسان البکری، سعد بن مسعود الثقفی، ربعی بن کاس، خلید، الاشتر کو مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا- یہ سب لوگ اہل عراق اور کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے حامیوں میں شمار ہوتے تھے-نصر بن مزاحم نے ص 16 پہ اہل السواد یعنی سوادی زمینوں کی کاشت کرنے والوں کے پاس آپ کے جانے کا ذکر کیا ہے اور ان سے آپ نے مکالمہ کیا اور ان سے آپ نے ساسانی حکمرانوں کے بارے میں بھی پوچھا- اس سے ایک بات تو یہ پتا چلتی ہے کہ جنگ جمل سے واپسی کے بعد حضرت علی علیہ السلام الکریم نے کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں باقاعدہ ایک مہم چلائی جس کا مرکز اہل کوفہ و عراق کو قتل عثمان اور اس کے بعد کے حالات و واقعات کی آگاہی دینا تھا تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو اور آپ کا حکومت بارے جو آدرش تھا وہ بھی لوگوں تک پہنچے- وقعۃ الصفین سے ایک اور اہم بات ہمیں یہ پتا چلتی ہے کہ اشعث بن قیس جس کے

پاس آزر بائیجان کی حکومت تھی کو آپ نے جب خط لکھا تو اسے یہ ڈر تھا کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کہیں اس سے یہ حکومت نہ لے لیں اور اس نے آزر بائجان کے لوگوں کے سامنے اس خدشہ کا اظہار کیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ آزر بائیجان کا الحاق شام سے کر دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کی اکثریت نے اس امر کی سختی سے مخالفت کی جس کے سبب اشعث مجبور ہو گیا کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بیعت کرے۔(ص 22، وقعۃ الصفین) یہیں پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کا حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو لکھے گئے خط کا متن بھی نصر نے روایت کیا ہے۔اس سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے حسن بن علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، عمار یاسر، قیس بن سعد بن عبادہ کو کوفہ بھیجا تھا جب وہ ابھی مدینہ میں تھے تو یہ اصحاب کوفہ پہنچے اور انھوں نے اہل کوفہ کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی، اور اگر آپ ان خطوط کا مطالعہ کریں جو تقرری نامے تھے عاملین کے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی جانب سے تو ان سب کے متن میں حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اپنی بیعت کے طریقہ کار بارے لکھا ہے، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت بلاد اسلامیہ میں ایسی سوچ موجود تھی جو آپ کی بیعت اور آپ کی خلافت کے جواز پہ انگلی اٹھا رہی تھی۔اور ایسے لوگ کوفہ میں بھی موجود تھے۔اور نصر بن مزاحم جب یہ زکر کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے جب شامیوں کے خلاف جنگ کی تیاری کے لئے مہم چلائی تو ہمیں مہاجر و انصار صحابہ اور ان کی اولاد کے نام بھی پتہ چلتے ہیں جو عراق و کوفہ میں تھے اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ تھے۔ان میں نصر عمار، قیس بن سعد بن عبادہ، خزیمہ بن ثابت، ابو ایوب الانصاری، سھل بن حنیف وغیرہ کے نام وہاں زکر ہیں، اسی طرح سے عرب قبائل میں بنی غطفان و بنی تمیم کے لوگوں کا زکر ہے کہ انھوں نے آ کر اپنی حمایت کا یقین دلایا اور پھر وہ ساتھ گئے بھی۔اسی دوران ایک معقل بن قیس الیربوعی کا زکر ملتا ہے اور عبداللہ بن المعتم کا زکر ملتا ہے جن کے بارے میں یہ کہا گیا کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے اور امیر شام کو خط لکھا کرتے تھے۔ان شواہد و واقعات سے کم از کم ہمارے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ کوفہ کے اندر ایسے

لوگ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ہی زمانے میں موجود تھے جن کے روابط شام سے تھے اور نصر کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ جس کے بارے میں یہ پتا چلتا تھا اسے قید کر دیا جاتا تھا- جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کوفہ کی جامع مسجد میں اہل کوفہ کو شامیوں کے خلاف لڑائی کے لئے تیار کر رہے تھے تو بنی فزارہ سے ایک شخص کے کھڑے ہونے اور اس کے اس جنگ کی مخالفت کرنے کا زکر ملتا ہے تو ایک ہنگامہ ہونے اور اس کے وہاں سے فرار ہونے اور بازار میں پکڑے جانے اور وہاں پہ مار پیٹ کے بعد قتل ہو جانے کا زکر ملتا ہے جس کی دیت بیت المال سے حضرت علی علیہ السلام الکریم ادا کرنے کا حکم جاری فرماتے ہیں۔ (وقعۃ الصفین ص92)

نصر بن مزاحم نے امیر شام کی حکمت عملی پہ بھی نظر ڈالی ہے اور یہ عمرو بن العاص تھے جنھوں نے امیر شام کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کسی نا کسی طرح اہل عراق کو تقسیم کرنے اور ان میں افتراق کو بڑھانے کی کوشش کریں اور اسی طرح سے شام پہ ان کی چڑھائی کو روکا جا سکتا ہے-نصر نے کافی اہم معلومات بہم پہنچائی ہیں- امیر شام کے روسائے قحطان و یمن میں سے یزید بن اسد، بسر بن ارطاۃ، عمرو بن سفیان، فخارق بن الحارث الزبیدی، حمزہ بن مالک، حابس بن سعد الطائی بہت قریب اور معتمد تھے، ان کو امیر شام نے خط لکھ کر بلایا اور ان سب کو اس بات پہ راضی کیا کہ یہ سب اپنے علاقوں میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کو حضرت عثمان غنی کا قاتل قرار دینے اور آپ کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنے کی زمہ داری اٹھائیں گے-نصر نے معاویہ بن ابی سفیان کے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت محمد بن مسلمۃ رضوان اللہ علیھم کو اسی دوران لکھے گئے خطوط کا متن بھی دیا ہے- ان خطوط میں امیر شام نے حضرت عثمان ابن عفان کی شہادت کا الزام حضرت علی علیہ السلام الکریم کے سر پہ ڈالا اور یہ بھی کہا کہ انھوں نے سنا ہے کہ یہ حضرات بھی علی المرتضی سے ناراض ہیں اور ناقد ہیں لیکن ان تینوں احباب نے جواب میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے فضائل بیان کئے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے جواب میں کہا کہ کوئی یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ عبداللہ

بن عمر حضرت علی علیہ السلام الکریم کے بارے میں طعن کریں گے اور ان تینوں احباب نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بیعت پہ بھی روشنی ڈالی-اس سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جید صحابہ کرام کی اکثریت کو بھی اس معاملے میں کوئی شبہ نہیں تھا-اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کو اہل عراق و کوفہ میں اچھی خاصی تعداد کی حمایت، مدد حاصل تھی تبھی تو وہ جنگ جمل کے بعد جنگ صفین کے لئے ایک بڑا لشکر اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے تھے-کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی سرگرمیوں سے ہمیں یہ اندازہ کرنے میں مدد ملتی ہے کہ اس وقت نظریاتی اعتبار سے کوفہ میں بالخصوص اور عراق میں بالعموم تین گروہ تھے-ایک گروہ وہ تھا جو حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بیعت توڑنے یا ان کی بیعت نہ کرنے والوں سے لڑائی کے حق میں تھا اس وقت تک جب تک باغی بیعت نہ کرلیں-دوسرا گروپ وہ تھا جو صلح جوئی کی طرف رجحان رکھتا تھا اور شاید تذبذب کی حالت میں بھی تھا۔ایسا ایک کردار حضرت ابوموسی اشعری کا بھی ہے-الاشتر کا خیال تھا کہ جریر بن عبداللہ البجلی بھی اسی گروہ کے آدمی ہیں اور ان کو شام میں سفر بنا کر بھیجنے کی اشتر نے مخالفت بھی کی تھی-نصر بن مزاحم نے جریر بن عبداللہ البجلی کی واپسی پہ الاشتر سے تند و تیز مکالمے کی روداد بھی درج کی ہے-اور نصر نے کوفہ کی جامع مسجد اور کوفہ کے محلوں میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے دوروں کے دوران کئی ایک افراد کے مکالمے بھی آپ سے درج کئے ہیں جن میں لوگ لڑنے کی بجائے صلح جوئی اور مذاکرات کی بات کرتے ہیں-اور کئی ایسے کردار بھی ملتے ہیں جو اسے فتنہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس معاملے میں کسی کیمپ کی جانب جانے کو مبتلائے فتنہ ہونا خیال کرتے ہیں-اور جو گروہ کھل کر آپ کے ساتھ ملکر لڑائی کرنے کو تیار تھا اس میں بھی ایسے عناصر موجود تھے جن کی حالت اخلاص کے حوالے سے مشکوک تھی، جیسے الاشعث کا زکر پہلے کیا جا چکا ہے-اور وقت اور حالات کے اس سارے تناظر کو دیکھتے ہوئے ہمیں سمجھ آتی ہے کہ کیسے عراق کے اندر ایک طرف تو شام کی پروپیگنڈا وار نے انتشار وافتراق میں اضافہ کیا، دوسری طرف اہل تذبذب کی سستی اور بے یقینی نے حالات کو خراب کیا-لیکن مرا یہاں مقصد ان کرداروں اور ان

گروپوں بارے زیادہ بات کرنا ہے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا ساتھ دیا- اور آپ کا کنٹرول کوفہ اور اہل عراق پہ قائم رکھا- حضرت علی علیہ السلام الکریم نے عراق آنے کے بعد تین جنگیں لڑیں اور تینوں جنگوں میں فتح حاصل کی اور یہ تینوں جنگیں کوفہ اور اہل عراق کی مدد کے بغیر نہ تو لڑی جا سکتی تھیں اور نہ ہی ان میں فتح حاصل کی جا سکتی تھی- اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل عراق میں یہ علوی تھے جن کی حمایت نے ہی حضرت علی علیہ السلام الکریم کی خلافت کو گرنے سے بچایا تھا- اور بعد میں تاریخ کی تدوین کرتے ہوئے علوی کیمپ کے وجود اور اس کی تاریخ کو ٹکڑوں، ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا جن کو ایک جگہ اکٹھا کرنے میں بڑی دقت کا سامنا رہا- جبکہ کوفہ وعراق کے متذبذین، شامیوں سے ربطے میں رہنے والے اور اہل بیت اطہار سے دھوکہ کرنے اور بے وفائی کرنے والوں کو ہی عراق اور کوفہ کا پورا چہرہ بنا دیا گیا یعنی بزدل معروف اور بہادر گم ہو گئے۔

کوفہ کے سیاسی چہرے کو دیکھنے اور پرکھنے کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کتب فقہ اور کتب علم الکلام و عقائد میں اس کا زکر دوسرے بڑے مسلم تہذیب کے مراکز کے مقابلے میں کیسے ہوا ہے۔ حوالے سے جب ہم کتب فقہ و کتب علم الکلام و عقائد کا مطالعہ کرتے ہیں تو عراق کے باب میں کئی بڑے بڑے نام ایسے ہیں جن کا بیان کرتے ہوئے ان کی سیاسی وابستگی کا زکر بھی کیا جاتا ہے اور ان ناموں میں بھاری اکثریت کو حضرت علی علیہ السلام الکریم کے کیمپ سے وابستہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ امام اعظم ابوحنیفہ ان کے استاد حماد اور ان کے استاد ابراہیم نخعی کے بارے میں واضح طور پہ کہا گیا کہ وہ علوی تھے۔ ایسے ہی عثمانیوں، خوارج اور دیگر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ امام حسن نے جب زمام خلافت سنبھال لی تو اس وقت بھی ان کو کوفہ سے کس خاص چیلنج کا سامنا نہیں تھا بلکہ یہ بصرہ تھا جہاں ان پہ قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں کوفہ کے اندر بھی کئی لوگ امیر شام کے ساتھ روابط میں تھے۔ اور اس حوالے سے جب ہم امام حسن علیہ السلام کا تذکرہ پڑھتے ہیں اور صلح کے وقت

کے جو حالات ابن ابی الحدید، ابن اعثم کوفی، بلاذری اور دیگر نے ذکر کئے ہیں ان سے صاف پتا چلتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی یہ صلح عراق میں بالعموم اور کوفہ میں بالخصوص اپنے ساتھیوں کو بچانے کا اقدام تھا۔کیونکہ اگر حالت انتشار اور افتراق کی حالت میں جنگ ہوتی تو نہ صرف امام حسن اور ان کا خاندان کرش ہوتا بلکہ آ کے سبھی حمائتی بری طرح سے مارے جاتے۔کتب تواریخ میں امام حسن سے آپ کے ساتھیوں کے مکالمے درج ہیں جیسے حجر بن عدی سے اور دیگر اور آپ کے شیعہ سے جو اس معاہدے سے راضی نہیں تھے بلکہ آپ کو مذل المومنین کے برے نام سے بھی پکارا گیا لیکن آپ نے ان لوگوں پہ واضح کیا کہ یہ اقدام کیوں ضروری تھا۔جب یہ صلح ہوگئی تو بھی امیر شام اور ان کے ساتھیوں کو اہل کوفہ کے بارے میں اطمینان نہ ہوا۔مغیرہ بن شعبہ ہو کہ زیاد ہو ان گورنروں کے زمانے میں اہل کوفہ کے اندر علوی کیمپ کو مشتعل کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو برا بھلا کہنے کی مشق جاری رکھی گئی جو کہ صلح کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی لیکن آپ نے اپنے ساتھیوں کو مشتعل نہ ہونے کا مشورہ دیا۔یہ مشورہ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں بھی دیا گیا مگر انہوں نے نہ مانا اور نتیجے میں یہ نہیں ہوا کہ صرف حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو ذبح کیا گیا بلکہ پورے عراق پہ خوف اور دہشت پھیلانے کی مہم چلائی گئی۔تو معاویہ کا عراق پہ صلح کے بعد بدستور دہشت اور خوفزدہ کرنے کی پالیسی اختیار کئے رکھنا اس امر کا ایک داخلی ثبوت ہے کہ کوفہ والوں کی مزاحمت ختم نہیں ہوئی تھی اور کوفہ میں اس وقت بھی اتنے علوی موجود تھے جن کی تعداد کو چند نہیں کہا جاسکتا۔تو یہ جو کوفہ کی مزاحمت،کوفہ میں علوی کیمپ کی وفاداری اور ان کی قربانیوں کا پہلو ہے اسے کوفہ کے اندر علوی کیمپ کے مقابل موقعہ پرستوں،غداروں،خائنوں،بددیانت، اموی نوازوں،خوارج کے دھڑوں کے کیمپ کو زیادہ نمایاں کر کے دکھایا گیا۔اور ہمیں کوفہ کی وہ تصویر نظر نہیں آتی جو کم از کم کوفہ کے علویوں کو مجرموں کے ساتھ نہ کھڑی کرتی ہو۔

کوفہ کے رہنے والوں پہ سب سے زیادہ تنقید اور سب سے زیادہ ان کی مذمت امام

حسین علیہ السلام کی شہادت پہ کی جاتی ہے اور اس حوالے سے پورے کوفہ کو مطعون کیا جاتا ہے-کوفہ والوں کی مذمت کرنا تو اصل میں ایک بہانہ ہے، اس کی آڑ میں امویوں کے حامی اصل میں حضرت علی علیہ السلام الکریم اور آئمہ اہل بیت اطہار کے ان محبان کو ردی ثابت کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے علوی کیمپ کو اختیار کیا اور اموی کیمپ کو بے نقاب کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی-اور اس حوالے سے ان شخصیات کو خاص طور پہ نشانے پہ لایا جاتا ہے جو علوی کیمپ میں اور علی شناسی میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں-امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دینے کے لئے اہل کوفہ کے خطوط کا بڑا ز کر کیا جاتا ہے اور بصرہ میں بھی اہل بیت اطہار کے حامیوں کے خط کا ز کر بھی ملتا ہے-لیکن سب سے زیادہ ز کر اس خط کا ہوتا ہے جو حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی ،المسیَّب بن نَجبہ بن ربیعہ بن ریاح بن عوف بن ہلال بن شمخ بن فزارہ، رفاعہ بن شداد البجلی الفتیانی اور حبیب ابن مظاہر اسدی و دیگر شیعان کوفہ نے امام حسین کو ارسال کیا تھا-اور جنھیں یزید کو قتل حسین کے الزام سے بری کرنے کا بہت ہی شوق ہے (اکثر کا تعلق دیوبندی اور سلفی اہلحدیث مکاتب فکر سے ہے) وہ اس خط کو بہت زیادہ سامنے لاتے ہیں اور ایسا تاثر دیتے ہیں جیسے یہ سلیمان بن صرد الخزاعی ،مسیب بن نخبۃ، رفاعۃ بن شداد البجلی اور حبیب ابن مظاہر نے ان کو کوفہ بلانے پہ اصرار کرنے کے بعد ان سے پیٹھ موڑ لی تھی اور ان کا ساتھ نہیں دیا تھا-خاص طور پہ سلیمان بن صرد الخزاعی ،مسیب بن نخبۃ اور رفاعۃ بن شداد البجلی کے بارے میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انھوں نے دھوکہ دیا امام حسین کو-حالانکہ ان کی پوری زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ لوگ جنگ سے بھاگنے والے تو ہر گز نہیں تھے اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ جنگ جمل ،صفین اور نہروان میں شرکت کی اور اس سے پہلے یہ جنگ قادسیۃ سمیت عراق کی فتوحات کی سبھی جنگوں میں شریک رہے تھے اور ایک بھی موقعہ پہ پیٹھ نہیں دکھائی تھی-اور اگر آپ کتب تواریخ کا مطالعہ کریں تو ان سب سے ان تین بزرگوں کے بارے میں یہ بات بہت ہی زیادہ نکھر کر سامنے آتی ہے کہ ایک تو یہ نہایت پرہیز گار، راستباز اور بہادر انسان تھے

اور کسی ایک نے بھی ان کی دیانت و امانت پہ انگلی نہیں اٹھائی اور کسی نے ان کو غیر مستقل مزاج ، راہ اعتدال سے ہٹا ہوا قرار نہیں دیا- اور پھر یہ جو سلیمان بن صرد الخزاعی تھے یہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے بہت پرانے صحابی تھے- ان کا حضرت علی علیہ السلام الکریم سے تعلق مکّہ ہی میں بن گیا تھا ، جہاں یہ پیدا ہوئے تھے اور پھر یہ کوفہ میں آبسے تھے اور یہاں جب حضرت علی تشریف لے آئے تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لئے اہل عراق اور کوفہ کے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کیا- اور پھر پوری طرح ثابت قدم رہے اس حوالے سے جب میں نے ان تین اصحاب کے حالات زندگی تلاش کرنے کی کوشش شروع کی اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ کیا کسی نے ان تین اصحاب کے کربلاء میں حاضر نہ ہو پانے اور حضرت امام حسین کی مدد نہ کرپانے کے اسباب جاننے کی کوشش کی تو میں نے یہ پایا کہ طبقات ابن سعد اور الکامل الاثیر دونوں نے سلیمان بن صرد الخزاعی اور ان کے دیگر دو ساتھیوں کے بارے میں یہ لکھا کہ انہوں نے امام حسین کو خط لکھ کر بلایا اور جب امام حسین کربلاء پہنچ گئے تو ان کے ساتھ شرکت نہ کی لیکن طبقات ابن سعد ہو کہ الکامل الاثیر ہو یا کوئی اور کتاب جو سلیمان بن صرد الخزاعی سمیت ان تین اصحاب کے بارے مین یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ لوگ جان بوجھ کر خوف کی وجہ سے کوفہ سے نہیں نکلے، وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ وہ احباب ہیں جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا مکمل ساتھ دیا ، بہترین لڑاکے ہونے میں بھی کوئی شک نہیں تھا اور پھر یہ احباب امیر شام معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانے میں اموی حکومت کو تسلیم نہ کرنے کی پاداش میں امیر شام کے حکم پہ حضرت مالک الاشتر کے بیٹے ابراہیم الاشتر کے ساتھ جیل میں قید بھی کر ڈالے گئے تھے اور اس انتہائی جبر اور خوف کے ماحول میں بھی ان اصحاب نے علوی کیمپ سے دستبرداری اختیار نہ کی تھی ، بلکہ ان کو ہم ان علی شناس لوگوں میں شمار کرسکتے ہیں جنھوں نے اس زمانے میں بھی مصلحت اختیار نہ کی جب خود علوی کیمپ کے مرکزی آئمہ اپنے پیروان کو جان بچانے کے لئے زیر زمین جانے کا درس دے رہے تھے- اور ہمیں تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ سلیمان

صرد الخزاعی ان اصحاب میں شامل تھے جو جنگ صفین کو اس کے منطقی انجام تک لیجانے کے خواہاں تھے اور پھر جب حضرت امام حسین نے صلح کا معاہدہ کیا تو انہوں نے اس معاہدے کو نہ کرنے کی رائے امام حسن کو دی تھی-تو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ سلیمان بن صرد الخزاعی سمیت دیگر اصحاب نے خوف، لالچ، بزدلی کے سبب کوفہ سے باہر نکلنا پسند نہ کیا ہو- یہ بات کسی بھی طرح سے قرین قیاس نہیں ہے اہل تشیع میں سے عبداللہ المقانی نے اپنی اسماء الرجال کی کتاب" تنقیح المقال" میں اوراللہوف فی قتلی الطفوف میں ابن طاؤس نے، اورحکایۃ المختار فی الاخذ الثار میں یہ لکھا کہ حضرت سلیمان بن صرد خزاعی کو عبیداللہ ابن زیاد نے جیل میں ڈال دیا تھا اور وہ وہاں سے یزید کی موت کے بعد نکلے (آنّ سلیمان بن صرد ك ان فی حبس ابن زیاد ثم خرج بعد موت یزید)-

محمد مظفر عراقی شیعہ مجتھد عالم نے اپنی کتاب" تاریخ الشیعۃ" میں سلیمان بن صدر الخزاعی اور دیگر کبار پیروان علوی فی الکوفۃ کی کربلاء نہ پہنچ پانے بارے توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تغيرّت الأوضاع فی الكوفة بعد مجیء عبيد الله بن زياد, فاتجهت نحو ما فيه ضرر للشيعة. قرّر عبيد الله التخلّص من مسلم وأتباعه, فسجن عدداً كبيراً من الشخصيّات الشيعيّة 19. وعلى الرغم من أنّ المصادر التاريخيّة المعتبرة لم يتحدّث أيّ منها عن وجود سليمان، والمسيّب، ورفاعة والقادة الآخرين من التوّابين فی السجن، إلاّ أنّ بعض علماء الشيعة يعتقد بأنّ أمثال سليمان لم يتمكّنوا من نصرة مسلم, بسبب وجودهم فی السجن, وبذلك لم يتمكّنوا من الحضور فی كربلاء. ويقول بعض الباحثين فی تاريخ الشيعة: "ومن ثَمّ تجد قلّة فی أنصاره مع كثرة الشيعة بالكوفة, ولقد كان فی حبسه اثنا عشر ألفاً كما قيل, وما أكثر الوجوه والزعماء فيهم, أمثال المختار, وسليمان بن صرد الخزاعی, والمسيّب ابن نجبة, ورفاعة بن

شدّاد, وإبراهيم بن مالك الأشتر

عبیداللہ ابن زیاد کے کوفہ میں آجانے کے بعد حالات میں بڑی تبدیلی آئی اور اس نے ایسے اقدامات کی طرف توجہ کی جس سے علی کے پیروان کو زیادہ سے زیادہ ضرر پہنچے، عبیداللہ ابن زیاد نے مسلم بن عقیل اور ان کے پیروان میں علیحدگی کرنے والے اقدامات اٹھائے، تو اس نے علوی کیمپ کی بڑی بڑی شخصیات کو جیل میں بند کر دیا- تاریخ کے جو معتبر مصادر ہیں اگرچہ وہ قید ہونے والوں میں سلیمان بن صرد الخزاعی، رفاعۃ اور دوسرے اٹھ کھڑے ہونے وائے قائدین تحریک توابین کے ناموں کا زکر نہیں کرتے لیکن بعض شیعی علماء کا یہ اعتقاد ہے کہ سلیمان جیسے لوگ مسلم بن عقیل کی مدد اس لئے نہ کر پائے کہ وہ جیل میں بند تھے، اور اسی وجہ سے وہ کربلاء بھی نہ پہنچ پائے- اور تاریخ شیعہ میں بعض بحث کرنے والوں نے یہ بھی کوفہ جو پیروان علی کی اکثریت کا شہر تھا وہاں ان کی نصرت کرنے والے قلت میں اسی وجہ سے ہوئے اور قریب بارہ سال یہ لوگ قید میں رہے اور اکثر کے کربلاء نہ پہنچ پانے کی یہی وجہ ہے اور ان میں سلیمان بن صرد الخزاعی، مسیب ابن نخبۃ، رفاعۃ بن شدّاد اور ابراہیم بن مالک الاشتر بھی شامل تھے-

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ جن اصحاب آئمہ اہل بیت پہ بے وفائی، بزدلی اور دھوکہ دہی کا الزام عائد کیا جا رہا ہے، ان کی زندگی کا احوال ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ امام مظلوم ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں اور وہ سکت و استطاعت رکھتے ہوئے بھی نہ جائیں اس حوالے سے ایک صاحب نے لکھا،

"ويؤيّد هذا الإحتمال مجموعة من الشواهد التاريخيّة

أ- إذا أخذنا بعين الاعتبار التاريخ المشرّف لهؤلاء العظماء, بالأخصّ في ملازمتهم لأئمّة الشيعة, وحضورهم البارز في الساحات العسكريّة, بل والثبات العظيم لبعضهم في ميادين القتال- كما سبق وأشرنا, وقد تجلىّ ذلك بوضوح في ثورة التوّابين الدامية- فمن البعيد

جدّاًأن یکونوا قد سمعوا نداء مظلومیّة واستغاثة سیّد الشهداء وسفرائه, ثمّ, وبسبب الخوف أو التردّد, ترکوا إمامهم وحیداً مع أنّهم أصرّوا علی دعوته فی بادئ الأمر.

Please see link

/www.almaaref.org/books/contentsimages/books//:http
dirasat_hussaineya/nahdat_ashouraa/page/lesson8.htm

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت کربلاء کے مقام پہ آکر ٹھہر گئے تو عبیداللہ ابن زیاد نے اہل کوفہ سے خطاب کیا اور ان کو کربلاء میں امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کے لئے شامی لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی اور سخت ڈرایا اور کہا کہ جو بھی اس لشکر سے پیچھے رہے گا تو اس کی جان کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جائے گی اور پھر کوفہ شہر کے اندر کرفیو لگا دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر کوفہ کے گردونواح میں کربلاء جانے والے راستے پہ جاتا کوئی بھی شخص دکھائی دیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور ایسا ہوا بھی کہ قبیلہ ہمدان کے لوگ کربلاء کے راستے سے پکڑے گئے اور ان کو عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لیجایا گیا، جس نے ان کو قتل کروادیا- علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک کی جلد 4 اور ص 263 مطبوعہ بیروت میں تفصیل سے درج کیا کہ ابن زیاد نے اہل کوفہ کو امام حسین علیہ السلام سے کوفہ سے نکل کر کربلا جاملنے سے روکنے کے لئے کیسے اقدامات کئے طبری نے لکھا ہے ابن زیاد نے کوفہ کو کنٹرول کرنے کے لئے انتہائی سختی سے کام لیا- اس نے اپنے وہ اعمال جو کوفہ میں بسے قبائل اور حکومت کے درمیان رابطے کی زمہ داری رکھتے اور کوفہ کی ایڈمنسٹریٹو تقسیم کے زمہ دار تھے جن کو "نقباء" کہا جاتا ہے کے زمہ لگایا کہ وہ اہل کوفہ کی جو کہ لشکر شام کا حصّہ نہیں بنے تھے گھروں میں موجودگی یقینی بنائیں، ان کے پاس کسی قسم کا اسلحہ اگر ہے تو اس کی تفصیل معلوم ہو اسے حکومتی تحویل میں لے لیا جائے- ان نقباء نے اہل کوفہ کو بتایا کہ جس کی وفاداری پہ زرا سا بھی شک ہوا، اس کا گھر جلا دیا جائے گا اور اسے اس کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا جائے گا- اور ان نقباء کو بھی شدید ڈرایا گیا کہ اگر انہوں نے کوئی بات مخفی

رکھی تو ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا- اور جس پہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تعاون کا ذرا سا بھی شک پڑا، اسے بھی فی الفور قتل کر دیا جائے گا- عبیداللہ ابن زیاد نے ریگولر پولیس سے ہٹ کر بھی پرائیوٹ/ نجی مسلح کمیٹیاں تشکیل دیں جن کو کوفہ کے داخلی و خارجی راستوں پہ تعنیات کر دیا گیا اور حصین بن نمیر کو عبیداللہ ابن زیاد نے قادسیۃ اور قطقطانۃ کے درمیان نگرانی سخت کرنے کا حکم دیا تاکہ حجاز مقدس کو عبور کر کے کوئی بھی امام حسین علیہ السلام کی مدد کو نہ آسکے- اور اس نے والی بصرہ کو لکھا کہ وہ کوفہ اور کربلاء آنے والے راستوں کی نگرانی سخت کرے اور جگہ جگہ چیک پوسٹ قائم کرے جبکہ جو بھی ان راستوں کو عبور کرنے کی کوشش کرے، اسے گرفتار کر لیا جائے- اور اسی طرح سے اس نے واقصۃ شام اور بصرہ کے درمیان والے راستے کی نگرانی کرنے اور کسی کو بھی اسے عبور کرنے کی اجازت نہ دینے کا حکم دے ڈالا- کوفہ و بصرہ، حجاز سے کربلاء تک آنے والے راستوں کی ل گرانی کی سختی کا یہ عالم تھا کہ حبیب ابن مظاہر قبیلہ بنی اسد کے 70 افراد کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلاء میں مل جانے پہ راضی کرنے مین کامیاب ہو گئے لیکن ان ستر افراد کو ابن زیاد کے لشکر نے کربلاء پہنچنے نہ دیا- حصین بن نمیر نے قادسیۃ اور قطقطانۃ کے مقام پہ 4000 ہزار سے زائد شامی لشکر کے ساتھ حجاز سے کوفہ کی طرف آنے والی شاہراہ پہ پٹرولنگ شروع کی ہوئی تھی- حضرت امام حسین نے الحاجر کے مقام پہ پہنچ کر مکّہ سے روانگی کے بعد چوتھا پڑاؤ پہ قیس بن مسھر الصیداوی کو حضرت مسلم بن عقیل کے مراسلے کا جواب دیکر روانہ کیا- قیس بن مسھر الصیداوی کے بارے میں کچھ باتیں یہاں پہ ذرا تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہیں ایک تو یہ بات کہ قیس بن مسھر الصیداوی خالد بن جندب کے بیٹے تھے اور ان کا تعلق بنو اسد عرب قبیلے کے ان گھروں میں سے تھا جو کوفہ کے اندر رہائش پذیر تھے اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں شمار ہونے والے گھرانے تھے- قیس بن مسھر الصیداوی اغلب امکان یہ ہے کہ سلیمان بن صدر الخزاعی کے گھر جو اجتماع منعقد ہوا، جس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر کوفہ بلایا جائے، اس میں شریک تھے اور پھر یہ مکّہ ان

لوگوں کے ساتھ آئے تھے جنھوں نے مکّہ پہنچ کر امام حسین علیہ السلام کے احوال کی خبر لی تھی اور قیس بن مسہر ہی ان لوگوں کے ساتھ کوفہ کے راستے میں مسلم بن عقیل کا خط لیکر پہنچے تھے جنھیں مسلم بن عقیل نے روانہ کیا تھا- قیس بن مسہر کے ساتھ ابن زیاد کا ایک مکالمہ ان کی شہادت سے پہلے واقع ہوا تھا- جس کا یہاں ذکر ہمارے موضوع سے مطابقت رکھتا ہے-

قال ابن زیاد: من أنت ؟

ابن زیاد نے کہا تو کون ہے؟

قیس نے کہا: میں حضرت علی اور ان کے بیٹوں کا پیرو ہوں

ابن زیاد نے کہا: وہ خط کہاں ہے؟ اور اس میں کیا لکھا ہے؟

قیس نے کہا: وہ خط امام حسین کا زعماء اہل کوفہ و پیروان حضرت علی کے نام ہے

ابن زیاد نے کہا: ان کے نام بتاؤ جن کے نام یہ خط ہے

قیس نے کہا: میں نہیں جانتا کہ یہ کن کے نام ہے

ابن زیاد اس پہ غیض وغضب کا شکار ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے نام نہ بتائے، حضرت امام حسین اور دیگر پہ لعنت نہ کی تو تمہاری جان نہیں چھوٹے گی بلکہ تمہارا عضو عضو الگ کر دیا جائے گا

قیس نے کہا: نام تو میں نہیں جانتا ہاں لعن میں کرسکتا ہوں، تم مجھے منبر پہ آنے دو، قیس کو منبر پہ آنے دیا گیا تو قیس نہ نہ صرف عبیداللہ ابن زیاد پہ لعنت کی بلکہ تمام شامی حاکموں کی مذمت کی، اس نے ابن زیاد کو لال پیلا کر دیا، اس نے گورنر ہاؤس کی عمارت سے قیس بن مسہر الصیداوی کو گرانے کا حکم دے دیا جبکہ اس بلندی سے گرنے کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی مگر اس کے بعد ابن زیاد نے قیس کے اعضاء کاٹ ڈالے

امام حسین علیہ السلام کو قیس کی شہادت کی خبر زبلہ کے مقام پہ مل گئی تھی اور ساتھ ہی مسلم بن عقیل و ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر بھی مل گئی اس موقعہ پہ امام حسین علیہ السلام نے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 23 تلاوت کی اور تلاوت آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام حسین

علیہ السلام سبھی اہل کوفہ کو لائق ملامت اور دھوکہ باز خیال نہیں کرتے تھے- یہاں پہ ایک اور بات بھی غور طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ تین محرم کو حضرت امام حسین نے حبیب ابن مظاہر کو خط لکھا اور اس خط کے متن میں آپ نے حبیب ابن مظاہر کو ایک تو عہد شکنی کا کوئی طعنہ نہ دیا اور ان کو اپنی طرف بلایا جبکہ ہمیں کسی تاریخی حوالے سے یہ خبر نہیں ملتی کہ آپ نے ایسا خط سلیمان بن صرد الخزاعی یا کوفہ میں اپنے کسی اور انتہائی معتبر بزرگ پیرو کے نام لکھا ہو- مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، قیس بن مسھر کی شہادت ہو جانے کے بعد آپ نے کوفہ میں اپنے ساتھیوں کے نام کوئی خط نہ لکھا اور نہ ہی اپنے ان خطبات میں جن میں آپ نے کوفہ کے لوگوں کی سستی، بزدلی، عہد شکنی کی مذمت کی، ان میں سلیمان بن صرد الخزاعی، مسیب بن نخبۃ، ابراہیم بن الاشتر و دیگر کا نام نہ لیا- اس سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو مکمل طور پہ اس بات سے آگاہی ہو گئی تھی کہ کوفہ، بصرہ اور دیگر عراقی علاقوں سے اگر لوگ امام حسین تک کربلاء میں نہیں پہنچ پا رہے تھے اس کی بنیادی وجہ کیا ہے- امام حسین علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے انتہائی قریبی ساتھی اور لیڈر و زعماء کو تو جیل میں ڈال دیا تھا جبکہ باقی کوفہ کی آبادی کو محاصرے میں رکھا گیا اور اس طرح سے عوام الناس میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی جو حمایت کوفہ میں موجود تھی اسے دہشت سے کنٹرول کیا گیا- جب معاشی ناکہ بندیوں کا ہتھکنڈہ بھی اپنایا گیا- عبیداللہ ابن زیاد نے عارفین/نقباء سمت جتنی حکومتی مشینری تھی اس کو کوفہ کو سخت کنٹرول میں رکھنے کے اقدامات کیئے اور ان اقدامات کی بناء پہ اس نے حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں تک افراد کا پہنچنا ناممکن بنا ڈالا تھا- قبائلی اشرافیہ اور قبیلوں میں مالی وظائف کی تقسیم کرنے والے نقباء کے اندر امام حسین علیہ السلام کی جانب ذرا سا بھی جھکاؤ رکھنے والوں کو یا تو قتل کر دیا گیا یا زبردست تشدد کے ذریعے سے اس کا راستہ بند کر دیا گیا جبکہ جو قبائلی باقی ماندہ اشراف تھے، انھوں نے مال و منال لیکر خاموشی اختیار کر لی دراسات حسینیۃ میں یہ بات بھی درج کی گئی ہے کہ اکثر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ شامی لشکر حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو شہید

نہیں کرے گا، یہ ویسے بھی محرم کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں جنگ جائز نہیں ہوتی اس بات کی گواہی حر بن یزید ریاحی کی یوم عاشور کو لشکر شام چھوڑ کر امام حسین علیہ السلام سے آملنے سے بھی ملتی ہے- اس موقعہ پہ حر نے امام حسین علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ان کا خیال نہیں تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد کا مقصد شامی لشکر کو یہاں بھیجنے سے مراد خانوادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنا اور ان کو قتل کرنا تھا- اور یہی رائے ہوسکتا ہے کہ کوفہ کے عوام الناس کی بھی ہو لیکن جب یہ واقعہ رونما ہوگیا تو لوگوں کو ایک شاک لگا اور اس موقعہ پہ تاریخ کے اندر موجود ردعمل سے پتا چلتا ہے کہ یہ انجام کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا- ان سارے حالات وواقعات کو دیکھتے ہوئے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے جو سچے اور مرکزی پیرو تھے ان کی اکثریت تو جیل میں بند تھی یا گھروں پہ محصور تھی اور ان کا کربلاء تک پہنچنا ناممکن بناڈالا گیا تھا جبکہ عوام الناس کی اکثریت کو ڈرادھمکا کر خاموش کر دیا گیا تھا، ہاں کوفہ میں قبائلی اشراف کی اکثریت نے موقعہ پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے لشکر یزید میں شمولیت اختیار کرلی تھی اور اس سے حسین محمد جعفری، مارٹن ہنڈز سمیت وہ سبھی لوگ سہمت ہیں جنھوں نے کوفہ کی سماجی سیاسی ترکیب پہ لکھا اور جن کا حوالہ میں نے پہلے بھی دیا ہے۔

باب پنجم

عطیہ کوفی

مکتبِ انسانیت کا ایک روشن چہرہ

❖

نوٹ: کوفہ سے "لایعفوی" کی کالک ہٹا کر اس کے روشن چہروں کو سامنے لانے کی کوشش کے دوران مرے سامنے تاریخ کے کئی بھولے بسرے کردار زندہ و جاوید ہو کر سامنے آئے۔ اور خاص طور پہ اربعین کربلاء کے ایونٹ کے تناظر میں جب میں یہ دیکھ رہا تھا کہ جابر بن عبداللہ الانصاری نے پیرانہ سالی میں مدینہ سے عراق تک کا مشکل اور مصائب سے بھرا سفر کیوں کیا اور 20 صفر المظفر کو ہی کیوں وہ کربلاء پہنچے تو اسی دوران عطیہ کوفی متوفی 110 ھ کا کردار اور روشن چہرہ مرے سامنے آ گیا۔ میں کربلاء جانے والوں کی روداد سفر اور نوٹ پڑھ پڑھ کر جہاں محظوظ ہو رہا تھا وہیں اس بات کا متمنی بھی تھا کہ کوئی تاریخ کے اس ایونٹ کی بنیاد بننے والی روایت کے راوی کے حالات بارے بھی کچھ کہتا ہے یا نہیں، یا اس کی اہمیت سے بھی وہ واقف ہے کہ نہیں۔ جس نے یہ اشعار کہے تھے

رایت علیا خیر من وطیء الحصی واکرم خلق اللّٰہ من بعد احمد

وصی رسول اللّٰہ وابن عمہ وفارسہ المشھور فی کل مشھد

تخیرہ الرحمن من خیر اسرۃ لاطھر مولود واطیب مولد

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا بیعتہ بعد النبی محمد

اور جب میں عطیہ کوفی کے بارے میں اقوال ڈھونڈنے شروع کیے تو ایک بار پھر جمہور کے ہاں میں نے دیکھا کہ وہ سبکے سب اسے صدوق تو کہہ رہے تھے لیکن زور لگا کر اسے زیادہ سے زیادہ ضعیف قرار دینے کی ہمت کر سکے۔ اس کے ضعیف ہونے کا سبب اس کی تشیع کو بتلایا گیا۔ یہاں سے کسی صاحب کو یہ وہم نہیں ہونا چاہیے کہ قدیم اہلسنت کے ماہرین

اسماء الرجال جب کسی کو" متشیع" کہیں تو اس سے مراد ان کی" روافض" ہوتی تھی جیسے آج کل تکفیری دیوبندی اور سلفی وہابیوں کا طور طریقہ بن چکا ہے-اس سے مراد کیا تھی الساجی سے علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے تہذیب التہذیب میں یہ بات درج کی ہے"کان یقدم علیا علی الکل" اور تو اس سے پتا چلا کہ وہ تفضیلی تھے یعنی بعد از رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام الکریم کو سب سے افضل خیال کرتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا یہی خیال مرکوز ہے، خود جابر بن عبداللہ الانصاریؓ کا یہی عقیدہ بیان کیا جاتا ہے-عمار یاسر اور سلمان فارسی کا عقیدہ بھی یہی بیان کیا جاتا ہے-تو عطیہ کا متشیع ہونا ان کے ضعف کی علامت ہے اس سے ہم کہانی سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں عطیہ تاریخ کا بھولا بسرا باب بن گئے تھے-ویسے طبقات الکبیر کے مصنف نے ان کے بارے میں یہ لکھ کر"و کان ثقة ان شاءاللہ، و له احادیث صالحة"آنے والوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا اور اسی لئے انہوں نے عطیہ کو ضعیف کہنے پہ ہی اکتفا کرلیا-اور کوفہ شہر کا ہر وہ عالم، سکالر، محقق اسماء الرجال کے دربار میں معتوب ٹھہرا جس کا سیاسی موقف اہل بیت اطہار کے ساتھ موافقت میں تھا-عطیہ بھی اسی عتاب کا شکار ہوئے-آج جب کربلاء میں 25 ملین لوگ جمع ہیں تو مجھے لگا کہ عطیہ کوفی کا ذکر کیا جائے اور اس کے روشن چہرے بارے اپنے پڑھنے والوں کو بتایا جائے-

اربعین یعنی جب شہادت امام حسین اور ان کے جملہ رفقاء کی شہادتوں کو چالیس روز گزر گئے تو اس روز کربلاء میں مرقد امام حسین علیہ السلام کے پاس حضرت جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رسول ﷺ پہنچے تھے-یہ عراق پہ عبیداللہ ابن زیاد کی حکومت کا زمانہ تھا-اور عراق میں اہل بیت اطہار کے کیمپ کے حامیوں کے لئے جن کو اس زمانے میں شیعان علی المرتضی علیہ السلام الکریم کہا جاتا تھا سخت عتاب اور ظلم و جبر کا زمانہ تھا-عراق میں جس کی زبان پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم اور ان کی اولاد کا ذکر خیر جاری ہوتا اسے قید و بند سے لیکر قتل ہو جانے تک کا خطرہ لاحق رہتا تھا-اور خاص طور پہ اس زمانے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مظلومیت کے ساتھ قتل ہونے اور ان کے قیام کو" طاعت امیر" کی مخالفت قرار نہ

دینے اور ان کو دین کا باغی نہ قرار دینے والوں کے خلاف سخت ترین اقدام اٹھائے جاتے تھے- اگر چہ چالیس روز ہوئے تھے امام حسین اور ان کے رفقاء کی شہادت کو لیکن عراق پہ عبیداللہ ابن زیاد کی افواج نے مارشل لاء جیسی کیفیت کو نرم نہ کیا تھا- پورے عراق میں سخت جاسوسی اور نگرانی کا عمل جاری رکھا گیا تھا- ایسے میں جابر بن عبداللہ انصاری نے اگر مدینہ سے رخت سفر باندھ کر کربلاء تک کا سفر کیا تو یہ سفر کسی مقصد سے خالی نہیں تھا- جابر بن عبداللہ انصاری کے ساتھ اس مرحلے پہ عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی متوفی 111 ھ تھے- اور انہوں نے اس روایت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا- اور عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی کے بارے میں مجھے اس موقعہ پہ کچھ باتیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہ وہ تابعی ہیں جو حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ایک بہت گہرے ساتھی اور صحابی رسول کے بیٹے ہیں اور یہ قبیلہ بنی جدیل سے تعلق رکھتے تھے جو طائف میں مقیم تھا اور ان کے والد اہل طائف میں سے پہلے آدمی تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا- اور پھر یہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان میں شریک رہے اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے زمانہ خلافت کے آخری دنوں میں عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور آپ کے والد ان کو حضرت علی علیہ السلام الکریم کے پاس لیکر آئے تو آپ علیہ السلام الکریم نے فرمایا کہ" ہذا عطیۃ اللہ" اور اسی مناسبت سے آپ کا نام" عطیہ" رکھا گیا- عطیہ اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہ، مفسر، محدث اور علم سیرت و مغازی کے ماہر تھے- ان کی تین جلدوں میں تفسیر قرآن کوفہ سے شایع ہوئی ہے- یہ کوفہ میں اہل بیت اطہار کے کیمپ کی سب سے مضبوط اور سب سے بلند آہنگ آواز تھے- یہاں مجھے اپنے پڑھنے والوں یہاں ایک مرتبہ پھر یہ یاد دلانا ہے کہ عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی جن کو" عوفی" غلطی سے مشہور کر دیا گیا تھا ان لوگوں میں شامل ہیں جن کو اموی اور عباسی درباری ماہرین اسماء الرجال نے" غیر ثقہ، ضعیف اور مدلس" کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی اور اس کے پیچھے سبب بھی ان کی اور ان کے والد کریم کی اہل بیت اطہار کے سیاسی کیمپ سے وابستگی تھی- اور خاص طور پہ آل سعود کے کیمپ کے لکھاریوں نے تو عطیہ بن سعد کوفی پہ بہت ہی توجہ کی اور جیسے انہوں نے نصر بن مزاحم کو رد

کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ایسے ہی انہوں نے عطیہ کو بھی غیر اہم بنانے کی اپنی سی کوشش کی- دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وہابی کیمپ نے جابر بن عبداللہ کو بھی تاریخ کی گرد میں گم کرنے کی پوری کوشش کی اور عطیہ کے خلاف بھی قلم کو نیزے بنانے کی پوری کوشش کی-اور نظر آتا ہے کہ یہ جو 20 صفر المظفر 61ھ کو جابر بن عبداللہ الانصاری کی کربلاء آمد اور وہاں پہ قبر حسین رضی اللہ عنہ کی وفات کی زیارت والا واقعے کو چھپانے یا اس بارے تردید پہ زور کی جو لہر ہمیں درباری لکھاریوں کے ہاں ملتی ہے تو اس کے پیچھے اس جرم کے حقیقی زمہ داروں کو بچانے اور ان کے جرم کی شدت پہ پردہ ڈالنے کی کوشش نظر آتی ہے- حالات کو نارمل دکھانے اور اس واقعے کے اندراج کو مین سٹریم دھارے سے الگ کرکے دکھانے کا یہ رجحان تکفیری فاشزم کے آج جلوس ہائے عزا، مجالس اور اربعین پہ حملوں اور ساتھ ساتھ مزارات و میلاد النبی کے جلوسوں پہ حملوں کے پیچھے کارفرما سوچ کی تاریخی جڑوں کو تلاش کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے- یہ مسلم سماج کے اندر رہنے والوں کی ذہنوں کی سلیٹ صاف کرنے کی ایک کوشش ہے- اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش بھی ہے کہ اہل بیت اطہار کا سیاسی کیمپ جسے بجا طور پہ کبّار صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے ایک بہت بڑے دھارے کی مدد حاصل تھی اسے ایک اقلیتی ٹولہ بنا کر دکھایا جائے اور قیام حسین کے بعد پیدا ہونے والے ردعمل کو بھی ہلکا سا ارتعاش بنا کر دکھایا جائے ※ جابر بن عبداللہ الانصاری کی اہمیت یہ تھی وہ سھل بن سعد الانصاری کی طرح ایسے صحابی تھے جو بیعت عقبہ میں شامل تھے- اور السابقون الاولون من الانصار میں شامل تھے- اور پھر جابر بن عبداللہ الانصاری کے بارے میں کتب ہائے اہل تسنن و اہل تشیع دونوں میں یہ درج ہے کہ وہ مدینہ کے اندر 60 اور 61 ہجری میں مسجد نبوی کے اندر سب سے بڑا درس کا حلقہ رکھتے تھے اور ان کا مرکزی حلقہ ایسا تھا جس سے ہزاروں لوگوں نے فیض حاصل کیا- ان کو مکثر الاحادیث ۔۔۔۔۔ یعنی کثرت سے احادیث بیان کرنے والا قرار دیا گیا اور یہ بنوخزرج سے تعلق رکھتے اور اس قبیلے کی حضرت علی علیہ السلام الکریم سے وابستگی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے- سعد بن عبادہ کے بیٹے قیس بن عبادہ کا تذکرہ اس حوالے سے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے- جابر بن عبداللہ الانصاری

کی اہمیت اس لئے بھی بہت زیادہ بن جاتی ہے کہ وہ اس پرآشوب ادوار میں زندہ تھے جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلاف ایک بھرپور قسم کی کردارکشی کی مہم کا آغاز ہو چکا تھا اور اس مہم کا عروج آپ اور آپ کے خانوداہ پہ منبروں پہ نماز جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں لعن طعن کرنے تک آن پہنچا تھا- جابر بن عبداللہ الانصاری ان اصحاب رسول اللہ میں شامل ہیں جنھوں نے اس روش کے خلاف اعلانیہ جدو جہد کی- آپ کا کثرت سے احادیث بیان کرنا اور مسجد نبوی میں حلقہ درس بنانا سمجھ میں آتا ہے- میں جب 20 صفر المظفر 61ھ کو جابر بن عبداللہ الانصاری کی کربلاء آمد اور زیارت قبر امام حسین کی روایت اور اس کے ماخذ بارے تحقیق کر رہا تھا تو مجھے عبداللہ بن جابر الانصاریؓ کے تذکروں میں یہ بات مذکور ملی کہ مدینہ کی گلیوں، مدینہ کے اندر رہنے لوگوں کی چوپالوں اور مجالس میں حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری جاتے اور عصاء سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے" اے گروہ انصار علی سب سے بہتر انسان ہیں اور جو اس سے انکار کرتا ہے وہ کتمان نعمت کا مرتکب ہو کر منزل انکار پہ کھڑا ہوتا ہے اور اے گروہ انصار اپنی اولاد کو علی المرتضی علیہ السلام الکریم اور ان کی اولاد کا ادب و محبت سکھاؤ، کیونکہ اگر اس محبت و ادب سے انکار کیا گیا تو پھر تمہارا امت میں شمار مشکل ہے- ایسے ہی انہوں نے بارہا لوگوں کو اموی دور حکومت کے اندر یہ بتانا شروع کیا" علی علیہ السلام الکریم خیر البشر ہیں اور ہم زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں منافقین کی پہچان آپ سے بغض رکھنا رکھتے تھے" اور جابر بن عبداللہ الانصاری نے ایک اور قول پہ ان دنوں بہت زور دیا" النّاس شجر شتی، وانا و علی من شجرۃ واحدۃ" تو علی علیہ السلام الکریم و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجر واحدہ ہونے پہ اصرار کی معنویت اس پرآشوب دور میں بہت زیادہ تھی- اور ان اقوال کا آپ سے صادر ہونا اس پروپیگنڈے پہ کاری ضرب لگانا تھا جو سرکاری و درباری حلقوں سے بار بار کیا جارہا تھا اور اس زمانے میں کئی بڑے بڑے ناموں نے عزیمت کی بجائے رخصت کا مذہب اختیار کر لیا تھا- یہاں تک کہ بخاری و مسلم کے اندر ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے صحابی رسول جو اگر چہ جان بچانے کے عوض بھی جناب علی المرتضی علیہ السلام الکریم کے خلاف کوئی بری بات زبان سے نکالنے کو تیار نہ تھے اس مسئلے پہ خاموشی اختیار

کرنے کو ترجیح دیتے نظر آتے تھے۔لیکن جابر بن عبداللہ الانصاری نے اس راستے کو اختیار نہ کیا۔آپ نے 61ھ کو عراق کی طرف سفر اختیار کیا اور ایک باقاعدہ اہتمام کے ساتھ یہ سفر کیا۔اس سفر کی نیت کی۔زیارت قبر امام حسین کی نیت کرکے ایک طرح سے شیخ ابن تیمیہ امام الوہابیہ کے نظریات کے خارجی الاصل ہونے پہ مہر ثبت کی اور اس ایک عمل نے بنوامیہ کے پروپیگنڈے کی ایسی کی تیسی کرکے رکھ دی۔عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی متوفی 111ھ سے اموی حاکموں کی دشمنی کی سمجھ آتی ہے۔آئیں اس حوالے سے ایک واقعہ جو تاریخ میں درج ہے اسے پڑھ لیں

خرج عطيّة مع ابن الأشعث على الحجّاج، فلما انهزم جيش بن الأشعث هرب عطيّة إلى فارس. فكتب الحجّاج إلى محمّد ابن القاسم الثقفي أن ادْعُ عطيّة فإن لعن عليّ بن أبي طالب وإلا فاضربْه أربعمائة سوط واحْلق رأسه ولحيته. فدعاه فأقرأه كتاب الحجّاج فأبَى عطيّة أن يفعل، فضربه أربعمائة وحلق رأسه ولحيته. فلما ولي قُتيبة خُراسان خرج عطيّة إليه فلم يزل بخراسان حتى ولي عمر بن هُبيرة العراق، فكتب إليه عطيّة يسأله الإذن له في القدوم فأذن له، فقدم الكوفة فلم يزل بها إلى أن توفّي سنة إحدى عشرة ومائة.

عطیہ نے اشعث کے ساتھ حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا اور جب اشعث کے لشکر کو شکست ہوگئی تو عطیہ فارس کی جانب چلے گئے۔حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم الثقفی (جی ہاں ہندوستان میں وہابیوں، دیوبندیوں اور جماعت اسلامی والوں کا ہیرو) کو خط لکھا اگر عطیہ تمہارے قابو میں آئے تو اس کے لئے نجات صرف اسی راستے سے ہے کہ وہ حضرت علی ابن ابی طالب پہ لعن کرے اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کو سو لاٹھیاں مارنا،اس کا سر اور داڑھی مونڈھ دینا تو محمد بن قاسم نے عطیہ کو بلوایا اور اس کے سامنے حجاج کا خط پڑھا تو عطیہ نے انکار کیا تو محمد بن قاسم نے عطیہ کو سو کوڑے مارے اور سر و داڑھی مونڈھ ڈالی، جب قتیبہ خراسان کا گورنر مقرر ہوا تو عطیہ خراسان سے نکل گئے اور جب تک عمر بن ہبیرۃ عراق کا گورنر نہ بنا وہ عراق نہ ائے،تو ہبیرہ جب عراق کا گورنر بنا تو اس نے عطیہ کو خط لکھکر عراق آنے کی اجاوت

دے دی تو وہ کوفہ آئے اور پھر 111ھ تک اپنی وفات تک وہیں پہ مقیم رہے- یہ واقعہ محمد بن سعد ذھری قریشی متوفی 230ھ نے اپنی معروف کتاب "طبقات الکبیر" میں درج کیا ہے- یہ بنو ہاشم یا بنو ذھرہ کے مولا تھے اور اہل مدینہ میں ایک کبیر تابعی تھے اور یہ اہل سنت کے بہت بڑے ماہر اسماء الرجال میں شمار ہوتے ہیں- اور طبقات الکبیر کے بارے میں یہ جاننا کافی ہے کہ اس کتاب پہ ہی اہل سنت کے ہاں علم جرح والتعدیل کی بنیاد قائم ہے۔

(وتظهر أهمية كتاب الطبقات فی کونه حوی کثیراً من الفنون العلمية فی شتی الميادين المتخصصة، مما أهّله ليكون مرجعاً أساسياً لدى العلماء والباحثين، فهو مرجع أساسی فی سيرة المصطفی وغزواته، ومعرفة دلائل نبوّته وشمائله، وهو مرجع أساسی فی معرفة السنن والآثار لاشتماله على كمّ هائل من أقوال الصحابة والتابعين- بالإضافة إلى الأحاديث-، وهو مرجع أساسی فی معرفة تراجم الرواة وأحوالهم وأنسابهم، ومنزلتهم فی ميزان الجرح والتعديل، هذا فضلاً عن كونه مرجعاً أصلياً فی علم الطبقات. فهو كتاب ينهل منه المحدّث والفقيه والمفسّر والمؤرخ والنسّابة والواعظ والداعية، وغيرهم. ولأجل هذا وغيره فقد اهتم العلماء بكتاب الطبقات اهتماماً كبيراً)

تو عطیہ کوفی نے جابر بن عبداللہ الانصاری کی جانب سے 20 صفر المظفر کو جابر بن عبداللہ کے قبر امام حسین پہ حاضری کی روایت کو درج کرکے اور اس حوالے سے سفر کی روداد بیان کرکے ایک بہت بڑے سیاسی تنازعے میں حق کو بیان کرنے کی بنیاد رکھ دی- عطیہ نے لکھا جابر نے فرات پہ پہنچ کر اچھی طرح سے غسل کیا، پھر بازار سے جا کر نئے کپڑے خریدے اور قبر امام حسین کا رخ کیا اور اس دوران آپ نے ذکر حسین جاری رکھا اور جب یہ قبر امام حسین پہ پہنچے تو انھوں نے اپنے آپ کو قبر امام پہ گرادیا- قبر کو اپنے گالوں سے مس کیا اور اتنا روئے کہ غش کھا گئے- جب اٹھے تو انھوں نے قبر پہ کھڑے ہو کر کچھ یوں کہا

"بے شک میں گواہی دیتا ہوں آپ خاتم النبین کے بیٹے ہیں اور دو وصیت والے کے بیٹے ہیں- آپ سلیل ہدائیت ہیں اور جن کو کساء میں چھپایا ان میں آپ کا نمبر پانچواں ہے آپ سید النقباء کے بیٹے ہیں، اور عورتوں کی سردار فاطمۃ الذھرا کے بیٹے ہیں۔۔۔ آپ کی

حیات طیب، آپ کی موت طیب،۔۔۔اور میں گواہی دیتا ہوں آپ پہ جو گزرا وہ ویسے ہی ہے جیسے آپ کے بھائی ابن زکریا پہ گزرا تھا

جابر بن عبداللہ الانصاری کی 20 صفرالمظفر 61ھ کو قبر امام حسین علیہ السلام حاضری کے بعد سے مسلم سماج کے اندر سے ہر 20 صفرالمظفر کو کربلاء حاضری کی ایک روایت شروع ہوئی اور آج تک یہ جاری وساری ہے اور اسے قریب قریب سبھی مذاہب کے ماننے والوں نے اس روایت کو شرف قبولیت بخشا ہے اور یہ ایک" عالمی فیسٹویل" بن گیا ہے اور یہ انسانیت سے محبت اور ظلم کے خلاف تجدید عہد کرنے والا ایونٹ بن گیا ہے- بے شک اہل سنت اور اہل تشیع کے نزدیک 20 صفرالمظفر یعنی اربعین کی ایک مذہبی حثیت اور تعبیر ہے لیکن عالمی سطح پہ اس کی ایک عمومی اور مطلق اہمیت بن گئی ہے-اور یہ امام حسین کے عالمی استعارہ بن جانے سے جڑی ہے- 30 ہزار کی لشکر یزید کی فوج کے سامنے 72افراد کی امام حسین رضی اللہ عنھم کے ساتھ مزاحمت کی یاد بن جانے والا یہ ایونٹ ان سب شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے والا واقعہ بن چکا ہے-اور اس دن کو زندہ کرنے کا کریڈٹ جابر بن عبداللہ الانصاری اور عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی کو جاتا ہے-عطیہ نے جبر وظلم کے خلاف تاریخی مزاحمت کو اتہاس کے پنّوں پہ محفوظ رکھنے کی بہت بڑی قیمت ادا کی-اسے کوفہ سے جلاوطن ہونا پڑا، پھر اس نے فارس میں محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں بڑا تشدد سہا اور سو کوڑے کھائے، خراسان میں جلاوطنی کاٹی اور پھر وہاں سے بھی روپوشی کی زندگی گزاری اور 61ھ کے بعد سے مسلسل اس نے بنوامیہ کے خلاف زیرزمین لڑائی کی، وہ بیک وقت ایک مجاہد آزادی بھی تھے اور ساتھ ساتھ وہ مظلوموں کی تاریخ کے شاہد اور گواہ بھی تھے،ملوکیت، آمریت اور ظلم و بربریت کے خلاف انھوں نے اپنے حواس برقرار رکھے- دربار اور سرکار نے ان کی شخصیت کو مسخ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن مظلوموں نے ان کو پھر سے دریافت کرلیا اور میں سمجھتا ہوں کہ علی شناس مکتب فکر کے طالب علموں کے لئے جابر بن عبداللہ الانصاری کے ساتھ ساتھ عطیہ بن سعد بن جنادہ کی شخصیت، ان کے کردار سے آگہی بھی بہت ضروری ہے۔

ضمیمہ اوّل

۴۱ ہجری کے بعد کا کوفہ اور شیعانِ علی

❖

پس منظر

ہجری سال 40ء اور رمضان المبارک کی 21 تاریخ کی رات حضرت علی علیہ السلام الکریم کوفہ میں شہید ہو گئے اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے جنگ صفین سے واپسی پہ صاف دیکھا تھا کہ اہل عراق میں ان کے کیمپ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔کوفہ کے اشراف القبائل نے اگرچہ آپ سے بغاوت نہ کی لیکن وہ کسی جنگ پہ راضی دکھائی نہ دیتے تھے۔ جبکہ عراق کے اکثر بدو قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ سے بالکل باغی ہو گئے اور انھوں نے معاویہ ابن ابی سفیان کے ساتھ ساتھ آپ کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا تھا۔

طبقات ابن سعد کی دوسری جلد میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے تذکرے میں صفین کی جنگ کا ذکر کرنے کے ساتھ ابن سعد نے لکھا:

معاویہ اہل شام کی الفت لیے لوٹے اور علی کوفہ اختلاف اور افتراق کے ساتھ لوٹے

طبقات ابن سعد ہی میں یہ بتایا گیا کہ علی کوفہ واپس ہوئے تو اس روز سے لیکر ان کی شہادت تک لوگوں کو ان پہ خوارج کا خوف رہا۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے 38 ہجری میں نہروان کے مقام پہ جنگ کر کے خوارج کی طاقت کو منتشر کر دیا تھا اور ان میں سے بہت سارے لوگ واپس آ کر کوفہ میں آباد

ہو گئے تھے اور عسکریت پسندی چھوڑ دی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے خوارج میں سے جو اپنے نظریات پہ قائم رہے کوئی تعرض نہ کیا۔ بلکہ تاریخ سے ایسا لگتا ہے کہ ان خوارج میں سے کئی ایک تو آپ کے ساتھ مل کر اہل شام سے لڑنے کو تیار ہو گئے تھے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ ذکر ہیں

عبدالرحمان ابن ملجم آپ کے پاس دو مرتبہ بیعت کرنے آیا اور دونوں مرتبہ آپ نے اس کی بیعت قبول نہ کی۔ اور دوسری بار جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا

اس امت کے بدبخت ترین شخص کو میرے قتل سے کوئی نہیں روک پائے گا۔ یہ داڑھی اس سر کے خون سے ضرور خضاب کی جائے گی۔ یہ میرے نبی کی مجھے وصیت ہے

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

حیاز یمکک للموت
فان الموت آتیک
ولا تجزع من القتل
اذا حلّ بوادیک

موت کے لیے اپنے سینے کو مضبوط کر لے۔ کیونکہ موت تجھ تک آنے والی ہے۔ اور قتل ہونے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جب وہ تیری وادی میں داخل ہو جائے۔

آپ سے یہ شعر بھی منقول ہیں
ارید حباہ یرید قتلی
عذیرک من خلیک من مراد
میں اسے عطاء کرنا چاہتا ہوں اور وہ میرا قتل چاہتا
تیری ضیافت تیرے چاہے دوست کے ہاتھ ہو گی

اگر چہ ابن سعد نے یہ واضح نہیں کیا کہ کس موقعہ پہ عبدالرحمان ابن ملجم حضرت علی علیہ السلام الکریم سے دو بار بیعت کرنے آیا۔لیکن قرائن اور شواہد سے یہ باور ہوتا ہے کہ یہ آنا جنگ صفین کے بعد ہی ہوا ہوگا۔اور اس سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم جو کہ جنگ صفین سے واپسی کے بعد معاویہ ابن ابی سفیان اور ان کی افواج سے فیصلہ کن جنگ کرنے کی تیاری کرنے میں لگ گئے تھے اور خوارج کا بھی اختلاف معاویہ ابن ابی سفیان سے مذاکرات کرنے پہ ہی ہوا تھا تو ان کے ایک حصّے نے آپ کی طرف دست تعاون بڑھایا ہوگا۔اگر چہ یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن کتب تواریخ میں یہ موجود ہے کہ مدائن کے مقام پہ امام حسن پہ جو حملہ ہوا وہ خوارج نے کیا تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خوارج بھی امام حسن کے لشکر میں شامل تھے۔اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ خود حضرت علی کوفہ میں جس لشکر کی تیاری کر رہے تھے اس لشکر میں کئی ایک خوارج یا سابقہ خوارج بھی شریک ہوگئے تھے۔

ایسے شواہد موجود ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے دل پہ ایک تو خوارج کے چھوڑ جانے کا بہت ملال تھا، دوسرا وہ عراق کے اشراف القبائل/ عراقی اسٹبلشمنٹ کی تھوڑ دلی سے بہت رنجیدہ اور ناراض تھے۔ایک روایت ابن سعد نے درج کی ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی یہ دعا درج ہے

اے اللہ لوگ مجھ سے بیزار ہیں اور میں ان سے خوش نہیں ہوں تو مجھے اپنے پاس بلا کر راحت دے۔

ابن سعد نے ہی ابن ملجم کے کوفہ آنے کا ذکر کرتے ہوئے روایت لکھی ہے کہ وہ کوفہ آ کر کوفہ میں مقیم خوارج میں سے کئی لوگوں سے ملا تھا لیکن اس نے کسی کو اپنے ارادے کے بارے میں مطلع نہ کیا۔اور پھر ایک عورت کا ذکر کیا جس کے بھائی اور باپ کو حضرت علی نے نہروان کی جنگ میں قتل کیا تھا۔اور ایک اور خارجی کا ذکر کیا۔اس کے ساتھ ساتھ ابن سعد نے لکھا ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد میں رات بھر اشعث بن قیس الکندی بھی ابن ملجم سے سرگوشیاں کرتا رہا تھا۔اس سے یہ شک بھی پختہ ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم پہ ہونے

والا حملہ صرف ابن ملجم کے ذاتی انتقام کا شاخسانہ نہیں تھا بلکہ اس میں اشراف القبائل کا ایک طاقتور سردار اشعث بن قیس بھی شامل تھا۔ اور یہ بھی کوئی بعید بات نہیں ہے کہ دیگر اشراف میں سے بھی کچھ لوگ اس قتل میں شامل ہوں۔

یہاں پہ مذکور رہے کہ جب حضرت علی پہ قاتلانہ حملہ کرنے والا مجرم ابن ملجم گرفتار ہوگیا اور دوسرا مجرم شبیب فرار ہوگیا تو حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم نے کہا کہ:

'اے اللہ کے دشمن تو نے امیر المومنین پہ حملہ کیا'۔ اس نے جواب میں کہا، میں نے صرف تمہارے باپ پہ حملہ کیا ہے۔ ام کلثوم نے کہا کہ ان کو کچھ نہیں ہوگا۔ تو ابن ملجم نے کہا، پھر روتی کیوں ہو؟ خدا کی قسم میں نے ایک ماہ اپنی تلوار کو زہر میں بجھائے رکھا ہے۔۔ الخ

ابن سعد وغیرہ کی اس روایت سے بھی پتا چلتا ہے کہ کیسے ابن ملجم کا تعلق اس گروہ سے تھا جو حضرت علی کو خلیفہ اور امیر مانتا ہی نہیں تھا اور ان کو معاذ اللہ مرتد قرار دیکر ان کے قتل کا قائل تھا۔

اگر ہم حالات و واقعات کا بغور جائزہ لیں تو ایسا لگتا ہے کہ خوارج کی جذباتیت، سطحیت، بدویت اور کٹڑ پن کا فائدہ اشراف القبائل میں سے کئی ایک لوگوں نے اٹھانے کی کوشش کی اور ان میں اشعث بن قیس کا نام تو سامنے آگیا ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ اگلی صبح اشعث بن قیس نے اپنے بیٹے قیس بن اشعث کو بھیجا اور کہا جا کر دیکھو کہ علی نے صبح کیسے کی ہے؟ اس نے آکر بتایا کہ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں ان کے سر میں گھس گئی ہیں۔ اور اس پہ اشعث بن قیس نے کہا، 'رب کعبہ کی قسم، مجروح کی دونوں آنکھیں'۔

یہاں ضمناً ایک بات کردوں کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے ابن سعد نے لکھا کہ 'طلق العمی نے اپنی دادی سے روایت کیا کہ وہ اور ام کلثوم بنت علی حضرت علی علیہ السلام الکریم کی شہادت پہ رو رہی تھیں اور گریہ کر رہی تھیں'۔

ابن سعد کی یہ روایت بھی ان لوگوں کے لیے ایک جواب ہے جو غم حسین میں رونے کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔

ابن سعد، طبری، اعثم کوفی، ابن اثیر سمیت قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اپنی طرف سے کسی کو نامزد نہیں کیا اور ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے امام حسن المجتبیٰ کو اپنا خلیفہ اور امام مقرر کرلیا۔

اس موقعہ پہ جب حضرت حضرت علی کی بعد از نماز جنازہ تدفین ہوگئی اور لوگ واپس پلٹ کر کوفہ کی مسجد میں آئے اور بیعت عام ہوئی تو امام حسن علیہ السلام نے کھڑے ہو کر جو خطبہ دیا، اس میں امام علی المرتضیٰ علیہ السلام الکریم کا یوں ذکر کیا

"اے لوگو! کل تم سے ایک ایسی شخصیت جدا ہوگئی کہ نہ تو اس سے اولین آگے بڑھ پائے اور نہ آخرین اس تک پہنچ پائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخصیت کو جھنڈا دے کر بھیجا کرتے تھے اور وہ شخصیت اس وقت تک نہیں آتی تھی جب تک اللہ اس کو فتح سے ہمکنار نہ کردیتا۔ جبرائیل جس کے داہنی سمت کھڑے رہتے تھے اور مکائیل جس کے بائیں طرف کھڑے رہتے تھے۔ اس نے نہ چاندی چھوڑی اور نہ ہی سونا۔ اس کا ترکہ کل 7 سو درہم تھا جو وہ اپنے لیے ایک نوکر رکھنے کے لیے جمع کر رہے تھے۔ اس شخصیت کو اس رات کو اٹھایا گیا جس رات کو عیسی ابن مریم کو اٹھایا گیا تھا۔"

ابن ملجم کے قتل کی جو تفصیل ابن سعد اور دیگر نے درج کی ہے اور اس میں دکھایا ہے کہ کیسے اس کے ہاتھ پیر کاٹے جارہے تھے تو اس نے کوئی آواز نہ نکالی اور اس دوران وہ 'اقرا باسمک ربک الذی خلق۔۔۔' آیات کی تلاوت کرتا رہا، جب اس کی زبان کاٹی جارہی تھی تو اس نے اس پہ روکا اور آہ نکالی تو اس نے بتایا کہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کی آخری سانس نکلے تو وہ اللہ کا ذکر نہ کرسکے۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خوارج کس قدر اپنے خیالات پہ یقین رکھتے تھے اور وہ کس سطح پہ جا کر حضرت علی المرتضیٰ کے قتل کو دیکھ رہے تھے۔ ان کو اس پہ ذرا بھی شرم اور ملال نہیں تھا۔

حضرت عائشہ تک جب شہادت حضرت علی المرتضیٰؑ کی خبر پہنچی تو آپ نے بھی گریہ کیا اور یہ اشعار پڑھے:

فالقت عصاها و استقرت بالنوی

کما قرّ عینها بالایاب المسافر

اس نے عصائے سفر رکھ دیا اور جدائی کے دن ختم ہو گئے

اس کو ویسا چین و آرام آ گیا جیسے مسافر کی آنکھ کو گھر پہنچنے پہ ٹھنڈک اور آرام ملتا ہے (ہائے)

ابو اسود دئلی کا یہ مرثیہ بھی تڑپا کر رکھ دیتا ہے:

أَلا أَبلِغ مُعاوِيَةَ بِن حَربٍ

فَلا قَرَّت عيونُ الشامِتينا

ا فی شهر الصيام فجعتمونا

بخير الناس طرا جمعينا

قَتَلتُم خَيرَ مَن رَكِبَ المطايا

وَخَيَّسَها وَمَن رَكِب السَفينا

وَمَن لَبِس النِّعالَ وَمَن حَذاها

وَمَن قَرأَ المثانیَ والمئينا

إِذا اِستَقبَلتَ وَجهَ أَبی حُسَينٍ

رَأَيتَ البَدرَ راقَ الناظِری

لَقَد عَلِمَت قُرَيشٌ حَيثُ كانَت

بِأَنَّكَ خَيرُهُم حَسَباً ودينا

امیر شام کو یہ خبر پہنچا دو

خدا خیر کرے شامیوں کی آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں

روزوں کے مہینے میں تم نے ہمیں اس طرح سے گھبراہٹ کا شکار کیا

کہ ہم سے جو بہترین شخص تھا اسے تم نے چھین لیا

جتنے لوگ کجاوے اور کشتیوں پہ سوار ہوئے

تم نے ان میں سے بہترین سوار کو قتل کر دیا
اب کون چپل پہنے گا اور کون اس میں ٹانکے لگایا کرے گا
اور کون مثانی و مئینا کی تلاوت کرے گا
جب بھی تمہارے سامنے ابوالحسین کا چہرہ آتا تھا
تو ایسے لگتا تھا جیسے چودھویں کا چاند ہو اور دلوں کو لبھا رہا ہو
قریش یہ بخوبی جانتے ہیں کہ
آپ ان سے حسب اور دین دونوں میں کہیں بہتر تھے

یہاں پہ میں ایک بار پھر حضرت علی علیہ السلام الکریم کی خلافت کے انتخاب کے معاملے کی طرف آؤں گا جس سے معاملات کو سمجھنے میں اور مدد ملے گی۔

جب حضرت عثمان کی شہادت ہوگئی تو کوئی بھی بار خلافت اٹھانے پہ راضی نہیں تھا۔ حضرت علی علیہ السلام الکریم تو اپنے باغ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔حضرت علی کو اہل مدینہ جن میں سات افراد کو چھوڑ کر سارے انصار اور مہاجر صحابہ کی اکثریت ان میں بنوامیہ والے شامل نہیں تھے اور نہ حضرت عبداللہ بن عمر تھے باقی سب نے بیعت کی۔جبکہ آپ کی بعیت پس و پیش کے بعد طلحہ و زبیر نے کی۔ان سب کی جانب سے بیعت کی پیشکش آپ نے اس لیے قبول کی کہ اہل مدینہ کو باغیوں نے کہا تھا کہ اگر انہوں نے تین دن میں کسی کو اپنا امیر نہ چنا تو پھر وہ اہل مدینہ کے ساتھ قتال کریں گے۔

حضرت علی المرتضی علیہ السلام الکریم نے اس موقعہ پہ بہت واضح انداز میں واضح کیا تھا کہ حضرت عثمان کے زمانے میں جو گورنر اور حکام غلط کاموں میں ملوث رہے اور مال میں غبن وغیرہ کے مرتکب ہوئے ان کو ان کے عہدوں پہ ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔آپ تمام بلاد اسلامیہ میں موجود اکثر گورنروں کو ہٹانا چاہتے تھے اور ان میں سرفہرست امیر شام تھے۔

قریشی اشراف جن میں کئی نامور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی شامل تھے یہ چاہتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ ایسا نہ کریں۔حضرت طلحہ اور زبیر کوفہ و بصرہ کی گورنری مانگ رہے تھے۔مغیرہ بن شعبہ معاویہ ابن ابی سفیان کو شام کی گورنری سے ہٹانے سے منع کررہے تھے۔اور یہاں تک کہ بنو ہاشم میں عبداللہ بن عباس کی رائے بھی یہی تھی۔لیکن آپ نے اس شورے کو ماننے سے انکار کیا اور آپ نے کہا کہ مذکورہ حکام کی وجہ سے تو حضرت عثمان کے خلاف اتنی بڑی تحریک کھڑی ہوئی تھی اور وہ دنیا پرستی اور دنیا داری اور مال پرستی کے علمبرداروں کو ان کے عہد پہ باقی نہیں رکھیں گے۔طبری سمیت دیگر مورخین نے درج کیا ہے کہ ابن عباس کو حضرت علی نے یہ شعر سنایا تھا

ما ميتة ان متها غير عاجز

بغار اذا ما غالت النفس غولها

اس حالت میں میری موت ہوئی تو وہ ایک عاجز و مجبور کی موت ہوگی

جسے چاروں طرف سے غول بیاباں نے گھیر لیا ہو

طبری اور دیگر نے ابن عباس کا حضرت علی کو یہ کہنا بھی درج کیا ہے کہ وہ جنگی حکمت عملی سے ناواقف ہیں۔اس پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے ان سے کہا کہ وہ حکمت عملی اور دھوکے وفریب میں فرق سمجھتے ہیں اور ابن عباس کو چاہئیے کہ وہ ان کی اطاعت کریں۔

اہل مدینہ بھی اس وقت ایک اضطراب کی کیفیت تھی۔حضرت علی علیہ السلام الکریم اپنی بیعت نہ کرنے والے شام والوں سے لڑنا چاہتے تھے۔قریشی اشراف ان کو مذاکرات کا مشورہ دے رہے تھے۔زیاد بن حنظلہ التمیمی کو قریشی اشراف نے حضرت علی کے پاس بھیجا اور اس نے بھی آپ کو مصلحت سے کام لینے کو کہا اور یہ شعر پڑھا

و من لا يصانع فى الامور كثيرة

يضّرس بانياب و يوطابمنسم

جو شخص بہت سے کام نہ کرسکے تو اسے یا تو کچلیوں میں کچلا جاتا ہے یا کھروں میں

روند دیا جاتا ہے

حضرت علی نے اس کا جواب شعر میں دیا:

متی تجمع القلب الذکی وصارما

و انف حمیا تتنجبک المظالم

جب تو سمجھداروں اور مددگاروں کو تلوار پہ جمع کرلے گا تو پھر ظالم تم سے بھاگے گا

کتب تواریخ سے ایک بات اور واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بعیت کرلی تھی۔ انصار صحابہ کرام کی بھاری اکثریت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ مہاجر صحابہ کرام اور فتح مکّہ کے بعد ایمان لانے والوں میں تقسیم موجود تھی۔ قریش کے اکثر اشراف آپ کے ساتھ مل کر اہل شام سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی دوران ایک اور چیلنج حضرت طلحہ اور زبیر بن العوام کی طرف سے پیش آیا اور وہ بصرہ پہنچ گئے تھے اور انھوں نے بیعت توڑ ڈالی تھی۔ حضرت علی المرتضی ان سے بھی لڑنے کو تیار تھے لیکن اہل مدینہ کی اکثریت لڑنے پہ آمادہ نہ تھی۔ اس صورت حال میں جب حضرت علی مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف چلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار لوگ ہی تھے اور ان میں بھی عراق اور مصر سے آئے لوگوں کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ تھی اور نمایاں ترین افراد میں وہی مالک الاشتر، حجر بن عدی اور دیگر لوگ تھے جن کو بعد از اں 'شیعان' علی کا لقب دیا گیا۔

جو لوگ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی المرتضی اور ان کے ساتھیوں کی لڑائی کو اقتدار کی ہوس کی لڑائی بتلانے اور اس میں حضرت علی کے کیمپ کو زبردستی قبائلی عصبیت پہ استوار کیمپ قرار دینے پہ مصر ہیں تاریخ ان کی بات کی تائید نہیں کرتی۔ اس موقعہ پہ بھی اگر ہم سماجی طبقاتی تقسیم کو مدنظر رکھیں تو پھر حضرت علی کا کیمپ ان لوگوں پہ مشتمل نظر آتا ہے جو زیادہ سماجی برابری کے سوشل آڈر کے نفاذ کے حامی تھے۔ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلاف بنو امیہ متحد ہو کر سامنے آ گئے تھے۔ ان میں سعید بن العاص، عامر بن عبداللہ، ولید بن عقبہ اور معاویہ ابن ابی سفیان اور مروان بن الحکم بہت نمایاں تھے۔ انصاری صحابہ میں حسان بن

ثابت، حضرت کعب سمیت آٹھ نمایاں لوگوں کے نام ملتے ہیں جن کو عثمانی صحابہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔عثمانی کوفہ میں بھی موجود تھے۔ یہ بصرہ میں بہت بڑی تعداد میں تھے اور مصر میں بھی تھے جبکہ ان سب کی اصل طاقت شام میں تھی۔اور اکثر عراقی اسٹیبلشمنٹ اور مکّہ و مدینہ کے اشراف اگر ہم اسے حجاز کی اسٹیبلشمنٹ کہہ سکیں تو وہ طاقت کا مرکز کس کروٹ بیٹھے گا جیسے انتظار کی پالیسی کا شکار تھے۔لیکن اس میں سعید بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ بعد میں الگ ہوگئے اور ان کا کہنا تھا کہ ان کو حضرت علی کے مقابلے میں جیت کا امکان نظر نہیں آتا اور وہ مکّہ جا کر مقیم ہوگئے۔

اگر اس تفصیل پہ غور کیا جائے تو صاف پتا چل سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی حمایت کا سب سے بڑا مرکز اگر کوئی تھا تو وہ عراق اور عراق میں کوفہ تھا۔اور کوفہ میں اشراف القبائل وہاں سے اٹھنے والی سماجی اصلاحی تحریک سے بھی الگ رہے تھے اور وہاں سے حضرت علی کو جو حمایت میسر آئی وہ مارٹن ہنڈز کے بقول مختلف القبائل کے غیر اشراف اور قراء گروپ کی تھی جو کسی بھی لحاظ سے مالدار اور دولت مند نہیں کہے جاسکتے تھے۔ جنگ جمل کے وقت حضرت علی کے لشکر کی تعداد بیس ہزار ہوگئی تھی۔

یہاں طبری نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی کو یہ اطلاع ملی کہ ان کی بیعت توڑنے والوں کا لشکر بصرہ کی طرف گیا ہے تو آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ کوفہ میں اہل عرب آباد ہیں۔اس پہ ابن عباس نے کہا

”کوفہ ایک چھاؤنی ہے جس میں عرب کے معروف لوگ (اشراف القبائل) رہتے ہیں اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور یہ لوگ ہر وقت اس چیز کے حصول کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جو ان کی قدرت میں نہیں ہوتی۔اور جب یہ لوگ اس میں ناکام ہوجاتے ہیں تو جو شخص اس مطلوبہ شئے کو پالے تو یہ اس کے خلاف سازش کرنے لگتے ہیں۔اسے ذلیل و خوار کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی جڑیں کاٹتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف فتنہ انگیزی کرتے ہیں۔“ (طبری)

عبداللہ ابن عباس کا یہ اقتباس صاف صاف بہت واضح انداز میں کوفہ کے اشراف القبائل کے بارے میں ہے اوران کی اسٹیبلشمنٹ کا حال بتا تا ہے۔اس کے جواب میں حضرت علی نے تائید کی اور کہا کہ حال ویسا ہی ہے جیسا آپ بتا رہے ہیں لیکن ہم لوگوں کے ساتھ اچھائی کریں گے اور جواب میں اچھائی ملی تو ٹھیک ورنہ سختی کا راستا اختیار کیا جائے گا۔ اس جواب سے حضرت علی کے امید پرست رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔

طبری، اعثم کوفی سمیت دیگر لوگوں نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ کوفہ میں اس وقت کیا حال تھا جب حضرت علی ایک ہزار لوگوں کے ساتھ عراق پہنچے تھے اور آپ کا بصرہ کی طرف رخ تھا۔اس وقت ابوموسی اشعری اہل کوفہ کو جنگ کا حصّہ نہ بننے کا کہہ رہے تھے۔اور ایسا لگتا ہے کہ کوفہ کے اشراف القبائل کے لوگ اس بات کو صائب خیال کر رہے تھے۔لیکن مالک الاشتر نخعی، حجر بن عدی، مسیب بن نخبہ، قیس ہمدانی وغیرہ نے عام اہل کوفہ کی بڑی تعداد کو راضی کیا اور انہوں نے کوفہ میں باقاعدہ حضرت علی کی مدد کی تحریک چلائی اور اس طرح سے کوفہ کے اندر سے 12 ہزار کے قریب لوگ حضرت علی سے آن ملے۔

جنگ صفین کے دوران جب فتح نزدیک تھی اور ایسے موقعہ پہ شامی لشکر نے صلح کا ڈرامہ رچایا تو اس وقت سے لیکر تحکیم تک جو واقعات رونما ہوئے ان کی تفصیل طبری، اعثم کوفی اور دیگر لوگوں نے درج کی ہے۔اس تفصیل سے صاف پتا چلتا ہے کہ اشراف القبائل کی اکثریت اور ایسے ہی اشعث بن قیس الکندی اور ان کے ساتھی، موسی اشعری یہ سب کے سب صلح و مذاکرات کے حق میں ہو گئے۔جبکہ مالک الاشتر، عدی بن حاتم، حجر الکندی اور دیگر جن کو تاریخ پھر 'شیعان علی' کے نام سے پکارتی ہے وہ سب جنگ کا فیصلہ کن انجام چاہتے تھے۔خود حضرت علی علیہ السلام الکریم جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھے۔لیکن اشراف القبائل بشمول اشعث کندی اور موسی اشعری کی وجہ سے جنگ روکنا پڑ گئی، اس موقعہ پہ حضرت علی نے جو خطاب فرمایا وہ کچھ یوں تھا

تم لوگوں نے وہ کام کیا جس سے تمہاری قوت ختم ہوگئی۔تمہارے احسانات ختم

ہو گئے۔تم سب پڑ گئے ہو، ذلت و سستی تم نے وراثت میں لے لی ہے۔

جب معاہدہ لکھا جا چکا تھا تو اس وقت حضرت علی کو بتایا گیا کہ مالک الاشتر نہ تو اس معاہدے پہ راضی ہے اور نہ اس کی پیروی کے لیے تیار ہے تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں بھی اس معاہدے پہ بالکل راضی نہیں تھا اور اس پہ دستخط کرنے کو تیار تھا۔

اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کو مالک الاشتر جیسے اہل کوفہ کی جانثاری، محبت، تدبر اور اخلاص پہ کوئی شک نہیں تھا۔

صالح بن سلیم بنو سعد انصار میں سے تھے۔صفین سے واپسی پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ بخار میں مبتلا تھے اس سبب جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ معاہدہ بارے لوگوں کی رائے کیا ہے

کچھ لوگ تو شامیوں سے آپ کے معاہدے پہ خوش ہیں۔ کچھ ہیں جو فتنہ پرداز کینہ پرور ہیں جبکہ کچھ لوگ آپ کے لیے سرنگوں اور پریشان ہیں وہی آپ کے اصل خیر خواہ ہیں۔

یہ جو آخری گروہ ہے یہی شیعان علی المرتضی تھے جو آپ کے ہر عمل کی پیروی کر رہے تھے۔

طبری نے صفین کی جنگ سے واپسی کے وقت حضرت علی علیہ السلام الکریم کا کوفہ کے ایک محلے ناعطین کے قریب سے گزر کا ذکر کیا ہے۔ یہ محلہ بقول طبری سارا کا سارا عثمانیوں کا محلہ تھا۔اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ کوفہ سیاسی صف بندی ایسی نہیں تھی کہ حضرت علی کے زمانے میں بھی سب خود کو شیعان علی کہلا رہے ہوں اور اندرون کھاتہ وہ آپ کی جڑ کاٹنے میں لگے ہوئے تھے۔

طبری نے واضح طور پہ لکھا ہے کہ حضرت علی کا لشکر صفین سے واپسی پہ تقسیم کا شکار ہو گیا تھا۔ایک حصّہ تو آپ سے الگ ہو کر حرویہ کے مقام پہ چلا گیا جسے ہم 'خوارج' کے نام سے جانتے ہیں۔ دوسرا حصّہ وہ تھا جس میں اشراف القبائل اور ان کے پیرو تھے اور تیسرا حصّہ آپ کا انتہائی مخلص گروپ تھا۔

طبری نے لکھا ہے کہ جب خارجی حضرت علی سے الگ ہو گئے تو حضرت علی کے جو مخلص پیرو تھے انھوں نے تجدید بیعت کی اور حلف دیا کہ وہ حضرت علی کے ہر ایک حکم کی پیروی کریں گے۔ اس پہ خوارج شیعان علی کو طعنے دیا کرتے تھے۔ طبری کے مطابق خارجیوں کی ایک بڑی جماعت کوفہ آ کر ٹھہر گئی تھی اور حضرت علی نے ان کو آنے کی اجازت دے دی تھی۔

طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ جنگ نہروان جس میں 67 ہزار کا لشکر تھا اور جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد حضرت علی چاہتے تھے کہ یہ لشکر فوری طور پہ شام کی طرف رخ کرے اور جب حضرت علی نے ان کو یہ کرنے کو کہا تو ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے تیروں اور نیزوں کے کند ہونے کا بہانہ بنا کر کوفہ واپس چلنے کی بات کی۔ اور طبری صاف لکھتا ہے کہ سب سے پہلے یہ بات اشعث بن قیس الکندی نے کہی تھی۔

اس واقعے میں بھی ہمیں حضرت علی کے مخلص ساتھی جنگ سے پیچھے ہٹتے نظر نہیں آتے۔ لیکن اشراف القبائل اور اشعث الکندی جیسے لوگ ٹال مٹول کرتے نظر آتے ہیں۔

ابو مخنف سے طبری نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے جنگ نہروان میں فتح حاصل ہونے کے بعد کوفہ کے سرداروں اور روساء سمیت اپنے حامیوں کا ایک اجتماع مقرر کیا۔

آپ نے اس موقعہ پہ ان سے رائے طلب کی کہ ہمیں شام پہ یہاں سے حملہ کرنا چاہیے یا نہیں تو اکثر سردار اور روسا فوری جنگ سے گریزاں نکلے۔ بس آپ کے مخلص حامی تھے جو آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کی جگہ مالک الاشتر نخعی کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا اور وہ ابھی مصر نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں ایک اعرابی جو شامیوں کا ایجنٹ تھا نے آپ کو زھر ملا شربت بنا کر پلایا اور آپ وہیں پہ شہید ہو گئے۔ یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لیے۔

جنگ صفین سے واپسی کے بعد کوفہ سے ہٹ کر گرد و نواح میں حضرت علی کے

خلاف بغاوتیں شروع ہوگئی تھیں خاص طور پہ جنگ نہروان کے بعد اس عمل میں تیزی آگئی تھی۔ جنگ نہروان 38 ہجری میں ہوئی تھی۔ ان بغاوتوں کے سبب شام کے خلاف لشکر کشی کی تیاریاں بھی ماند پڑگئی تھیں۔ اس دوران مصر پہ معاویہ ابن ابی سفیان کا قبضہ ہوگیا تھا۔

اس ساری تفصیل سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عراق ہی تھا جس میں حضرت علی کی عملداری باقی رہ گئی تھی اور اس کے اندر بھی شورش بپا تھی۔ حضرت علی اور ان کے حامیوں کو بیرونی اور داخلی سطح پہ چیلنجز کا سامنا تھا۔ اور تنہائی اور بے گانگی علوی تحریک کے حامیوں کی بڑھتی چلی جاتی تھی اور ایسے میں 40 ہجری میں رمضان کے دوسرے عشرے کے آخری روز پہ آپ پہ قاتلانہ حملہ ہوگیا۔

حضرت علی کے جو مخلص رفقاء اور ساتھی تھے جن میں مالک الاشتر ایک ایسا کردار تھے جو اپنی شجاعت اور بہادری کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پہ قبائل سے روابط کے سبب دوسرے گروہوں کو علوی تحریک کے ساتھ جوڑتے تھے کی شہادت نے علوی تحریک کے حامیوں کو جارحیت کی بجائے دفاعی پالیسی پہ مجبور کردیا تھا۔

حضرت امام حسن اور اہل کوفہ

جیسا کہ میں نے پہلے حضرت امام حسن کا خطبہ کا وہ حصّہ درج کیا ہے جو آپ نے کوفہ کی مسجد میں حضرت علی کی تدفین کے بعد حضرت علی کی شان بیان کرتے ہوئے دیا۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ 'اس شخصیت کو ایسی رات کو قتل کیا گیا جس رات کو اللہ نے قرآن نازل کیا اور جس دن حضرت موسی کے ساتھ حضرت یوشع بن نون شہید کردیے گئے۔

آپ کے مسجد کوفہ میں خطبے میں کہیں سے بھی یہ اشارہ نہیں جھلکتا کہ آپ پہلے سے ہی شام والوں سے کسی معاہدے کا ذہن بنائے بیٹھے تھے۔ جبکہ آپ کو اچھے سے یہ معلوم تھا کہ شام پہ حملے کے لیے عراق کے لوگوں کو تیار کرنے میں کتنی مشکلات کا سامنا خود حضرت علی کو کرنا پڑ رہا تھا لیکن حضرت علی اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ تذبذب میں کھڑے لوگوں کو بھی تیار کرنا

چاہتے تھے۔ حضرت امام حسن نے بھی یہ ارادہ ترک نہیں کیا تھا۔

بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ نے عراق کے مختلف علاقوں میں لوگوں کو لشکر میں بھرتی ہونے کے لیے ترغیب دینے کے لیے قاصد بھیجے تھے۔ اور اس دوران آپ نے معاویہ ابن ابی سفیان کو ایک بار پھر اطاعت کرنے کی دعوت دی اور اس نے جواب میں آپ کو منصب خلافت سے دستبردار ہونے کو کہا۔ ایسے میں نصیحت کا اثر ہوتے نہ دیکھ کر امام حسن ایک لشکر کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے جہاں پہ قیس بن سعد بن عبادہ پہلے ہی ایک بڑے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ مدائن کے مقام پہ آپ ٹھہرے ہوئے تھے اور یہیں پہ خوارج نے آپ پہ حملہ کر دیا تھا۔ اشعث بن قیس بھی آپ کا مخالف ہو چکا تھا۔ زیاد آپ کا ساتھ چھوڑ گیا تھا اور کوفہ میں مقیم اشراف القبائل نام نہاد غیر جانبدار پوزیشن اختیار کر چکے تھے۔

ایسے میں معاویہ ابن ابی سفیان نے آپ کو ایک بار پھر معاہدے کی پیشکش کی۔ جسے آپ نے قبول کرلیا۔ معاہدے کی اہم ترین شرائط میں سے ایک شرط امام حسن کی اپنے حامیوں کے تحفظ اور ان کے خلاف انتقامی کاروائیاں نہ کرنے کی تھی۔

اس شرط کے معاہدے میں شامل ہونے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں آپ کے حامیوں کی تعداد کافی تھی اور وہ اتنی کم نہیں تھی کہ اسے نظرانداز ہی کر دیا جائے۔

عراق میں معاویہ ابن ابی سفیان کی حکومت کو جو 41 ہجری سے شروع ہوئی سب سے زیادہ تعاون اشراف القبائل/ عراقی اسٹبلشمنٹ سے ملا اور سب سے بڑا چیلنج عراق میں شامی حکومت کو خوارج اور شیعان علی سے درپیش تھا۔

امام حسن علیہ السلام کی وفات سے پہلے یعنی 50 ہجری کے اندر صفرالمظفر تک شیعان علی کو عراق میں کم ازکم قید و بند اور ہلاک کیے جانے جیسی سزائیں نہیں ملیں۔ لیکن 51 ہجری سے لیکر 60 ہجری کے آخر تک قتل و غارت گری اور قید و بند کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ کم نہیں تھا۔ جنگ نہ کرنے والے خوارج کا قتل تو 41 ہجری کے بعد سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ صرف سمرہ بن جندب کے دور میں کم و بیش ایک لاکھ عراقیوں کا قتل ہوا اور اس میں بے شک خوارج کی

تعداد زیادہ تھی لیکن شیعان علی کی بھی ایک بڑی تعداد اس میں شامل تھی۔

اور یہ بات بھی بہت واضح ہے کہ 41 ہجری سے لیکر 49 ہجری تک کوفہ میں اگرچہ شیعان علی کے وظائف بند تھے۔ان کو مراعات نہیں مل رہی تھی اور ان سے اسواد زمینیں بھی چھن گئی تھی اور گورنر کوفہ بھی ان کو حکومت کے قریب نہیں آنے نہیں دیتے تھے۔

جبکہ خطبات کے اندر شیعان علی کو بدنام بھی کیا جارہا تھا۔لیکن عراق میں ابھی تک شیعہ پہ کھلا عتاب اور ریاستی جبر وتشدد شروع نہیں ہوا تھا۔لیکن 50 ہجری سے جب زیاد کوفہ کا گورنر بنا تو اس کے بعد کوفہ سمیت پورے عراق میں شیعان علی پہ کھلا جبر وتشدد کا سلسلہ شروع ہوگیا،قتل وغارت اور قید وبند کی صعوبتیں شروع ہوگئی تھیں۔

حضرت علی المرتضی کی کھلے عام تعریف و مدح جرم ٹھہر گئی اور شیعان علی سے سرعام مکتب علوی سے الگ ہوجانے کا مطالبہ بھی شروع ہوگیا۔

حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل سے پہلے امام حسن کا ماہ صفر المظفر میں 50 ہجری میں شہادت جیسا واقعہ پیش آگیا تھا۔اور اس دوران وہاں مروان بن حکم نے اہل بیت کے خلاف محاذ کھڑا کیا ہوا تھا۔اور وہاں بھی علوی تحریک کو دیوار سے لگانے کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔اور شہادت امام حسین کے بعد ہی قریب چار سال بعد 54 ہجری میں مروان بن حکم مدینہ کا گورنر بنادیا گیا اور یہ نرم سے مزید سخت پالیسی کی طرف جانے کا اشارہ تھا

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ 50 ہجری سے باقاعدہ کھلے انداز میں شیعان علی کو کچلنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور اموی ریاستی مشینری پوری طاقت سے شیعان علی کو کچلنے کا سلسلہ شروع کردیا گیا تھا۔

جب معاویہ ابن ابی سفیان سے امام حسن نے صلح کی اور اس پہ دونوں اطراف کے نمائندہ لوگ اکٹھے ہوئے تو عمرو بن عاص کے کہنے پہ معاویہ نے امام حسن سے کہا کہ وہ اس

موقعہ پہ کچھ کہیں ۔۔۔۔امام حسن بلا تامل کھڑے ہوئے آپ نے حمد وثناء و درود وسلام کے بعد فرمایا

"اے لوگو، خدا نے ہم میں سے پہلے شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زریعے سے تمہیں ہدایت دی اور ہم میں سے ہی ایک شخص کے زریعے تمہیں کشت وخون سے بچا لیا۔اور سنو، اس حکومت کی ایک مدت ومعیاد ہے (یعنی امیر شام کی موت کے بعد یہ معاملہ پھر واپس انہی کے پاس لوٹے گا جہاں سے یہ آیا تھا) اور دنیا دست بدست پھرا کرتی ہے۔جیسا کہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا

وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ۔(الأنبياء-111)

کیا معلوم وہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور تھوڑی مدت کے لیے آسائش"

تاریخ طبری سمیت دیگر کتب میں مذکور ہے کہ امام حسن علیہ السلام ابھی یہاں تک ہی کہہ پائے تھے کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے ان کو بیٹھ جانے کے لیے کہا

امام حسن علیہ السلام کا یہ خطبہ اس بات کی دلیل کہ آپ معاویہ ابن ابی سفیان کی حکومت کو ایک امتحان اور ظالموں کے لیے ایک مخصوص مدت تک کے لیے ڈھیل خیال کرتے تھے

طبری نے 41ء ہجری میں مغیرہ بن شعبہ کے شام میں معاویہ ابن ابی سفیان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔اور اس ملاقات میں اس نے مغیرہ بن شعبہ کو کہا کہ وہ علی المرتضی کی مذمت اور آپ سمیت آپ کے احباب کی عیب جوئی اور آپ کے شیعوں کو اپنے سے دور رکھنے کی تاکید کی۔

طبری نے عامر بن شرجیل سے روایت کیا ہے جو کہ امام شعبی کے نام سے بہت

معروف تابعی ہیں اور کوہ کے باشندے تھے۔انہوں نے بتایا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ آخری وقت تک کوفہ کی مسجد میں اپنے بیانات اور خطبات معاویہ ابن ابی سفیان کی پالیسی کے مطابق دیتے رہے۔اور اس موقعہ پہ ہوتا یہ تھا کہ جب حضرت علی المرتضی کی مذمت کی جاتی تو کئی جلیل القدر شیعان علی کھڑے ہوجاتے اور وہ حضرت علی المرتضی ،اہل بیت اور ان کے ساتھیوں کی تعریف کرتے اور برائی کی مذمت کرتے۔

طبری نے شعبی کی روایت سے حجر بن عدی کا قصّہ بطور خاص درج کیا اور یہ بھی بتایا کہ مغیرہ بن شعبہ اپنا آخری خطبہ بھی ایسا ہی دیا تھا تو حجر بن عدی کھڑے ہوگئے تھے۔اور انھوں نے حضرت علی اور اہل بیت کی تعریف کی اور ان کے ساتھیوں کی تعریف بھی کی۔

اس موقعہ پہ طبری یہ بھی کہتا ہے کہ حجر بن عدی نے مغیرہ بن شعبہ کو کہا کہ وہ شیعان علی کے بند کردہ وظائف دوبارہ جاری کرے۔اور اس کی دیگر لوگوں نے بھی تائید کی

اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ایک طرف تو اعلانیہ پروپیگنڈا شیعان علی المرتضی کے خلاف جاری تھا دوسرا ان کا معاشی قتل بھی کیا جارہا تھا۔

لیکن مغیرہ بن شعبہ نے اپنے زمانے میں علی المرتضی کے شیعہ کو قتل نہیں کیا اور ان کا یہ قول بھی درج ہے جب کوفہ کی مسجد میں حجر بن عدی نے ان کے آخری خطبے کے دوران اٹھ کر حق بیان کیا تھا تو ان سے کوفہ میں شام کے حامیوں نے کہا کہ وہ ایسے افراد کو ہلاک کردیں تو مغیرہ نے کہا کہ وہ نہیں چاہتے کہ نیک لوگوں کو قتل کریں اور آخرت میں ذلت کا منہ دیکھیں صرف اس لیے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کو دنیاوی سعادت مل جائے۔

اس بات کے شواہد بھی کتب تاریخ سے سامنے آتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ کے بعد زیاد کے زمانے میں سمرہ بن جندب نے کئی شیعان علی کا قتل ان کو' خوارج ※ بتلا کر بھی کیا۔اور کئی پرامن شہری جن کو نہروان کی جنگ کے بعد معافی خود علی المرتضی نے دی تھی ان کو بھی قتل کردیا گیا۔

بیالیس ہجری میں زیاد کی معاویہ سے صلح ہوگئی اور یہ اس سے پہلے تک فارس میں ٹھہرا ہوا تھا۔اور 46ء ہجری میں وہ بصرہ کا گورنر بنایا گیا۔اور 50 ہجری میں کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ طاعون کی بیماری سے فوت ہوئے تو معاویہ نے ان کو بصرہ کے ساتھ ساتھ کوفہ کا گورنر مقرر کردیا۔اور یہ پہلا شخص تھا جو کوفہ و بصرہ کا اکٹھا گورنر بنا۔

زیادہ 50 ہجری/ 51 ہجری میں کوفہ گورنر بنکر آیا اور اس نے کوفہ کی مسجد میں خطبہ دیا اور اس دوران اہل کوفہ کو اہل حق بھی قرار دیا(مراد اس سے شیعان علی کو خوش کرنا تھا) لیکن ساتھ ہی اس نے اہل کوفہ کے خود کو ابی سفیان کا جائز بیٹا ہونے کی گواہی نہ دینے پہ شکوہ بھی کیا۔اور یہ بھی کہا کہ وہ دو ہزار فوجیوں کے جلو میں آنا چاہتا تھا لیکن چونکہ اہل کوفہ والے اسے اپنے لگتے ہیں تو وہ بس اپنے اہل خانہ کے ساتھ آگیا۔اس دوران اس پہ کنکریاں برسائی گئیں تو اس نے مسجد کوفہ کے دروازے بند کرائے اور باری باری سب کو اپنے سامنے آکر قسم کھانے کو کہا کہ وہ کنکر مارنے والوں میں سے نہیں تھے تو جس نے قسم نہ اٹھائی اس کو گرفتار کیا اور کوڑے مارے گئے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے دن سے ہی اہل کوفہ کا زیاد سے تنازع ہوگیا۔اور طبری میں ہی ہمیں یہ ملتا ہے کہ زیادہ چھے ماہ کوفہ میں اور چھے ماہ بصرہ میں رہا کرتا تھا۔جب پہلے چھے ماہ گزارنے کے بعد وہ بصرہ جانے لگا تو اس نے سمرہ بن جندب کو اپنا نائب مقرر کردیا۔پھر انھوں نے خوارج ہونے کا الزام لگا کر 18 ہزار افراد کا قتل کیا

عن أبی سوار العدوی قال: قتل سمرة من قومی فی غداة سبعة وأربعين رجلا قد جمع القرآن

ابی سوار العدوی کہتے ہیں کہ ان کے قبیلے کے ایک دن میں 47 افراد کا قتل ہوا اور وہ سب حافظ قرآن تھے۔

زیاد کے دور میں شیعان علی میں سے حجر بن عدی کی قیادت میں ایسے لوگ تھے جنھوں نے خطبات اور پبلک میں حضرت علی،اہل بیت اور آپ کے جانثار ساتھیوں کے

خلاف مذمتی پروپیگنڈے خلاف آواز اٹھائی۔اس زمانے میں دمشق کی حکومت نے اپنے پرانے پروپیگنڈے کو جاری رکھا۔اس پروپیگنڈے کے دو جزو تھے

ایک حضرت عثمان ابن عفان کے قتل کا الزام حضرت علی اور آپ کے مخلص رفقاء کے سر تھوپنا

دوسرا جزو حضرت علی المرتضیٰ،اہل بیت کی برائی کرنا،ان کی مذمت کرنااوران کے فضائل بیان کرنے پہ پابندی لگا کران کو گوشہ گمنامی میں دھکیلنا۔

یہ پروپیگنڈا نہ صرف عراق میں جاری تھا بلکہ یہ حجاز میں بھی جاری تھااورایسے ہی مصر اورشام میں بھی جاری وساری تھا۔

ایسے شواہد موجود ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام شامی حکومت کے عزائم کو اچھے سے سمجھ چکے تھے۔وہ اپنے پیروکاروں کو حتی الامکان مشتعل نہ ہونے کا حکم دیتے اورایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے زیرزمین خفیہ سفیران امام بھی مقرر کرڈالے تھےاورآپ کے جو مخلص شیعہ تھے وہ آپ کو خمس سمیت دیگر عطیات دیتے تھےاوروہ آپ کی جانب سے تقسیم بھی ہوتے تھے۔لیکن مستقل روابط رکھنا اس زمانہ جبر اورسخت جاسوسی کے سبب ممکن نہ تھا۔اس لیے بعض اوقات خود سے بھی اقدام اٹھالیے جاتے تھے۔

دستیاب تاریخی روایات سے ہم یہ اخذ کرسکتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح شیعان علی کے کیمپ میں ایک ڈسٹربنگ مسئلہ تھی اور کئی ایک ہارڈ لائنر اس سے متفق نہ تھے۔قراء کیمپ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔لیکن یہاں ایک بات جس کا میں حجر بن عدی الکندی کے حوالے سے ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کئی لوگ ایسا تاثر دیتے ہیں کہ حجر بن عدی الکندی اوران کے ساتھیوں نے امیر شام کے خلاف بغاوت کردی تھی یا زیاد کے خلاف بغاوت کردی تھی۔

ایسا نہیں ہے۔خود طبری نے لکھا ہے جب' حجر بن عدی ؓ کو گرفتار کرکے لایا گیا تو انھوں نے زیاد کو کہا کہ میں نے تمہاری یا معاویہ ابن ابی سفیان کی بیعت تو ترک نہیں کی۔

اس پہ زیاد نے کہا کہ تم ایک طرف پرچھی چلاتے ہو دوسری طرف مرہم رکھتے۔ اور ایسے ہی جب حجر بن عدی الکندی معاویہ کے سامنے گئے تو بھی انھوں نے اپنے بیعت پہ قائم رہنے کی بات کی جسے معاویہ ابن ابی سفیان نے نہیں مانا اور ان کو قتل کرادیا۔ 50 ہجری کے بعد کے واقعات میں طبری نے حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل پہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس دوران سب مقتولین کی پاکبازی، بزرگی، نیکی کا بار بار اعتراف کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی بڑی سخت گفتگو معاویہ ابن ابی سفیان سے اس قتل بارے موجود ہے۔

زیاد کے ہاتھوں اذیت اور قید ہونے والے شیعان علی میں قیس بن عباد شیبانی کا قصّہ طبری سمیت تواریخ کتب میں پڑھنا اس زمانے کے آشوب کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے

تاریخ اور کتب احادیث میں ایک بات کا ذکر بڑی صراحت سے ملتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اموی حکمران سوائے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سبھی حضرت علی المرتضی کا نام لینے کی بجائے 'ابا تراب ※ کہتے تھے اور ایسا وہ استہزاء ومذاق کی بنیاد پہ کہتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حضرت سعد بن ابی وقاص کے بیٹے سے مروی حدیث جس میں معاویہ ابن ابی سفیان سعد بن ابی وقاص سے پوچھتے ہیں کہ وہ علی المرتضی کو معاذ اللہ گالی کیوں نہیں دیتے تو اس میں بھی آپ کا نام نہیں لیتے بلکہ مامنعک ان تسبا ابا ترابا۔۔۔۔ کہتے ہیں۔

یہ لقب جو رسول اللہ نے علی المرتضی کو محبت و پیار سے دیا تھا اس کو بطور استہزاء استعمال کرنے کی گواہی ہمیں قیس بن عباد الشیبانی کی قتل سے پہلے زیاد سے مکالمے میں ملتی ہے۔

فقال له زياد يا عدو الله ما تقول في أبي تراب قال ما أعرف أبا تراب قال ما أعرفك به قال ما أعرفه قال أما تعرف علي بن أبي طالب قال بلى قال فذاك أبو تراب قال كلا ذاك أبو الحسن والحسين عليه السلام فقال له صاحب الشرطة يقول لك الأمير هو أبو تراب وتقول أنت لا قال وإن

كذب الأمير أتريد أن أكذب و أشهد له على باطل كما شهد قال له زياد وهذا أيضا مع ذنبك على بالعصا فأتى بها فقال ما قولك قال أحسن قول أنا قائله فى عبد من عباد الله المؤمنين قال اضربوا عانقه بالعصا حتى يلصق بالأرض فضرب حتى لزم الأرض ثم قال اقلعوا عنه إيه ما قولك فى على قال والله لو شرحتنى بالمواسى والمدى ما قلت إلا ما سمعت منى قال لتلعننه أو لأضربن عنقك قال إذا تضربها والله قبل ذلك فان أبيت إلا أن تضربها رضيت بالله وشقيت أنت قال ادفعوا فى رقبته ثم قال أوقروه حديدا

قیس بن عباد الشیبانی سے زیاد نے کہا، اے اللہ کے دشمن تو ابوتراب بارے کیا کہتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ' میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔ زیاد نے کہا، تو واقعی ان کو نہیں جانتا؟ اس نے کہا، میں واقعی نہیں جانتا۔ اس نے پھر کہا کہ کیا تم علی ابن ابی طالب کو جانتے ہو؟ تو قیس نے کہا' کیوں نہیں، بے شک جانتا ہوں۔ تو زیاد نے کہا' وہی تو ابوتراب ہیں۔ تو زیاد نے کہا' وہ تو ابوالحسن والحسین ہیں۔ اس سے کوتوال نے کہا، تجھے امیر کہتے ہیں کہ وہ ابوتراب ہے اور تو کہتا کہ وہ نہیں ہیں، انھوں نے کہا کہ اگر امیر جھوٹ بولے تو کیا چاہتا ہے کہ میں بھی جھوٹ بولوں اور میں باطل پہ اس کے لیے گواہی دوں جیسے اس نے جھوٹ بولا ہے۔

یہ سب سنکر زیاد کو غصہ آیا اس نے جھوٹ اور اس پہ اصرار لاؤ میرا عصا مجھے دو۔ پھر پوچھا کہ اب بتاؤ تیرا تیرا قول کیا ہے؟ قیس نے پھر کہا میں ان کے بارے اچھی بات کہتا ہوں۔ میں اس بات کا قائل ہوں وہ اللہ کے مومن بندوں میں سے تھے۔

یہ سنتے ہی زیاد نے کہا لاٹھی سے لیکر اسے اتنا مارو کہ زمین پہ اس کی گردن لگ جائے۔ انہوں نے اسے اتنا مارا کا وہ زمین پہ آ گرے۔

قیس تھوڑے ہوش میں آئے تو پھر زیاد نے پوچھا کہ اب کیا رائے ہے؟

تو کہا، خدا کی قسم اگر تم لوگ چھریوں سے میری بوٹیاں بھی اڑا دو تو تب بھی میں وہی

کہوں گا جو تو سن چکا ہے۔

زیاد نے کہا کہ'ان پہ لعنت کرنہیں تو تیری گردن اڑا دوں گا۔

قیس نے کہا ۔واللہ تم اس سے پہلے ہی میری گردن اڑا دو۔اگر تو میری گردن اڑائے گا تو میں اس مشیت خداوندی پہ راضی ہو جاؤں گا۔اور تو مبتلائے شقاوت ہو جائے گا۔

زیاد نے کہا کہ اس کی گردن کی خبر لو اور پھر کہنے لگا اس کو بیڑیاں پہنا کر قید میں ڈال دو۔

اس قصّہ سے بخوبی پتا چلتا ہے سب کے ہاں 'ابو تراب' بطور استہزاء اور مذاق کے استعمال ہوتا تھا تبھی تو قیس بن عباد الشیبانی نے اسے استعمال کرنے سے انکار کیا۔

طبری نے اس میں کوفہ میں قریب قریب ان تمام قبائل کے لوگوں سے زیاد کی زیادتیوں، مار پیٹ، قتل، قید و بند کا ذکر کیا ہے جو تاریخ میں حضرت علی کے مخلص حامی گردانے جاتے ہیں، ان میں عدی بن حاتم بھی ہیں اور ان کا قبیلہ طئے بھی ہے۔

زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف زبردستی بغاوت، بیعت شکنی وغیرہ کی گواہیاں لکھوائیں۔اور اس کا احوال بھی طبری نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔طبری نے لکھا ہے مختار ثقفی اور مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے عروہ بن مغیرہ دونوں کی گواہی ڈالنے کی کوشش ہوئی مگر وہ اس سے بچ کر نکل گئے اور روپوش ہو گئے۔قاضی شریح کی گواہی بھی اس میں موجود ہیں۔قاضی شریح کا کہنا ہے کہ زیاد کاذب ہے اس نے غلط گواہی ڈالی۔اللہ ہی دلوں کا حال جاننے والا ہے۔

یہاں پہ ایک بات بہت اہم ہے وہ یہ ہے طبری سے ہمیں گواہی ملتی ہے جب قبیلہ طئے کے اندر سے حجر کے ایک ساتھی کو قتل کرنے کے لیے زیاد کے فوجی آئے تو ان کے مقابلہ میں طئے قبیلے کی عورتیں نکل آئیں تھیں اور وہ زخمی حالت میں حجر ابن عدی کے ساتھی کو لے گئیں اور فوجیوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں طئے کے لوگ آ گئے تو بہت مشکل پیدا ہو گی۔اس دوران خود عدی بن حاتم بھی زیاد کی قید میں رہے اور ان کو کوفہ سے نکلنا بھی پڑا تھا۔اس ذکر

میں حجر کے ساتھی قبیصہ کا ذکر ہے کہ وہ جب گرفتار کر کے لے جائے جا رہے تھے تو ان کی بیٹیاں بھی ان کو دیکھ کر رو رہی تھیں۔انہوں نے ان کو تسلی دی اور ثابت قدم رہنے کو کہا۔

یہ دو ایسی مثالیں ہیں جن سے ہمیں یہ اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے کہ اس زمانے کے کوفہ میں علوی تحریک کے مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی بہت باشعور، بہادر اور اپنے مردوں کے شانہ بشانہ لڑنے والی تھیں۔

قید ہونے والوں میں درج ذیل لوگ تھے

حجر بن عدی الکندی

ارقم بن عبداللہ الکندی

شریک بن شداد حضرمی

صیفی بن فیل

قبیصہ بن ضبیعہ عبسی

کریم بن عفیف اخثعمی

عاصم بن عوف بجلی

ورقا بن سمی بجلی

کدام بن حیان عنزی

محرز بن شہاب تمیمی

عبداللہ بن حویہ سعدی

عتبہ بن اخنس

سعد بن نمران ہمدانی

طبری نے ہانی بن شریح اور یزید بن حجیہ کے دو خطوط معاویہ ابن ابی سفیان کے پاس پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ان دونوں خطوط میں زیاد کی جانب سے جو جعلی اور زبردستی گواہیاں ڈالی گئی تھیں ان کی نفی تھی اور بتایا گیا تھا کہ حجر ابن عدی اور ان کے ساتھیوں نے معاویہ کی

بیعت نہیں توڑی نہ کوئی بغاوت کی ہے۔اور یہ سب کے سب لوگ نیک اور پاکباز ہیں۔

اب یہاں اصل میں حجر بن عدی اور ان کے دیگر ساتھیوں کے اس 'اقدام' کا قصدا نہ زیادہ ذکر کر رہا ہے اور نہ ہی امیر شام جو حضرت علی المرتضی اور اہل بیت اطہار ان کے ساتھیوں پہ لعنت، مذمت اور توہین کے خلاف حجر بن عدی وغیرہ نے کیا تھا۔انھوں نے تلوار نہیں اٹھائی لیکن جیسے وہ مغیرہ بن شعبہ کے دور میں توہین و سب وشتم کے مقابلے میں کیا کرتے تھے ویسے ہی کیا کہ اس کا رد کیا اور فضائل علی المرتضی و اہل بیت بیان کیے۔انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنے کے خلاف آواز اٹھائی۔یہ ایک طرح کی عدم تشدد پہ مبنی اپوزیشن تھی۔حالانکہ امام حسن علیہ السلام نے اپنے احباب شیعہ کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ مذہب رخصت پہ عمل کر سکتے ہیں۔لیکن حجر ابن عدی الکندی اور ان کے ساتھیوں کے لیے بات برداشت سے باہر ہوگئی تھی۔وہ پوری تاریخ کو اپنے سامنے مسخ ہوتے دیکھ کر کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

جن لوگوں کو معاویہ ابن ابی سفیان کے پاس قید کر کے بھیجا گیا تھا ان میں کئی ایک لوگوں کو سفارش پ چھوڑ دیا گیا تو ہبیرہ بن مالک السکونی نے معاویہ ابن ابی سفیان سے کہا کہ وہ اس کے ابن عم حجر بن عدی الکندی کو چھوڑ دے۔اس پہ معاویہ ابن ابی سفیان کا جواب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

''تیرا ابن عم تو رئیس القوم ہے۔اگر اسے چھوڑ دیا تو وہ سارے شہر کو بدعقیدہ کر دے گا۔''

سوال یہ جنم لیتا ہے کہ سارے شہر کو 'بدعقیدہ' کرنے سے مراد کیا تھی۔مراد یہ تھی کہ حجر ابن عدی الکندی کوفہ شہر میں فضائل علی المرتضی اور اہل بیت اطہار بیان کرے گا۔وہ شہادت عثمان ابن عفان بارے جھوٹے پروپیگنڈے کو رد کر کے حقائق بیان کرے گا اور اس سے تو شامیوں کی حکومت کا جواز ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔لوگوں کے دل اہل بیت کی جانب رہیں گے۔

طبری نے اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کا قاصد قیدی لوگوں

کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ اگر آپ علی المرتضی پہ لعنت کرو اور ان سے بیزاری کا اظہار کرو تو تمہیں ابھی چھوڑ دیا جائے گا۔ظاہر سی بات ہے کہ یہ شرط کسی کو بھی منظور نہ تھی۔

چھے لوگ اس وقت قتل کر دیے گئے۔اس موقعہ پہ ایک عجیب وغریب روایت ملتی ہے طبری میں۔

عبدالکریم بن عفیف اور عبدالرحمان بن حسان نے کہا کہ وہ جو کلمات ان سے کہلوانا چاہتے ہیں اگر معاویہ ابن ابی سفیان کہہ دیں تو وہ بھی کہہ دیں گے۔ان دولوگوں کو دربار میں پیش کیا گیا تو معاویہ ابن ابی سفیان نے وہ کلمات کہنے سے احتراز کیا۔

اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں سب وشتم کی یہ تحریک کتنے دبیز پردوں کے ساتھ چلائی جارہی تھی۔

عبدالرحمان عزی کو معاویہ ابن ابی سفیان نے واپس زیاد کے پاس بھیجا اس نے ان کو زندہ گڑوادیا

کل چھے افراد کا قتل ہوا جن کے نام یہ ہیں:

حجر بن عدی الکندی

شریک بن شداد حضرمی

صیفی بن فیل

قبیصہ بن ضبیعہ عبسی

کدام بن حیان عنزی

محرز ن شہاب تمیمی

شارعہ انصاریہ ہند بنت زید نامی ایک شاعرہ کا ذکر ملتا ہے جو اہل بیت کی حمایتی تھیں انھوں نے حجر بن عدی الکندی کی شہادت پہ دو مرثیہ بھی لکھے۔

عبداللہ بن خلیفہ الطائی وہ تھے جنکو بنو طئے کی عورتوں نے بہادری دکھا کر زیاد کے

بھیجے قاتلوں سے بچایا اور عدی بن حاتم نے ان کو پہاڑوں میں بھیج دیا تھا۔ وہ پہاڑوں سے عدی بن حاتم کو لکھا کرتے تھے کہ ان کو واپس بلالیں۔ جب ان کو حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے ایک مرثیہ لکھا

روۓ ان دوستوں کو جو تباہ کر دیے گئے اور موت کے گھاٹ سے نکل کر آنہ سکے
موت نے ان کو پیغام بھیجا اور جب پیغام اجل آتا ہے تو دیر نہیں کوئی کرتا ہے
جب بھی جنگ کی آگ بھڑکتی تھی اور خوب بلند ہو جاتی تھی
تو وہی میری مدد کو آتے اور میری سپر بنا کرتے تھے
ان کے بعد مجھے نہ دنیا میں کسی شئے کی خواہش ہے نہ زندگی جینے کی
جب تک زندہ ہوں، قبر کا منہ نہ دیکھوں میں ان کی یاد نہیں بھولنے والی
سلام ہو اللہ کا ان اہل عذرا (وہ مقام جہاں وہ قید تھے اور قتل ہوئے) پر باران رحمت ان پہ برسے
اسی مقام پہ حجر رحمت خدا سے واصل ہوا، حجر وہ تھا جس نے ہر حال میں خدا کو راضی کیا
اے حجر تیرے بعد اب کون ہے جو خوف خدا سے زبان حق کھولے گا
اور کون ہے جو بدی کا ذکر سنکر اسے مٹانے پہ آمادہ ہو جائے گا
تو کیا اچھا بھائی تھا، مجھے امید ہے بہشت میں تجھے اسقدر ملے گا کہ تو راضی ہو جائے گا
تو جنگ میں حق شمشیر ادا کرتا اور خیر کو خیر اور شر کو شر کہنے والا تھا
اے حضرمی و شیبان و صیفی، عبسی و عنزی و تمیمی
میرے بھائیو، خدا تم پہ حساب کو آسان کرے
تم لوگوں نے سعادت کی موت پائی
تم مرتے مرتے وقت بھی صائب الرائے رہے
اور ثابت قدم تو میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا
جب تک آسمان پہ تارے چمکیں گے

باغ میں فاختہ بولے گی

میں تم کو رویا کروں گا

عبداللہ بن خلیفہ کا یہ بہت طویل مرثیہ ہے اور ایک طرح سے اس وقت کے کوفہ کے حالات کو بیان کرنے والا ہے۔

اگر کتب تواریخ میں 41 ہجری سے 60 ہجری تک کے سالوں میں کوفہ وعراق کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے سامنے یہ حقیقت روشن ہوگی کہ ان سالوں کے دوران بھی شیعان علی کا سب سے بڑا طاقتور مرکز عراق اور عراق میں کوفہ ہی تھا۔ اور یہاں پہ ان کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے بڑے پیمانے پہ جابرانہ اور ظالمانہ اقدامات اٹھائے جاتے رہے۔

ضمیمہ دوم

ساتویں صدی عیسوی کا کوفہ
شیعانِ علی غدار نہ تھے

مارٹن ہنڈز

❖

نوٹ:

میں انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ میں اسلام کی ابتدائی تاریخ میں سیاسی رجحانات پہ تحقیق کرنے والے ایک جواں مرگ برطانوی دانشور مارٹن ہنڈز کے زبردست تحقیقی مضمون 'کوفہ میں سیاسی صف بندیاں' کا اردو ترجمہ مکمل کر کے اسے شایع کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یہ مضمون مارٹن ہنڈز کے پی ایچ ڈی کے مقالے' عراق میں ابتدائی اسلامی تاریخ کی سیاسی تقسیم کا حصّہ تھا۔ ان کے دوست البرٹ حوری کے بقول یہ مقالہ کتابی شکل میں شایع نہیں ہو سکا۔ اس مقالے کے حوالے سے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مارٹن ہنڈز نے اس مقالے میں جگہ جگہ سیف بن عمر تمیمی کا ذکر کیا ہے۔ سیف بن عمر تمیمی نئی تحقیقات کے مطابق بہت زیادہ شک کی زد میں آتا ہے۔ لیکن اس مقالے میں سیف بن عمر تمیمی کے تذکرے سے مارٹن ہنڈز کے بیان کردہ مقالے میں تحقیق پہ کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا کیونکہ مارٹن ہنڈز نے صرف سیف بن عمر تمیمی پہ ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اپنی تحقیقات میں اس نے دوسرے زرایع اور ماخذ سے بھی کافی مدد لی ہے اور خارجی بہت سے شواہد ہیں جن کی بنا پہ ہم اس مقالے کو ایک اہم تاریخی مقالہ کہہ سکتے ہیں۔

میرے لیے مارٹن ہنڈز کا مقالہ اس لیے بڑا اہمیت کا حامل تھا کہ میں نے کئی سال ایک ایسے سوال پہ تحقیق کرتے گزارے تھے جو براہ راست ہمارے سماج میں پائے جانے والے ایک انتہائی غالب اور مروج خیال سے جڑا تھا۔

سوال یہ تھا کہ کیا حضرت علی علیہ السلام الکریم، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین

علیہ السلام کو دھوکہ دینے والے، ان سے عہد وفا جوڑ کر توڑ دینے والے اور ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والوں کا تعلق اس گروہ سے تھا جسے تاریخ میں 'شیعان علیؑ' کہا جاتا ہے؟

کیا کوفہ میں شیعان علی کا گروہ واقعی بے وفاؤں سے تھا۔ اور کوفی لا یعفوی کی اصطلاح 'شیعانِ علیؑ' کے لیے اختیار کی گئی تھی۔

مارٹن ہنڈز شاید وہ پہلا محقق ہے جس نے کوفہ کے اندر 20 ہجری سے تشکیل پانے والی سیاسی صف بندیوں کا بہت ہی محققانہ انداز میں جائزہ لیا۔ اگرچہ اس کا جائزہ صرف معاویہ ابن سفیان کے دور کے سرسری سے بیانیہ پہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ مقالہ ہمیں کوفہ کی سیاسی صف بندیوں کے تین بڑے رجحانات کی تشکیل سے مدد لیتے ہوئے یزید اور اس کے بعد دور میں شیعان علی، خوارج اور کوفہ کے اشراف قبائیلوں کے بارے میں رائے متعین کرنے کا موقعہ فراہم کر دیتا ہے۔

مارٹن ہنڈز بہت تفصیل سے اور دلائل سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ کوفہ 'شیعانِ علیؑ' کے بینر تلے جو سیاسی صف بندی ہوئی تھی وہ کوفہ کے ایسے باسیوں پہ مشتمل تھی جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ عہد وفا غیر مشروط طور پہ استوار کیا تھا اور یہ آپ علی المرتضی کے راسخ العقیدہ، جانباز اور ہر موقعہ پہ ثابت قدم رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔ اور آپ کے جانباز کوفہ کے ساتھیوں میں وہ مالک الاشتر، حجر بن عدی الکندی، عدی بن حاتم طائی اور ان کے ساتھ آنے والوں کو شیعان علی علیہ السلام الکریم میں شامل کرتا ہے۔ شیعان علی ایک طرف تو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے نام مارٹن ہنڈز نے بھی درج کیے ہیں جبکہ کتاب کوفہ کے پہلے باب میں میں نے ان کے ناموں کی ایک فہرست دی جسے آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ مارٹن ہنڈز کے اس مقالے سے یہ پتا چلتا ہے کہ شیعان علی کے گروہ میں ایک طرف تو وہ ایک ہزار لوگ تھے جو حضرت علی علیہ السلام الکریم مدینہ منورہ سے ساتھ لیکر چلے تھے اور پھر کوفہ سے 10 ہزار کے قریب لوگ ان کے ساتھ آ کر جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں مارٹن ہنڈز کے بقول کوفہ کے نہ تو قبائلی اشراف لیڈر شامل

تھے اور نہ وہ حجازی اشراف تھے جو کوفہ آ کر آباد ہوئے تھے۔ مارٹن ہنڈز اس مقالے میں یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ جنگ جمل میں وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ شامل نہیں ہوئے تھے جن کو بعد میں صفین کے میدان میں ہم نے خوارج کے نام سے حضرت علی کے لشکر سے الگ ہوتے دیکھا۔ اور یہ خوارج کوفہ شہر کے باسی بھی نہیں تھے اور ان کا تعلق عراق سے ملحقہ جنوب اور شمال مشرقی عرب علاقوں سے تھا۔ اور مارٹن ہنڈز خود کہتا ہے کہ جمل ہو یا صفین یا نہروان ہو شیعان علی غیر مشروط طور پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ جم کر کھڑے رہے اور مارٹن ہنڈز یہ بھی واضح طور پہ بتاتا ہے کہ معاویہ ابن سفیان سے لڑنے میں شیعان علی نے کوئی سستی اور کوئی بہانہ بازی نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی وہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی رائے کے مخالف گئے تھے۔ حضرت علی کو ناکام بنانے، ان کے ساتھ دھوکہ کرنے اور ان سے بے گانہ ہو جانے اور الگ بیٹھ رہنے والوں کا تعلق کوفہ کے اشراف القبائل اور اشعث بن قیس، دوسرے سردار قبائیلیوں سے تھا۔ اس مقالے کو پڑھتے ہوئے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ جو لوگ 'شیعانِ علی' کو حضرت علی کو دھوکہ دینے، ان کی جان کے دشمن ہو جانے، ان کو چھوڑ دینے جیسے الزامات دیتے ہیں وہ تاریخ سے کتنی بڑی بددیانتی اور کتنی بے شرمی کا ثبوت دیتے ہیں۔

تاریخ کی کتب اور نہج البلاغہ میں حضرت علی 'اہلِ کوفہ' کے طرز عمل بارے جو شکوہ اور شکایات کرتے ہیں اور ان کی مذمت کرتے ہیں۔ اس مقالے میں جب آپ اشراف القبائل اور خوارج کا کردار پڑھیں گے تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ ان شکوے شکایات اور مذمت کا مصداق یہی قبائلی سردار اور خوارج ہیں نا کہ آپ کے 'شیعانِ علی' اس کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔

شیعان علی کے سرکردہ رہنماؤں کو حضرت علی علیہ السلام الکریم کا ہمیشہ اعتماد حاصل رہا اور وہی کوفہ میں آپ اور آپ کے اہل خانہ کی سپر بنے رہے۔ مارٹن ہنڈز کا مقالہ ہمیں یہ بھی بخوبی بتاتا ہے کہ کوفہ میں شیعان علی حضرت علی کے سماجی-سیاسی نظریات کے وارث تھے

جس کا مرکزی دائرہ مساوات اور عدل تھا اور وہ آپ کی شہادت کے بعد بھی انہی نظریات کے گرد جمع رہے۔

میں یہاں پہ ایک اور بات کی جانب اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔کوفہ میں 'شیعانِ علیؑ' کی ترکیب جن گروہوں سے ملکر بنی ان میں سب سے پہلا گروپ وہ ہے جسے 'قراء' کہا جاتا ہے۔ مارٹن ہنڈز واضح کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے جانباز اور مخلص شیعان علی میں وہ چھوٹا اور اس گروپ کے لوگ شامل تھے جو حضرت عثمان کے زمانے میں وجود میں آیا تھا اور اس کا کتب تاریخ میں پہلی بار تذکرہ 30 ہجری کے آس پاس ملتا ہے۔طبری 32 ہجری اور 33 ہجری کے واقعات میں ان کا ذکر کرتا ہے۔اگرچہ ہمیں صاف پتا چلتا ہے کہ اس گروہ کا تنازعہ کوفہ کے اشراف قبائل سے ہی نہیں تھا بلکہ ان کا تنازعہ اموی گورنروں سے بھی تھا جن میں معاویہ ابن سفیان، سعید بن العاص اور ولید بن عقبہ شامل تھے اور ان کے معاندانہ خیالات طبری نے تفصیل سے ظاہر کیے ہیں۔لیکن قراء کے اس پہلے گروپ سے یزید بن قیس الھمدانی کو مارٹن نے 'شیعانِ علیؑ' میں شامل نہیں کیا اور نہ ہی بعدازاں 'قراء گروپ' کہلانے والے جنوب اور شمال مشرقی عرب کے ان لوگوں کو شمار کیا جن کو خوارج کہا گیا۔

اس سے یہ بات بھی پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ جولوگ خوارج کو 'سابقین شیعہ' کہہ کر شیعان علی پہ حضرت علی کے قتل کا الزام لگانا چاہتے ہیں وہ ایک بار پھر تاریخی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہیں۔

مارٹن ہنڈز نے ایک بہت پتے اور نظریاتی اعتبار سے ایک ایسے امر کی نشاندہی اس مقالے کے آخر میں کردی ہے جو خوارج کے باب میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔اور وہ ہے خوارج کا تصور سماجی-سیاسی نظم وضبط جو بہرحال حضرت علی اور کے شیعان علی سے بالکل مختلف تھا۔

آخر میں، اس انگریزی مقالے کے متن کو فراہم کرنے کے لیے میں اپنے ضلع خانیوال کی تحصیل کبیر والہ کے کیمبرج میں پڑھ رہے ساتھی ظہور الحق کا انتہائی مشکور ہوں۔

مارٹن ہنڈز کی یاد میں

البرٹ حوری

نوٹ: یہ مضمون انٹرنیشنل جرنل آف مڈل ایسٹ اسٹڈیز میں مارٹن ہنڈز کی وفات پہ شایع ہوا تھا۔

دسمبر 1988ء میں مارٹن ہنڈز کی محض 47 سال کی عمر میں اچانک موت ہوگئی۔ ایسا شخص جس کے ساری دنیا ہی میں دوست تھے کی موت نے سب کو ہی بہت غمزدہ کر دیا تھا۔ جو اس سے واقف تھے ان کو پتا تھا کہ اس سے جو امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں اب وہ کبھی پوری نہ ہوسکیں گی۔ لیکن ایک ڈھارس یہ تھی بطور استاد اور ایک لکھاری کے وہ کافی کچھ آگے منتقل کر چکا تھا اور کچھ چیزیں اس کی زندگی کے آخری سالوں میں چھپ کر بھی آ گئی تھیں۔

مارٹن ہنڈز ایک برطانوی نژاد محقق تھے۔ وہ 1941ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے لندن میں اورئنٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز سے عربی لسانیات پڑھی اور وہی سے پی ایچ ڈی کی۔ پی ایچ ڈی میں ان کا مقالہ کا عنوان تھا 'ابتدائی تاریخ اسلامی عراق کے اندر صف بندی'۔ یہ مقالہ کبھی پورا شایع ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اس مقالہ سے دو تحقیقی مضامین ' خلیفہ عثمان کا قتل' اور 'ساتویں صدی عیسوی کے کوفہ کی سیاسی صف بندیاں' انٹرنیشنل جرنل آف مڈل ایسٹ اسٹڈیز میں شایع ہو سکے۔ اور ان دونوں مضامین کی اسلام کی ابتدائی تاریخ کو جاننے میں بہت بڑی اہمیت ہے۔ ان دو مضامین میں ان کی شاندار صلاحیتوں کا مظاہرہ موجود ہے۔ ان کے

پاس ٹھیک ٹھیک اور انتہائی مربوط علم ابتدائی اسلامی تاریخ کے ماخذوں کا موجود تھا اور اس کے اندر سے انہوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں سیاسی سرگرمیوں کا غیر معمولی نقشہ کھینچا۔ میں جب پہلی بار ان سے ملا تھا تو وہ ملاقات مجھے آج بھی اچھے سے یاد ہے۔

جب ہم ملے تو اس وقت اس نے مشرق وسطی تاریخ گروپ آکسفورڈ کو ایک لیکچر دیا تھا اور اس لیکچر میں اس نے ایک تھیسس بارے بتایا تھا جس پہ اس وقت وہ کام کر رہا تھا۔ وہ جس طرح سے بہت پہلے ہوئے سیاسی واقعات کو جس قوت کے ساتھ سامنے لا رہا تھا میں اس کے اس طرز سے بہت متاثر ہوا تھا۔ جس طرح سے وہ بول رہا تھا، جسا اس کی آواز کا لحن تھا اور اس کا چہرہ جیسا دکھائی دیتا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ وہ قدیم عرب سیاست دانوں کے الفاظ اور ان کے نرت بھاؤ کو پھر سے تخلیق کر رہا ہو۔ اس کا عرب تاریخ پہ یہ تصوراتی بصیرت محض اس کی کتابی تحقیق اور عربی کا سکالر ہونے کی دین نہیں تھی بلکہ اس کا ان عرب ملکوں میں طویل قیام اور بے شمار دوستیوں کی وجہ سے تھا۔ میں نے اس بات کو بہت بعد میں پھر نوٹس کیا جب ہم نے ایک ٹیلی ویژن سیریز 'دی عرب' پہ مشیران تاریخ کے طور پہ اکٹھے کام کیا۔

اس نے 1963 سے 1966ء تک اسکول آف اورئنٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز میں عربی زبان کی تعلیم دی اور پھر اپنے مرنے تک وہ کیمبرج میں پڑھاتا رہا۔ اس نے جتنا وقت پڑھایا اور تحقیق کی اس حساب سے اس کا کام بہت کم چھپ کر سامنے آیا لیکن اس کی وجہ توانائی یا محنت کی کمی نہیں تھی۔ وہ بہت لگن اور مہارت رکھنے والا استاد تھا جس کی اس کے شاگرد بہت تعریف کرتے اور وہ اپنے کالج کے ٹرینٹی ہال کا فعال رکن تھا اور وہ اس کا 1972ء میں بطور فیلو حصّہ بنا تھا اور وہاں اس نے کارپوریٹ لائف میں بھرپور شرکت کی اور بہت سے انتظامی عہدوں پہ کام کیا۔ اس کے دوستوں کی بہترین یادیں کالج میں اس کے کمرے سے وابستہ ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے کام کو بات چیت اور مشاورت کے لیے روک دیتا تھا لیکن جیسے ہی اس سے دوست رخصت ہوتے تھے تو واپس اپنی میز پہ آتا اور کتابوں میں گم

ہو جایا کرتا تھا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے اس نے تنہائی کو اپنے اندر جذب کر رکھا ہو اور وہ اس کی زندگی کا مستقل حصّہ ہو اور یہ کسی بھی سنجیدہ محققانہ کام کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ تنہائی آپ کے اندر مستقل جذب رہے۔

سارے وقت میں وہ ایک اور زندگی بھی جیا کرتا تھا اور وہ تھی قاہرہ میں امریکن یونیورسٹی سے اس کی کافی لمبے عرصے سے چلی آرہی ریلیشن شپ۔ وہ وہاں پہ مرکز برائے مطالعات زبان عربی کا ڈائریکٹر تھا جہاں پہ نوجوان امریکی محقق کو عربی زبان سکھائی جاتی تھی اور اس کام میں ان کا معاون تھا السعید بداوی۔

بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد بیروت سے 1986ء میں طویل انتظار کے بعد اس کا کام سامنے آیا۔ اس کا یہ انتہائی منفرد اور یادگار کام تھا۔ اس کا موضوع بات چیت کی عربی زبان تھا جو مصر میں عام بولی جاتی تھی۔ اس کتاب میں اس نے 'زبان جیسی اب ہے نا کہ جیسی وہ پہلے تھی' کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اس نے یہ بھی پیشن گوئی کرنے کی کوشش کی کہ مستقبل میں یہ کیسی ہوگی یا اسے کیسا ہونا دیکھنا پسند کیا جائے گا۔

ان کی کتاب ' خلیفۃ اللہ: اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مذہبی حاکمیت ※ کیمبرج یونیورسٹی سے چھپی اور اس میں پیٹریشیا کرونا معاون مصنف تھیں۔ اس کتاب میں مسلم برادری کے ابتدائی تاریخ کے عام قبول کیے جانے والے خیالات کا جائزہ لیا گیا۔ اس کتاب کا مرکزی خیال یہ تھا کہ ابتدائی خلفاء (بشمول ملوک) کو مذہبی کے ساتھ ساتھ سیاسی حاکمیت دونوں کا حامل خیال کیا جاتا تھا یعنی وہ نہ صرف سربراہ ریاست تھا بلکہ وہ مذہبی قانون پہ بھی اتھارٹی تھا اور یہ تصور سنّی نکتہ نظر سے زیادہ شیعہ نکتہ نظر کے قریب تھا۔

اس تھیسس نے کافی دلچسپ مباحث کو جنم دیا۔ 1987ء میں لٹریری سپلیمنٹ میں فریڈ ایم ڈوریمر نے ایک مضمون میں اس کتاب مین مذہبی اتھارٹی کے معاملات پہ ابتدائی اسلامی سماج کا جو اتفاق ظاہر کیا گیا ہے کو قدرے مبالغہ کہتے ہوئے یہ تسلیم کیا یہ کتاب بڑے اہم تحقیقی کاموں میں سے ایک ہے۔

وہ قصر ابراہیم کے نام سے وی ایل مینج کے ساتھ تاریخ طبری کے انگریزی ترجمے پہ کام کر رہا تھا تو ساتھ ساتھ وہ پیٹریشا کرون کے ساتھ ملکر کئی اور کتابیں لکھنا چاہتا تھا۔لیکن 1987ء میں اس کے اندر کینسر کی تشخیص ہوئی اور کئی ماہ امید و بیم کی کشمکش میں رہ کر آخر کار وہ موت کی وادی میں چلا گیا۔لیکن ایک دوست کے اس کی یاد ہمیشہ ذہنوں میں رہے گی۔اور وہ اپنی یادگار دانش اور اس دانش کی کان سے نکلنے والے علمی ہیروں کے سبب ہمیشہ دنیائے علم و تحقیق کے آسمان پہ جگمگا تا رہے گا۔

ساتویں صدی عیسوی کے کوفہ کی
سیاسی صف بندیاں

مارٹن ہنڈز

خلفائے (راشدین) کے ادوار پہ سوالات اٹھائے جانے کا سلسلہ جاری ہے۔اوران سوالوں کا جواب نا کافی دستیاب مواد سے ہی دیا جاسکتا ہے۔ان میں سب سے زیادہ دلچسپی کے حامل سوالوں میں سے ایک سوال کوفہ کے کردار کا بھی ہے۔وہ کردار جس سے ابتدائی اموی خلفاء کا واسطہ پڑا اور بعد میں یہیں سے خوارج اور اشراف قبائل سے بھی معاملہ کرنا پڑا تھا۔اس مضمون میں موجود تبصرے کا مقصد کوفہ میں ہونے والی سیاسی صف بندیوں کی تشکیل کے زرا تفصیل پہ مبنی تحقیق سے نکلنے والے نتائج کا بیان ہے۔اوراس کے لیے دستیاب ابتدائی ماخذ جیسے طبری، ابن سعد، ابن اعثم کوفی، خلیفہ بن خیاط المنقری ہیں پہ انحصار کیا گیا ہے۔

ہجری کا سال 34 تھا اور عیسوی سال تھا 645-55 جب مصر اور عراق میں ایک بحران شروع ہوا اور اس وقت حضرت عثمان ابن عفان کی حکومت تھی۔اوراس بحران کی ایک انتہا حضرت عثمان ابن عفان کی شہادت تھی اور یہ بحران بعد ازاں حضرت علی علیہ السلام الکریم اور معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانے میں بھی جاری رہا اور اس کا ایک اور موڑ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی شہادت تھی۔اور یہ 40 ہجری/660-1 عیسوی کا سال تھا۔اس موقعہ پہ ہمیں کوفہ میں تین بڑے سیاسی کیمپوں کے ابھار کا پتا چلتا ہے۔ایک خوارج کا کیمپ

تھا جو کہ حضرت علی کے سیاسی کیمپ سے صفین کے موقعہ پہ صلح مابین اہل عراق و شام کے معاملے پہ اختلاف کرتے ہوئے الگ ہو گئے تھے۔ دوسرا سیاسی کیمپ قبائلی زعماء پہ مشتمل تھا جو کہ عراق کے سرکاری طاقت کے ڈھانچے میں اموی ادوار میں عمومی طور پہ وچولوں کا کردار ادا کرتے رہے۔ عراق میں معاویہ اور یزید کے زمانے سے لیکر حجاج کے دور تک کے رجیم ایک قبائلی تنظیم پہ ٹکا ہوا تھا جس میں قبائلی زعماء سے حمایت اور مدد لی جاتی اور بدلے میں حکومت ان کی مدد کرتی تھی۔ ما قبل اسلام سے پہلے کی جو قبائلی تنظیم کاری تھی وہ بنیاد تھی لیکن ایک مرکزی حکومت اور کوفہ و بصرہ کی چھاؤنی شہروں کی وجہ سے فضا بدل گئی تھی۔ لڑنے والے افراد جن کو مقاتلہ کہا جاتا تھا ان کو بھی قبائلی تقسیم کے مطابق منظم کیا گیا تھا اور یہ کوفہ و بصرہ کے عرب اور اخمس کہلاتے تھے۔ ہر ایک قبائلی گروپ میں بہت سے زیلی قبیلوں کی شاخوں اور اکائیوں سے بنا تھا جو اردف کہلاتے تھے اور سیدھے سبھاؤ ان کی ذیلی تقسیم تھے۔ اشراف القبائل عراق کی اسٹبلشمنٹ تھے اور مرکزی اتھارٹی تھے۔ اب اموی ہوں یا زبیری ہوں دونوں نے پاور اور اقتدار کی مشق ان کے زریعے سے ہی کی تھی۔ یہ صورت حال بس حجاج کے گورنر بننے سے تبدیل ہوئی جب اس نے عراق میں شامی فوج متعارف کرائی اور اس پہ زیادہ تر جو اشراف القبائل میں سے بہت ممتاز تھے جیسے عبدالرحمان بن محمد بن اشعث بن قیس الکندی نے بغاوت کر دی تھی۔

تو ابتدائی اموی دور میں شیعہ اور خوارج کا کیا تھا؟ بنیادی خلاصہ جس کی اس مضمون میں تلاش کی گئی وہ یہ نکتہ ہے کہ اس دور کے شیعہ اور خوارج کی حزب اختلاف مرکزی حکومت کی اتھارٹی کے خلاف اتنی نہیں تھی جو اپنا اقتدار ان اشراف قبائل کے زریعے سے قائم رکھتی تھی جتنی یہ اشراف القبائل کے خلاف تھی۔ اس مرحلے پہ خوارج اور شیعہ کی مخالفت اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خوارج کی مخالفت اگر رجعت پرستانہ تھی تو شیعہ کی مخالفت انقلابی تھی لیکن دونوں کیمپوں کا اسلامی نظاموں کا تصور تھا اس میں روایتی قبائلی لیڈر شپ کا کوئی کردار نہیں بنتا تھا۔ ان کے ہاں اسلامی نظم وضبط کا تصور مختلف ہونا لازم تھا۔

خوارج حضرت عمر کے زمانے کے ابتدائی دور بے نظمی میں واپس جانا چاہتے تھے تو شیعہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی برابری کا سلوک والی پالیسی کو واپس لانا چاہتے تھے۔ان میں سے ہر ایک سیاسی کیمپ کے جو تشکیل کے مراحل تھے ان کا انحصار ان کی موجود قبائلی نظم کی مخالفت سے جڑا ہوا تھا۔خوارج کے معاملے میں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ لفظ خارجی کا مطلب تھا کہ ہر وہ فرد جو قبائلی نسب سے شرف کو جوڑنے سے انکاری ہو اور قبائلی نظم سے باہر آئے اور خود اپنے اعمال کی بنیاد پہ شرف کو حاصل کرلے اور شرف کے لیے یہ ضروری نہ ہو کہ وہ نسبی اعتبار سے بھی صاحب شرف ہو۔جبکہ روایتی قبائلی اصطلاحوں میں شرف اسے حاصل ہوتا تھا جو کم ازکم تین پیڑھیوں سے قبائلی لیڈر چلا آرہا ہو اور وہ آپ بھی قبائلی لیڈر رہو اور تیسرا اس کا قبیلہ اس کے ہاتھ پہ وفاداری کی بیعت کرچکا ہو۔اس اعتبار سے خوارج وہ تھے جو صاحب شرف ہونے کا دعوی کرتے تھے لیکن روایتی کرائی ٹیریا کے مطابق وہ یہ شرف نہیں رکھتے تھے۔دراصل خوارج اس شرف/عزت کے مقام اور مراعات کا مطالبہ کررہے تھے جو حضرت عمر کے زمانے میں عراق میں ابتداء میں آنے والوں کو حاصل ہوا تھا۔اور یہ اسی شرف اور مراعات کا دفاع تھا کہ ان کا تصادم حکومتی حمایت یافتہ قبائل سے ہوگیا۔

شیعہ کیمپ میں موجود لوگوں کا تعلق یا تو کوفہ میں آباد ہونے والے والے ایسے ابتدائی باشندوں میں سے تھا لیکن حکومتی حمایت یافتہ قبائلی تنظیم میں ان کا کوئی کردار نہیں تھا۔مثال کے طور پہ حجر بن عدی الکندی جو کندہ قبیلے سے تھے ان کو محمد بن اشعث الکندی نے حکومتی حمایت یافتہ قبائلی درجہ بندی میں بالکل ہی پیچھے دھکیل دیا تھا۔یا پھر یہ وہ لوگ تھے جو نئے قبائلی افراد تھے جو یا تو حضرت علی کے دور میں کوفہ پہنچے یا وہ بعد میں آئے اور انہوں نے پہلے سے قائم قبائلی قیادت کی اسٹبلشمنٹ کے خلاف اس امید پہ مزاحمت کی کہ اس سے ان کے حالات میں بدلاؤ آئے گا۔کندی،ہمدانی اور بجلہ قبائلی گروپوں میں ایسے قبائل تھے جو پہلے تو حضرت علی کے زبردست حامی کے طور پہ سامنے آئے اور پھر یہ حجر بن عدی،امام حسین بن علی اور پھر مختار بن عبید ثقفی کے سب سے بڑے حامی بنکر سامنے آئے۔ابومخنف نے مختار ثقفی

کی فتح کی تمام جزئیات کے ساتھ جو داستان رقم کی ہے اس سے یہ تو پتا چل جاتا ہے کہ مختار کی کوفہ میں جو حمایت تھی وہ کوفہ کے جبانہ میں وہنے والے قبائیلوں اور پرا پر کوفہ شہر میں رہنے والے قبائلی رہنماؤں کی تھی۔ اب جبانہ سے کوفہ شہر کے ارتقاء کے ابتدائی مرحلے میں مراد چاہے قبرستانوں سے ہو یا سادہ طور پہ اس سے مراد جانوروں کے چرنے اور پانی پلانے کے لیے مختص جگہیں ہوں اس سے مراد بہرحال وہ سطح مرتفع تھی جو کوفہ میں جب زیادہ لوگ آباد ہو گئے تو بنائی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہی وہ جگہیں ہو سکتی تھیں جہاں پہ گزشتہ 20 سالوں میں آنے والے نئے لوگ آباد ہو سکتے تھے۔

جب مختار ثقفی نے بغاوت کی تو قبائلی سردار کوفہ شہر سے باہر بنے جبانہ پہ قابض ہونے کے لیے آئے اور انہوں نے جبانہ کا قبضہ لینے کی کوشش کی۔ اس کے بعد انہوں نے شیعہ کو پرانے کوفہ میں آنے سے روکنے کی کوشش کی اور جیسا کہ مخنف نے کوفہ کی گلیوں میں اور بازاروں میں لڑائی کا منظر دکھایا ہے۔ جب وہ پرانے کوفہ میں داخل ہوئے تو شیعہ نے قبائلی سرداروں کا قلعہ میں گھیراؤ کر لیا۔ اگرچہ یہ فتح زیادہ دیر باقی نہیں رہی لیکن یہ بہرحال باغی قبائیلوں کی قبائلی لیڈرشپ پہ مشتمل اسٹیبلشمنٹ کے خلاف پہلی کامیاب بغاوت تھی۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ مختار ثقفی کے جوسب سے زیادہ انقلابی اور باغیانہ نعرے تھے ان میں سے ایک قبائلی اشرافیہ کے غلبے کا خاتمہ اور دوسرا دولت کی تقسیم نو تھا۔ ابتدائی اموی دور میں، جب کوفہ کا سماجی نظم وضبط اور دوسری جگہوں پہ بھی قبائل اور ان کے قبائلی گروپوں کا ہی نظم تھا اور یہ ماقبل اسلامی نظم سے اس اعتبار سے مختلف تھا کہ اب یہ ایک مرکزی اتھارٹی اور چھاؤنی شہروں کے غیر معمولی چیزوں سے جڑا ہوا تھا جس کی اسلام سے پہلے مثال نہیں ملتی تھی۔ قبائلی نظم کو معاویہ ابن ابی سفیان نے اموی اقتدار کے ڈھانچے کے بنیادی ستون کے طور پہ آگے بڑھایا۔ قبائلی نظم وضبط کا ڈھانچہ تھوڑی مدت کے لیے خلفائے (راشدین) کے دور میں معطل ہوا تھا جب انہوں نے ایک مختلف سماجی نظم وضبط کو فروغ دینے کی کوشش کی تھی۔

خلفائے راشدین کے دور کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہم حضرت عمر فاروق کے دور

خلافت بارے کچھ باتیں تحریر کریں گے۔ یہ بات تو حضرت عمر کے اقدامات سے واضح کہ ان کا اس سے سیاسی مقصد مدینہ کے غلبے کو باقی رکھنا تھا جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا اور اسے اہل ردہ کی تحریکوں سے پیدا ہونے والے انتہائی شدید خطرات کے دوران بھی حضرت ابوبکر صدیق نے قائم رکھا تھا۔ انہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قیادت اور دوسرے اختیارات ان لوگوں کو دیے جن کی وفاداری اور مفادات مدینہ کے غلبے اور اتھارٹی کو محفوظ بنا کر رکھنے سے وابستہ تھے۔ اور اس میں بنیادی اور نمایاں کردار مہاجرین وانصار صحابہ اور ان میں سبقت اسلام رکھنے والوں کا تھا۔ اور یہ اصول ان کی خلافت کے دور میں جاری وساری رہا۔

انہوں نے سبقت اسلام کو سماجی نظم اور کنٹرول میں بنیادی کرائی ٹیریا کے طور پہ رکھنے کا فیصلہ کیا جو کہ قبائل اور ان کے مختلف گروپوں کے درمیان عارضی اتحاد کے بدلنے والے اور لچک دار طریقوں کے اطلاق کے ذریعے سے سماج میں یکتائی کے مواقع فراہم کرے گا۔ اس نظم کی پشت پہ اسلامی قیادت ہوتی، مدینہ کے غلبے کی حمایت کرنے والے ہوتے جو ابتدائی اسلامی آئیڈیالوجی کے حامل بھی ہوتے اور وہ انتشار اور عدم اتفاق کی قوتوں کے اثر کا تدارک بھی کرتے۔ انتشار کی قوت والے سابقہ اہل ردہ تھے جن کسی بھی طرح کی قیادت وسیادت کے لیے نااہل قرار دے دیا گیا تھا۔ جب نئے علاقے فتح ہوئے تو ان کو اسلامی مملکت کا حصّہ بنانے کے لیے نظم بنانے کی ضرورت کا سامنا حضرت عمر کو ہوا تو انہوں نے اپنی تجویز میں سبقت اسلام کو ہی مرکزی اصول بنانے کو کہا۔

بیس ہجری/ 641 عیسوی میں بیت المال سے وظائف کا جو نظام بنایا گیا تو اس کے تین درجے بنائے گئے۔ ایک درجے میں مہاجرین وانصار کے وہ لوگ تھے جو 5 ہزار سے 3000 درہم سالانہ وظائف کے حقدار تھے۔ دوسرا درجے م؛ں وہ لوگ تھے جنھوں نے یرموک اور قادسیہ (اہل الایام) کی جنگوں سے پہلے ہونے والے فوجی آپریشنوں میں حصّہ لیا

اور پھر جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک ہونے والے شامل تھے اور ان سب کو 2000 سے 3000 درھم سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ تیسرے رواداف تھے یہ وہ لوگ تھے جو اہل الایام والوں کے بعد آئے تھے اور ان کے مختلف درجات تھے اور اس کا انحصار فتوحات میں ان کی شرکت کے وقت سے تھا۔ ان درجات میں کچھ اختلاف ہے لیکن بہر حال ان کو 200 سے 1500 درھم سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ بصرہ اور کوفہ میں رواداف ایسا طبقہ بن گئے تھے جن میں سالانہ ایک لاکھ درھم تقسیم کیا جاتا تھا۔ اہل الایام کے معاملے میں 20 افراد اور ان کے اہل خانہ کے لیے 3 ہزار درھم سالانہ وظیفہ تھا اور اس میں الاؤنس بھی شامل تھے۔ جبکہ اہل القادیسہ کے لیے 43 افراد بشمول ان کے اہل خانہ 2000 درھم سالانہ وظیفہ تھا جبکہ رواداف کی پہلی لہر کے معاملے میں 60 افراد بشمول ان کے اہل خانہ کے وظیفہ 1500 درھم سالانہ تھا۔

حضرت عمر کے وزیر مالیات/ دیوان نے 20 ہجری/ 641ء میں علم الانساب کا استعمال کیا۔ اس نے ماہرین علم الانساب کی مہارت سے مدد لی لیکن اس میں بھی سبقت اسلام کو ترجیح دی گئی تھی۔ ارداف کے اکثر کیسوں میں وہ ایک ہی قبائل کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن اردف لازمی طور پہ ایسے لوگوں کا گروہ تھا جو سبقت اسلام کی شناخت رکھتے تھے۔ سرسری نظر ڈالنے سے ایسا لگتا ہے کہ سبقت اسلام کو ترجیح دینے کا جو اصول تھا جسے خاص سطح پہ صوبہ میں ابتدائی طور پہ آنے والوں کے لیے باعث مراعات سمجھا گیا تھا لیکن زمین بارے فیصلوں میں اسے زیر غور نہیں لایا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق نے فیصلہ کیا کہ سوادی زمینوں (عراق کی خراجی مفتوحہ زمینوں) کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے بلکہ ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے محفوظ رکھا جائے۔ سیف بن عمر کے سوا سب حکام ان زمینوں کو سواد فئے برائے مسلمان کہتے تھے۔ (مسلمانوں کے لیے مال غنمیت) اور ان کے مطابق سواد کی آبادی کو ذمّی قرار دیکر اسے کاشت کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور وہ بدلے میں جزیہ دیں گے۔ سیف بن، مرا سے ہمیشہ صلح یا ذمی اراضی کہا کرتا تھا۔

یہ اہل کوفہ کی موقوف ملکیت تھی اور اس سے محصولات اکٹھے کیے جاتے تھے۔سیف بن عمر اسے جزیہ سے تعبیر کرتا ہے اور اس جزیہ کو ان کے وظائف کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، جو کہ ایسی ادائیگیوں میں شمار ہوتے تھے جو اہل ذمہ کی دیکھ بھال پہ خرچ ہوتی تھیں۔اس آمدنی سے خمس/ پانچواں حصّہ مدینہ نہیں بھیجا جاتا تھا اور جو باقی بچ جاتا اسے ان میں بانٹ دیا جاتا جو بیت المال سے وظیفہ کے حقدار ٹھہرائے گئے تھے۔اگر چہ اس فیصلہ کا اطلاق سوادی زمینوں کے بڑے حصّے پہ ہوتا تھا لیکن بہر حال یہ سارے سواد پہ نہیں تھا۔اور صوبائی سطح پہ سبقت اسلام کا اطلاق زمین کی ایک دوسری قسم پہ ہوتا تھا جسے سیف نے سواد فئے کا نام دیا۔اس میں عام طور وہ زمینیں بھی شامل تھیں جن کو صافیہ یا صوافیہ کہا جاتا تھا۔اس اصطلاح کو سیف نے بھی استعمال کیا۔اس میں ایسی زمینیں شامل تھیں جو ساسانی بادشاہ، اس کے خاندان اور جو اس کے ساتھ اشراف فرار ہوئے تھے کی تھیں۔اس میں ایسی زمینیں بھی شامل تھیں جو دلدلی زمینیں تھیں، جنگلات تھے، سڑکیں تھیں اور ڈاک گھر تھے۔سیف کی اصطلاح میں یہ زمینیں خالص فاتحین کے لیے مختص تھیں جن کو وہ اہل الفئے کا نام دیتا ہے۔یا وہ ان کو اہل المدائن کہتا ہے۔مطلب جنھوں نے 16 ہجری/ 637 عیسوی میں مدائن کو فتح کیا تھا۔حضرت عمر نے ان کے بارے میں فیصلہ سنایا کہ ان کو وہ یعنی اہل المدائن تقسیم کرسکتے ہیں اور اس میں آباد ہوسکتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے خواہش ظاہر بھی کی تھی۔اور اس کا پانچواں حصّہ مدینہ کی مرکزی اتھارٹی کے پاس ہوگا۔لیکن سیف کا کہنا ہے کہ صوادف زمینوں کی تقسیم نہ ہوسکی کیونکہ ان کو جو زمینیں الاٹ ہوئیں وہ پورے صوادف میں بکھری ہوئی تھیں تو انہوں نے بکھر جانا مناسب نہ سمجھا جن کو یہ زمینیں الاٹ ہوئی تھیں۔اور یہ بھی امکان ہے کہ الاٹیوں میں سے کئی ایک اس وقت عراق سے کہیں بہت دور دراز علاقوں میں ہوں۔اور انہوں نے اس لیے صوادف زمینوں کو بطور موقوف ہبہ بالوصیت کا درجہ دے ڈالا۔اور ان کی دیکھ بھال کا ذمہ ان کو دیا جن پہ ان کو اطمینان تھا۔یہ زمین کی وہ قسم تھی جس پہ اہل الفئے اپنی ملکیت کا دعوی کیا کرتے تھے۔سیف ان کو السواد کا مرکزی حصّہ نہیں تسلیم کرتا۔

یہ ایک ایسا انتظام تھا جس سے کوفہ میں ابتدائی طور پہ آنے والوں کو نہ صرف جزیہ سے اکٹھے ہونے والے محصولات میں سے وظائف ملتے بلکہ وہ ان سے ہونے والی آمدنی سے سرپلس میں آنے والی آمدنی میں بھی بڑا حصّہ لے لیتے تھے اور پھر ان کو صوادف زمینوں کی پانچ میں سے چار حصّے آمدنی بھی مل جاتی تھی۔اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کے انتظامات سے ان کے جو پہلے سے دعوے تھے ان کو ریگولرائز اور تحدید کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔جب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کس قدر جلدی سے اور مربوط طریقے سے یہ انتظامات بروئے کار لائے گئے تو اس بات پہ یقین کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ موجود نہیں ہے کہ حضرت عمر کے جو 20 ہجری/ 641 عیسوی میں فصیلہ تھا وہ فوری طور پہ نافذ ہوگیا ہو۔اس نے اسفیصلے کا آغاز دیوان/ مالیات سے کیا اور یہ کم از کم ان کی 23 ہجری میں وفات تک بھی نامکمل تھا۔بلکہ ان کے فیصلے کا اطلاق سواد میں بھی شروع نہیں ہوسکا تھا۔اس وقت صرف سوادی اور صوادف کے درمیان فرق شروع ہوسکا تھا۔مختصر یہ کہ حضرت عمر کی خلافت کے اختتام تک عراق میں ایڈمنسٹریٹو آرگنائزیشن/ انتظامی تنظیم عراق میں ظاہر ہونا شروع ہوگئی تھی۔

اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے پانچ سال تک کوفہ میں اولین آباد ہونے والوں کے لیے فری ایریا موجود تھا۔حضرت عمر کے زمانے میں عربوں نے فتح کردہ علاقوں میں کئی مراکز جو بنے ان میں سے ایک کفاء ایسا مرکز تھا جو حضرت عمر کے تصور کے مطابق سیاسی اور سماجی نظم کا حامل تھا اور ایسا لگتا ہے کہ ایک عرصہ کے لیے یہ جڑیں پکڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ابن سعد نے 'طبقات٭' میں جو جلد کوفہ سے تعلق رکھنے والی اسلامی شخصیات کے تذکرے کے لیے مختص کی ہے اس میں ابن سعد کئی ایسی روایات درج کرتا ہے جس میں حضرت عمر کوفہ کو راٴس الاسلام/ اسلام کا سر اور جمجمہ/کھوپڑی اسلام قرار دیا۔مجھے اور آپ سب کو یہ سوال ضرور اٹھانا چاہیے کہ حضرت عمر فاروق نے شام اور بصرہ کے بارے میں ایسے کلمات کیوں نہ کہے؟ اس کا جواب بظاہر یہ لگتا ہے کہ حضرت عمر فاروق جس نظام کو لانا چاہتے تھے وہ کوفہ جیسی ملی جلی

مخلوط آبادی میں ہی جڑیں پکڑ سکتا تھا۔ وہ عرب جنھوں نے شام کا محاصرہ کیا اور وہاں لڑنے کا موقعہ پالیا تھا وہ بڑے اور کسی حد تک مربوط گروہوں میں منظم تھے۔ بصرہ کے علاقوں میں تمیمی اور بکری غالب تھے اور صرف 300 کے قریب ابتدائی آنے والوں میں سے کسی اور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ کوفہ میں دوسری طرف مختلف قبائل اور دور دراز سے آنے والوں کی تعداد 10 ہزار یا اس سے زیادہ تھی اور ان کی ترکیب بھی ایسی تھی ایک جیسے ذیلی قبائل اور ذیلی قبائل کے ایک جیسے گروپوں نہیں تھے۔

ابتدائی فتوحات کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اس میں شام کو سب سے اگلا محاذ تصور کیا گیا اور پھر جزیرہ تھا اور اس کے بعد عراق کو ثانوی محاذ تصور کیا گیا۔ جبکہ قادسیہ فتح کرنے والی عرب فوج غا یک تو بہت تھوڑی تعداد میں تھی اور اس میں زیادہ تر حجازی اور یمنی عرب گروہ تھے اور ان میں سے کچھ کو حضرت عمر نے اکٹھا گیا تھا اور یہ وہ لوگ تھے جو شام میں 14 ہجری/ 635 عیسوی میں عربوں کی فتوحات کی وجہ سے عراق کے لیے دستیاب ہوسکے تھے۔ پھر ان میں شہری اور بدوؤں کے گروہ تھے جو حجاز اور عراق کے درمیان میں رہا کرتے تھے اور ان کو بھی اس محاذ پہ بھیجا گیا اور تیسرا ان میں بکری اور تمیمیوں کے علاقوں کی سرحدوں پہ بکھرے عرب تھے ساسانی عراق پہ حملوں کے بہت پہلے سے عادی تھے۔ کوفہ کی بنیاد جن اخطاطات پہ رکھی گئی تھی جو کہ عراق میں فوجی جڑھائی کا مرکز بنے تھے جب جزیرہ کا محاذ شمال میں کھول دیا گیا تھا میں شاید مذکورہ بالا تمام اقسام کے عرب گروہ ملوث تھے جبکہ ربیعہ (جس میں بکر قبیلے والے بھی تھے) اور تمیم شاید ان میں بہت تھوڑے تھے۔

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے جب لڑائی نہیں ہو رہی ہوتی تھی تو وہ اپنی خانہ بدوش عادت کے سبب اپنے ملحقہ آبائی علاقوں میں جا بستے تھے اور اس میں بہت کم شک کیا جاسکتا ہے کہ وہ نئی فتح ہونے والے ایسے علاقوں میں پھیل گئے تھے جہاں پہ چراگاہیں بہت بہتر تھیں۔ کوفہ کے خطاطات اس لیے ابتدائی طور پہ ان کے لیے رکھے گئے

تھے جو دور دراز سے آئے تھے۔ حضرت عمر کی جدت یہ تھی کہ کوفہ کو مسلمانوں کے لیے دار الہجرت ہونا چاہیے اور اسی لیے یہاں پہ آباد ہونے والے مہاجرین کوفہ ہونے چاہئیں۔ ان آباد ہونے والوں کے درمیان قبائلی اور نسبی تفاوت ایک ایسی خاصیت تھا جس کے سبب حضرت عمر کو یہ امید تھی کہ یہ اسلامی تجربہ ان کے درمیان قبائل کے بزرگوں کے اثر میں کامیاب ہو جائے گا اور ابتدائی آنے والوں، ارداف سسٹم اور مہاجرین کے ساتھ کا جو باہم اختلاط ہوگا وہی اس سماج کی قابل قبول بنیاد کی تشکیل کرے گا۔ اور حضرت عمر کی امیدیں اس لیے بھی بہت زیادہ پختہ ہوگئیں تھیں کہ کوفہ میں 370 مہاجر و انصار صحابہ کرام موجود تھے۔

مدنی غلبے کے تحت اتحاد کی دھات کاری حضرت عمر کے دور تک تو باقی رہی لیکن یہ پتری ان کی شہادت جو 23 ہجری/ 644 عیسوی میں ہوئی ہلکے سے شگاف کا شکار ہوگئی۔ ایک بار جب عسکری سرگرمیوں پہ تھوڑی سی مندی آئی اور لوگوں نے زیادہ سے زیادہ وہاں ٹکنا شروع کر دیا اور ایک طرح کی سول ایڈمنسٹریشن کی ضرورت پیش آئی اور محض نری فوجی قیادت سے کام نہ چلا تو اتحاد کو برقرار رکھنے کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا اور پھر مدینہ کا بہت دوری پہ واقع ہونا ایک نقص بن گیا تھا۔ مصر کا فاتح عمر بن العاص قریب قریب عدم اطاعت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ شام میں ابوسفیان کا خاندان جس کے کاروباری مفادات اسلام اور فتح سے بھی پہلے تھے اس نے ان کو پھر سے مضبوط کر لیا تھا اور وہ شام میں بہت اندر تک جڑیں بنا چکا تھا۔ اور اسی وقت ہم نے کوفہ میں 20 ہجری/ 641 عیسوی سے لیکر 29 ہجری/ 649-50 عیسوی تک جو تناؤ ابھرا تھا اس میں درج ذیل عوامل کارفرما تھے۔ ایک کوفہ کے ابتدائی آباد کار جو شرف سبقت بھی رکھتے تھے۔ دوسرے نئے آنے والے روادف اور تیسرے قبائلی اشراف، چوتھے مفتوحہ علاقوں کو منظم کرنے کی مسلسل کوششیں۔ کوفہ کے پھیلاؤ میں آہستگی اور اس میں نہاوند کے بعد بالکل بھی اس عمل کا بند ہو جانا شامل تھے۔

ہجری 20 سے 29 تک کے سالوں میں کوفہ اور اس کے ساتھ ملحق علاقوں میں ایسی صورت حال نے جنم لیا جس کی وجہ سے اگرچہ سبھی نہیں مگر کوفہ کے اکثر ابتدائی آباد ہونے

والوں کا پوسچر اور چہرہ مہرہ پرانے محافظوں کا تھا۔ بہت سے اسباب میں سے ایک سبب اس کا نام نہاد رواد ف کا اجتماع تھا جو کوفہ میں اس کے ابتدائی اصلی آباد کاروں کے بعد آئے تھے اور ان کو کم وظیفہ ملتا تھا اور ان کو 20 ہجری تک آنے والے مال غنمیت میں سے بھی بڑا حصّہ نہیں ملا تھا اور وہ غیر فعال محاذ پہ رکھے گئے تھے۔ اس لیے یہ کم حیران کرنے والی بات ہے کہ ایک دفعہ جب شام، مصر اور حزیرہ کی فتوحات متاثر ہوگئیں اور اور اب مزید مشرق کی طرف جارحیت کو جاری رکھنے میں کوئی امر مانع نہیں تھا تو ان نئے آنے والوں نے کوفیوں کے سامنے اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کر دیں۔ مزید یہ کہ نہاوند کی فتح کے بعد اسلامی سبقت کے اصول میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی اور نئے آنے والوں کے لیے وظائف اہل القادسیہ کے برابر یعنی 2000 ہزار درھم کر دیے گئے۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس وقت نئے آنے والوں میں اضافہ ہوا جب عراق کے عرب کنٹرول کی ضمانت مل گئی جبکہ اس سے پہلے یہ یقین کم ہی تھا۔ کوفی اس سے پہلے جن آپریشنوں کو کر رہے تھے اس میں اس بات کا امکان مانا جاتا تھا کہ اگر بازنطین فرنٹ بہت بڑا ہوگیا تو کوفہ ہاتھ سے جاسکتا ہے۔ جب ولید بن عقبہ کو کوفہ میں گورنر بنایا گیا جو کہ 24 ہجری یا 25 ہجری کا واقعہ ہے تو 40 ہزار کوفی جنگجو موجود تھے اور اس سے نئے آنے والوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قادسیہ کی جنگیں لڑنے والے عربوں کی تعداد 3000 سے زیادہ نہیں تھی۔ اور اس بات کو بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جو قادسیہ کی لڑائی لڑنے والے عرب سپاہی تھے یہ 10 سال بعد بھی کوفہ ہی میں مقیم رہے اور لڑنے کو تیار تھے۔ سیف بن عمر نے الخطاطات میں جو کہانی بیان کی ہے اس کے مطابق کفیفہ میں نئے آنے والوں کی آمد کے بعد اہل الایام والقادسیہ کے وقت الاٹمنٹ سے جو سیٹلمنٹ تھی اس میں تیز رفتار تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

جب نئے آنے والے بہت زیادہ ہو گئے تو الاٹمنٹ بہت چھوٹی ہو گئیں ۔تو جو نئے آنے والے ساتھی قبائلی تھے خاص طور پہ ان میں سے بہت سوں نے اپنی اصلی الاٹمنٹ چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ شریک ہو گئے ۔جب کہ جو نئے آنے والے تھے ان میں کم تعداد میں یا تو خالی کردہ الاٹمنٹ پہ قابض ہو کر آباد ہو گئے یا ان کے لیے جگہ بنانا خود اپنے آپ کو بے سکون اور بے چین کر کے بنانا پڑی ۔اس اجتماع کا ایک بہت ہی سامنے نظر آنے والا منظر یہ تھا کہ ابتدائی آنے والوں کا کل لڑنے والوں سے تناسب بہت ہی کم ہو گیا اور ان حالات میں ابتدائی کوفی باشندوں اور نئے بسنے والوں میں تناؤ متوقع ہی تھا ۔لیکن سیف کا حوالہ کچھ ابتدائی کوفی باشندوں کے نئے آنے والوں سے مل جانے کا ذکر کرتا ہے ۔جبکہ دوسرے مورخ اس صورت حال کو اتنی پیچیدہ خیال نہیں کرتے تھے ۔سیف اس بارے میں بات کرتے ہوئے ابتدائی آنے والوں کے درمیان حفظ مراتب کی تقسیم دکھاتا ہے ۔جبکہ قبیلوں کے جو لیڈر تھے ان کی بات کیجئے تو ان کا کفا میں جو اثر تھا اس پہ ضرور اثر پڑا تھا لیکن اس میں مبالغہ نہیں ہونا چاہی ※ ،اس میں حاص طور پہ آنے والے دنوں میں اہل ردہ قبائل کے کچھ لیڈروں نے فتوحات میں اہم کردار ادا کیا تھا اور اس سے حضرت عمر کی جانب سے ایسے لیڈروں کو کسی فوجی کمانڈ سے روکنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے موثر ہونے پہ شک ہوتا ہے اشعث بن قیس مثال کے طور پہ حضرت سعد بن وقاص کی فوج کے ساتھ 1700 یمنی لشکر کے ساتھ شریک ہوا اور اس کے بعد وہ قادسیہ کی جنگ میں بھی 700 کندہ عرب قبیلے کے ساتھ شریک ہوا۔

سابقہ مرتد ہونے کی وجہ سے اسے تو 100 سے کم افراد کا کمانڈر رہونا چاہئیے تھا لیکن وہ تو 100 سے کہیں زیادہ کا کمانڈر تھا ۔نہاوندھ کی جنگ کے وقت بھی صرف دو لوگ امر بن معد کریب اور طلیحہ بن خویلد کو کمانڈ کرنے سے روکا گیا اور اس وجہ بھی اعلانیہ نہیں بتآئی گئی تھی اور اشعث نے ان دونوں کے نام بطور ڈپٹی کماندار دیے تھے ۔مختصر یہ کہ اشعث جیسے لڑائی

کے میدان میں سازشی کردار ہمیں بتاتے ہیں کل دوسرے وقتوں میں ان کے اثر کو برداشت کیا گیا تا کہ ان کو اسلامی قیادت کی پالیسی سے رد کیا گیا۔ پھر دوسرے ایسے قبائلی لیڈر تھے جو مرتد تو نہیں تھے جیسے جریر بن عبداللہ البجلہ ،سعد بن قیس الہمدانی اور مخنف بن سلیمان از دی تھے اور ان کو بھی یہی مقام مل جاتا اگر ان کے ساتھ روادف اپنے قبائل کے ساتھ مل جاتے تو۔

اسی طرح 20 سے 29 ہجری کے درمیان کوفی سیاسی بدلاؤ کی کہانی کو سمجھنے کے لیے ایک اور عنصر کا بیان ضروری ہے۔اور وہ عنصر تھا ابتدائی کوفی باشندوں کی مدینہ کے کنٹرول میں کسی اضافے بارے حساسیت۔حضرت عمر کے فیصلے دیوان اور صوادف زمینوں بارے 20 ہجری میں کیے گئے تھے لیکن وہ بتدریج موثر ہوئے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے جریر بن عبداللہ اور دوسروں نے عمار بن یاسرؓ کی مخالفت کی جب وہ گورنر تھے (اغلب وہ 22 ہجری کو گورنر بنکر آئے تھے) اور مخالفت کرنے والے ان کی برطرفی کرانے میں کامیاب رہے کیونکہ وہ مدینہ کی اتھارٹی کو جتنا زیادہ چلاتے تھے اس پہ وہ راضی نہ تھے۔نہاوند کے روادف کے وظائف میں اضافے نے بھی اس محاذ آرائی کو بڑھایا ہوگا اور شاید سوادی زمینوں پہ زیادہ سختی سے کنٹرول کی مشق نے

عمار یاسرؓ کو اپنا مرکز مدائن منتقل کرنے کا منصوبہ بنانے پہ مجبور کیا۔ان کے اس ارادے کی سخت مخالفت کرنے والوں میں جریر بن عبداللہ تھے جن کے حلوان کے علاقے میں مفادات تھے۔تاہم عمار یاسر کے خلاف یہ ردعمل حضرت عثمان کے زمانے میں آنے والے گورنر ولید بن عقبہ کے خلاف کوفہ کے ابتدائی باسیوں کے شدید ردعمل کا محض ٹریلر یا پیش خیمہ ہی تھا۔ولید بن عقبہ نے اس زمانے میں جو انتظامی اقدامات اٹھائے اس میں کنٹرول کا اقدام بھی تھا جسے بالکل ہی قبول نہیں کیا گیا۔مثال کے طور پہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے کہنے پہ ایک گیسٹ ہاؤس بنایا گیا جس کا انتظام حضرت عبداللہ ابن مسعود کے پاس تھا اور وہ اس وقت خزانے کے نگران بھی تھے اور اس انتظام سب سے

مضبوط اعتراض ایک ابتدائی کوفی باشندے ابوثمال اسدی کی جانب سے کیا گیا جو ابتک خود ایسے مہمانوں کے ٹھہرنے وغیرہ کے اقدامات کرتا تھا۔اس وقت تک سواد پہ جو ٹیکس تھے وہ غلّے کی شکل میں ادا کیے جاتے تھے، ہمیں یہ بھی دھیان رکھنا ہے کہ یہ اقدام محصولات پہ حکومت کے کنٹرول کو برقرار رکھنے کے لیے تھا۔ بنیادی مسئلہ جو تھا وہ مدینہ کی اتھارٹی کا تسلط تھا جو اس وقت حضرت عثمان غنی اور ولید بن عقبہ کے ہاتھ میں تھی اور اسے کوفہ والوں کی نظر میں کوفہ والوں کے حقوق کے خلاف استعمال جب کیا گیا تو انہوں نے قانون ہاتھ میں لے لیا۔اور اس مسئلے سے جڑے کئی منظر ہمیں ولید کی گورنرشپ کے زمانے میں نظر آتے ہیں ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان جب کوفہ کے چند نوجوانوں کے ایک آدمی کے قتل میں ملوث ہونے پہ قصاص کے طور پہ قتل کرنے کا حکم دیا تو اسے مقامی معاملے میں ان کی طرف سے ایک مداخلت سمجھا گیا۔ اسی طرح یہ بات ایک جادوگر/ کاہن کے قتل کیس میں بھی سچ تھی جس کا متداول کتب تاریخ میں کافی نے ذکر گیا ہے۔ کنٹرول کے بڑھانے کی ایک اور مثال ولید کی جانب سے غلاموں اور دوسروں کو چھوٹے چھوٹے الاؤنس کی ادائیگی تھی جن کو بیت المال سے لگا بندھا وظیفہ نہیں ملتا تھا۔اس سے وہ سرپلس اور گھٹ گیا جو روداف کو ادائیگیوں کے سبب پہلے ہی ختم ہونے کے قریب تھا۔اس لیے اس میں حیرانی کی بات کم ہے کہ سیف بن عمر ولید بن عقبہ کی ذمیوں میں مقبولیت کا زکر کرتا ہے اور شاید اس سے ہم یہ سمجھنا چاہیے کہ روادف کی سب ہی اقسام کو وظائف ملتے تھے یا نہیں ۔اور ولید سے اس بات کی وجہ سے اہل قادسیہ کی مخالفت بڑھ گئی ۔اور اس باب میں آخری بات یہ کہ ولید اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان اس ادھار لی ہوئی رقم پہ تنازعہ پیدا ہوگیا جو ابن مسعود نے خزانے سے دی تھی ۔ابن مسعود اس کی واپسی کا مطالبہ کررہے تھے اور حضرت عثمان نے ان کو یہ لکھ کر روکنے کی کوشش کی کہ 'تم ہماری طرف سے مقرر کردہ ایک نگران ہو بس ؒ اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے خیال میں ان کا اپنے آپ کو خزانے دار سمجھ لینا

غلط تھا اور وہ اپنے آپ کو بیت المال کا مالک خیال کرتے تھے۔

اس اہم مرحلے پہ ان کی رخصتی مدنی غلبے کے تحت اسلامی اتحاد کی پرانی طرز کی نمائندگی کے رخصت ہونے کی نشانی بھی تھی۔ 20 سے 29 ہجری کے درمیان کوفہ کے اندر ہونے والی تبدیلیوں میں آخری اہم عنصر کوفہ کے پھیلاؤ کے سست روی کا شکار ہو جانے سے لیکر نہاوند کی فتح کے بعد بالکل ہی رک جانا تھا۔ یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی بطور خاص اقدام اس مومینٹم کو برقرار رکھنے کے لیے اٹھایا گیا ہو۔اس گبر گسا مکان یہ ہے 'حد سے زیادہ وسعت' کا خوف اس وقت غالب تھا۔ ہماری معلومات کے مطابق ولید بن عقبہ کی تعنیاتی کے وقت 40 ہزار جنگجو تھے اور ان میں سے 10 ہزار کو تبادلے کے عمل سے گزرنا پڑتا تھا، اس وقت رے میں 4000 اور 6000 آذربائی جان رکھے جاتے تھے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے یہ دو محاذ اگرچہ قابو میں تھے لیکن ضروری نہیں ہے وہاں سے آگے کی طرف حرکت ہوئی ہو اور یہ معاملہ ولید کی گورنر شپ کے زمانے میں جاری رہا۔ رے کے بارے میں اس دور کی کم معلومات ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حد ایک طرف اگر دشت کبیر تک تھی تو دوسری جانب یہ حد طبرستان کی پہاڑیوں تک تھی۔عرب کنٹرول زیادہ تر علاقے پہ کمزور تھا اور رے کے اندر خود کئی مقامی بغاوتیں ہوئی تھیں۔آذر بائیجان کے کیس میں اردبیل اور اس سے ملحقہ علاقہ بارے زیادہ مواد دستیاب ہے۔اگرچہ یہ مواد بہت منتشر اور الجھا دینے والا ہے۔خاص طور پہ جہاں کرانیکلوجی کا سوال آتا ہے۔جب ولید کوفہ اور اس کے علاقوں پہ گورنر تھا تو یہ بات لازم ہے کہ عربوں نے ان علاقوں کا ہولڈ ڈھیلا ڈھالا رکھا ہوا تھا اور انھوں ارکساس کے شمال میں کوئی دیرپا انتظام نہیں کیا تھا۔عام اصطلاحوں میں بیان کیا جائے تو کوفیوں کا جو تناؤ ولید کی گورنری کے زمانے کے آخر میں سامنے آیا وہ مدینہ کی مرکزی اتھارٹی کے خلاف تناؤ سے نکلا تھا اور ولید کے مخالف اس کو دباؤ میں لاکر اس پہ سوار ہونے میں کامیاب ہوئے اور اس پہ وہ

الزامات لگائے جو اس زمانے کے قانونی معیارات کے مطابق اس پہ ثابت ہو گئے۔ ولید کی مخالفت کوفہ کے اولین باشندوں میں سے لوگوں کی طرف سے شروع ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ مخالفت تمام اولین باسیوں کی طرف سے یکساں تھی۔ بلکہ جو سب سے زیادہ سرگرم مخالف تھے ان کے بارے میں ماخذ ان کے اولین ہونے کے سیاق و سابق سے بہت کم بات کرتے ہیں۔ یہاں ہماری خاص دلچسپی ان لوگوں سے ہے جن کو ولید نے برخاست کر دیا تھا۔ ابتک جو شواہد ہیں ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ولید کے سب سے بڑے مخالفین کو کوفہ کے اولین باسیوں میں قیادت کے اعتبار سے کو رسوخ حاصل تھا بلکہ یہ سپلنٹر گروپ تھے اور چونکہ کسی بھی تبدیلی بارے بہت حساس تھے تو اس وجہ سے ان کے پیروی کرنے والے بھی کم تھے۔ اور یہ حضرت عمر کے مرتب کردہ نظم کے بہت بڑے حامی تھے۔ ایک ضمنی سی اہمیت کی بات یہ ہے کہ روادف کے آنے سے ایسے لوگوں کی اہمیت بہت کم اور ہی تھی جنھوں نے دوسرے قبائل کے لیڈروں سے ہاتھ ملا لیا تھا اور ان کے سبب وسائل ختم ہو رہے تھے جو مزید پھیلاؤ کی وجہ سے بڑھ بھی نہیں رہے تھے۔

کوفہ کا ابتدائی اور قدیم باسی ہونا ویسے سماجی مرتبے کا حامل نہ ہونا تھا جیسے قبائلی لیڈروں کو حاصل تھا تو اس وجہ سے انہوں نے ناگزیر طور پہ رجعتی پوزیشن لے لی تھی۔ جس صورت حال کا سامنا حضرت عثمان کو کرنا پڑا وہ بہت واضح تھی۔ آپ خلافت حاصل کرنے میں اس لیے کامیاب رہے تھے کہ آپ نے اس وقت موجود نظم کو جوں کا توں رکھنے کا عہد لیا تھا اور ان انتظامی اقدامات کو اٹھانے کا عہد کیا تھا جن کو حضرت عمر فاروق نے شروع کیا تھا لیکن پھر انہوں نے یہ دیکھا کہ ایسی چیزیں نافذ کرنے کے لیے جس کنٹرول کی ضرورت تھی وہ کوفہ میں نئی فتوحات میں کمی ہونے کے سبب نئے آنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے کوفیوں کے لیے ہضم کرنا ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ اس کا فوری حل نئے علاقے فتح کرنا بہت ضروری تھا تا کہ موجودہ علاقوں پہ دباؤ کم کیا جا سکے۔ بصرہ کے علاقوں میں بھی توسیع پسندی کے لیے

دباؤ بڑھ رہا تھا اگرچہ وہاں پہ حالات اس سے مختلف تھے۔

حضرت عثمان کو توقع تھی کہ ایک بار نئی فتوحات نئے آنے والوں کے لیے ضروری رہائش فراہم کردیں گی تو ابتدائی آنے والوں کے ساتھ نئے آنے والوں کا باہمی تعلق ٹھیک ہو جائے گا اور نئے آنے والے نئی مفتوحہ زمینوں پہ مراعات سے خوش ہوجائیں گے۔اس بات کی وضاحت 29 ہجری/ 649-50 عیسوی کے اس حکم سے ہوتی ہے جس می کہا گیا کہ مفتوحہ علاقے ان کے ہوں گے جو سب سے پہلے ان کا چارج لیں گے۔اسی طرح سے 29 ہجری میں کوفہ میں سعید بن العاص اور بصرہ میں عبداللہ بن عامر کا بطور گورنر تقرر مشرق کی طرف میں توسیع پسندی کے نئے مرحلے کی شروعات کی علامت تھا۔لیکن صرف عبداللہ بن عامر ہی بصرہ میں توسیع پسندی میں کامیاب ہوا اور عربوں کا کنٹرول فارس پہ مضبوط ہوگیا۔

اس کنٹرول کے مضبوط ہونے سے کرمان اور سیستان کی طرف فاتحانہ پیش قدمی ممکن ہوئی اور پھر ساسانی خراسان میں داخلے کا موقعہ مل گیا۔دوسری طرف سعید بن العاص قمیس اور طبرستان سے آگے جانے میں ناکام ہوگیا کیونکہ وہ راستا بہت غیر محفوظ اور اکثر ناقابل عبور ہو جاتا تھا اور اس کی وجہ اس کے گرد پہاڑی علاقوں کے لوگوں کی مزاحمت تھی۔سعید بن العاص نے اس لیے اپنی توجہ شمالی محاذ پہ مرکوز کی، جہاں پہ عربوں کا خضار کے ساتھ ملحق علاقوں کا کنٹرول تھا۔لیکن یہاں بھی کوفیوں نے کوئی پیش رفت نہ ک 31 ہجری میں بالانجار میں بدترین شکست کھانا پڑی۔کوفی علاقوں کو بڑھانے کی کوششوں میں ناکامی کے نتائج وہی تھے جو سعید بن العاص کے ذہن میں اس وقت سے تھے جب اس نے افواج کو اردبیل اور قزوین میں ٹھہرایا تھا۔یہ مقامات سرحدی چھاؤنی رہے اور اسے مفتوحہ علاقوں میں وسائل میں قلت کے مسئلے سے نبرد آزما ہونا پڑا۔اس لیے وہ حضرت عثمان کے اس حکم کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ناکام رہا جس میں کہا گیا تھا کہ نئے مفتوحہ علاقوں پہ پہلا حق ان کو فتح کرنے والوں کا ہوگا۔اپنی سی بہترین کوشش وہ جو کرسکتا تھا یہ تھی کہ اس نے کوفہ کے سرداروں کا دباؤ مان لیا اور اس نے بڑے قبائلی گروپوں کو پہلے سے موجود علاقوں میں ہی

روکنے کی کوشش کی اور اس سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کا خاکہ تو پہلے ہی بن چکا تھا اور اب کوفہ میں ابتدائی آنے والے تین بڑے کیمپوں میں بٹ گئے۔ ایک کیمپ مضبوط ترین قبائلی لیڈروں کا تھا دوسرا گروپ اس سے کم اثر ورسوخ رکھنے والے لیڈروں کا تھا جن کے پیروکار کم تھے اور تیسرے ایسے قبیلوں کے لیڈر تھے جو بڑے گروپوں سے الگ ہو چکے تھے۔

پہلا کیمپ جو طاقتور قبائلی سرداروں کا تھا ان کے حوالے سے جو بہت اہم پیش رفت تھی وہ اشعث بن قیس الکندی کی آذربائجان میں تعنیاتی تھی، جہاں پہ وہ ولید بن عقبہ کی جانب سے 28 ہجری میں ہوئے ایک آپریشن کے بعد بھیجا گیا تھا اور اس کی کمان میں بڑی تعداد میں لوگ رکھے گئے تھے جو اردبیل میں ایک مستقل فورس کے طور پہ ٹھہر گئے تھے۔ اشعث جس پس منظر کا حامل تھا اس کے ساتھ اس کی تعیناتی حضرت عمر کے قائم کردہ نظم سے ایک بڑی دستبرداری کی علامت تھی سیف بن عمر اسے بالانجار میں ہوئی بڑی عرب شکست سے جوڑتا ہے اور وہ کہتا ہے یہ اس وقت تبدیلی آئی جب کوفہ والوں کی سوچ بھی حضرت عثمان کی حکمرانی بارے بدل چکی تھی کیونکہ ان کی جانب سے ماضی میں مرتد ہو جانے والوں کی تعیناتی کا مطلب ان سے ہم آہنگی پیدا کرنا لیا گیا تھا۔

لیکن اس سے طاقتور عرب قبیلوں کے سرداروں کے اس کیمپ کے معاملات ٹھیک نہ ہوئے۔ بلکہ اس نے ان میں بدعنوانی کو اور بڑھا دیا۔ ماضی میں مرتد ہو جانے والے قبائلی لیڈر کی تعیناتی کی ایک اور مثال اس زمانے میں سعد بن قیس الھمدانی کی رے میں سعید بن العاص کے ہاتھوں تعیناتی تھی۔ یہ 33 ہجری میں مزید تعیناتیوں کے ساتھ کی گئی تھی۔ سعد بن قیس الھمدانی کا تعلق ہمدان قبیلے کے انتہائی بااثر خاندان المارب سے تھا جو کہ ہمدانی قبیلے کی شاخ الصابی سے تعلق رکھتا تھا۔ اور ہمدان قبائل کو متحرک کرنے میں اس کے کردار کا اعتراف خود حضرت عمر فاروق نے کیا تھا۔ لیکن دوسری جانب بہت سے علاقوں سے کوفہ میں آ کر پہلے پہل آباد ہونے والے ایک بڑی تعداد میں لوگوں کو بے دخل کر دیا گیا۔

بے دخل کر دیے جانے والوں کا مذہبی سٹیٹس قبائلی سٹیٹس کے مقابلے میں کہیں زیادہ اسلامی تھا۔آذربائیجان میں ہمارے پاس ایسے ناموں کی ایک فہرست ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ان کو فوری طور پہ بالانجار کی لڑائی سے واپس بلالیا گیا تھا۔معاویہ ابن ابی سفیان نے الجزیرہ میں جو انتظام کاری کی تھی اس پہ بھی توجہ دی جانی بنتی ہے۔شام کی گورنرشپ کے ساتھ ساتھ اس کی عملداری میں اس علاقے کی عملداری 26 ہجری کو دی گئی تھی۔عرب افواج عراق سے جو آئی تھیں انھوں نے جزیرہ کی اولین فتح میں حصّہ لیا تھا اور یہ بات اہم ہے کہ عراق کے اولین آباد کار جیسے المسیب بن نجبہ الفزاری، مالا الاشتر النخعی اور صعصہ بن صوحان العبدی بھی ان افواج میں شامل تھے ان کا ذکر ہم پھر 29 ہجری سے کوفہ میں پیدا شدہ بحران کی شروعات کے بعد سے مسلسل دیکھتے ہیں۔شواہد اگرچہ کم ہیں لیکن اس سے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ معاویہ ابن ابی سفیان کی قائم کردہ ایڈمنسٹریشن سے بے دخل کر دیے گئے تھے۔مزید مشرق کی جانب پیش رفت کی پالیسی کے وقت سعد بن قیس الھمدانی کو رے میں تعینات جب کیا گیا تو یہ تعیناتی یزید بن قیس الارحابی کو ہٹا کر کی گئی تھی جو کہ وہاں پہ 22 ہجری سے گورنر تھا۔اس معاملے میں اس بات پہ توجہ کم ہی کی گئی کہ سعد بن قیس الھمدانی کے مقابلے میں یزید بن قیس کا سٹیٹس زیادہ اسلامی تھا اور سعد بن قس کا سٹیٹس اسلامی اعتبار سے کچھ بھی نہیں تھا۔لیکن اس بات کو محب الدین خطیب بغدادی نے تعلیقات مفیدہ علی کتاب الاکلیل للہمدانی میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

جب اس طرح کی معزولیوں اور ان کی جگہ پہ ہونے والی تعیناتیوں کو دیکھا جاتا ہے تو یہ واضح ہوجاتا ہے سیف یہ کیوں کہتا ہے کہ 34 ہجری میں کوفہ ان لیڈروں سے خالی ہو چکا تھا جن کو عہدوں سے فارغ کیا گیا تھا یا جو پہلے ارتدار میں ملوث رہے تھے۔

تاریخ کے ماخذوں میں ہمیں 'قراء' کی اصطلاح سعید بن العاص کی گورنری کے تناظر میں ملتی ہے اور ان کے بارے میں جو بکثرت معالومات ہیں وہ واضح کرتی ہیں کہ قراء اوپر بیان کردہ کوفہ کے ابتدائی باشندوں میں پائی جانے والی تین طرح کی تقسیم میں تیسرے

گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ان میں مالک الاشتر النخعی اور یزید بن قیس الارحابی بہت نمایاں تھے۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ جب سعید بن العاص کوفہ پہنچا تو انہوں نے حضرت عثمان ابن عفان کو ایک رپورٹ بھیجی جس میں اس نے روادف کے جھنڈ کے جھنڈ آنے سے پیدا ہونے والے تناؤ بارے بتایا اور عثمان نے جواب میں اسے کہا کہ جتنی جلدی ہو سکے ان میں سے جو اسلامی سبقت کے حامل ہیں ان سے معاملات ٹھیک کیے جائیں۔ بہرحال یہ وہ وقت تھا جب ابھی یہ امید تھی کہ کوفہ میں نوواردوں کے لیے کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔سعید بن العاص نے اہل الایام والقادسیہ کے اشراف کو خوش کرنے والے اقدامات اٹھائے اور ان میں سے خاص طور اس نے اہل قراء میں سے الاشتر کو راضی کرنے کی کوشش کی۔

اس معاملے میں اس وقت کی مدت قابل ذکر ہے جس لمبی مدت تک سعید بن العاص ان کوفہ کے اولین باشندوں کے معززین کو رام رکھنے میں کامیاب ہوا۔ یہ مدت قریب قریب 33 ہجری تک چلی اور پھر 33 ہجری میں ہی دوبارہ کھلی مشکل شروع ہوگئی۔ایک بار سعید کی ان لوگوں سے ملاقات ک وقت جب سواد بارے ایک تنازعہ جھگڑے میں بدل گیا اور الاشتر نے سعید بن العاص کے سرکاری ملازموں میں سے ایک پہ حملہ بھی کر دیا تھا۔اور اس جھگڑے کے بعد الاشتر سمیت 14 بڑے نامور قراء شام جلاوطن کر دیے گئے۔جب وہ وہاں تھے تو کوفہ میں ہنگامہ مزید تیز ہوگیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقعہ پہ کوفہ سے ایک شکایتی خط جن میں لکھنے والوں کے ناموں میں یزید بن قیس کا نام بھی شامل تھا حضرت عثمان بن عفان کو بھیجا گیا۔ان قراء نے اشتر اور دوسرے قراء حضرات کی کوفہ واپسی کا مطالبہ کیا۔اس وقت سعید بن العاص مدینہ میں تھا۔اس کے بعد یہ بھی واضح ہوگیا کہ اشتر اور یزید بن قیس نے سعید بن العاص کی معزولی میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا۔اس وقت کوفیوں نے اپنا گورنر ابوموسی اشعری کو چنا۔'قراء' کی اصطلاح بہت متنازع تھی۔ یہ نوٹ کیا جا سکتا ہے کے

برج، یرموک اور قادسیہ کی جنگوں میں ایک 'قاری' کا عہدہ بھی حضرت عمر نے رکھا تھا اس کا فرض سورہ انفعال جسے سورہ جہاد بھی کہا جاتا تھا دوران لڑائی تلاوت کرنا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام لڑنے والے مسلمان اسے زبانی حفظ کیا کرتے تھے۔ مزید حضرت عمر نے مسلسل اس بات پہ زور دیا کہ قرآن کو زبانی یاد کیا جائے اور 20 ہجری میں جو اقدامات اٹھائے گئے ان میں سے ایک قدم ان سب لوگوں کے لیے دو ہزار درھم سالانہ مظیفہ بھی مختص کیا گیا تھا جنھوں نے قران کو زبانی یاد کیا تھا۔ لیکن ہم جس سیاق و سابق میں اس اصطلاح پہ بات کررہے ہیں تو یہ اصطلاح ہمیں 30 ہجری سے پہلے ان ماخذوں میں نہیں ملتی بلکہ اس وقت کوفہ کے حوالے سے ملتی ہے جب کوفہ میں ابتدائی آباد ہونے والے باشندوں میں تین نمایاں کیمپ سامنے آتے ہیں۔

تو 30 ہجری میں یہ اصطلاح کوفہ کے حوالے سے مکمل طور پہ معروف ہوگئی تھی۔ قراء وہ لوگ تھے جو کوفہ کے اندر آباد ہونے والے اولین شہریوں میں سے تھے اور آباد ہونے میں سبقت ہی ان سٹیٹس تھا اور ان کی نظر میں اس سے ہٹ کر قبیلہ کے لیڈر کا رتبہ نہ رکھنا کوئی خامی نہیں تھی۔ معاویہ ابن ابی سفیان کی نظر میں وہ محض لالچی اور ناشکرے لوگ تھے اور شام بد ہو کر آنے والوں کے معاملے میں تند و تیز باتیں کرنے میں کوئی کمی کرنے کا قائل نہ تھا۔ اور وہ کہا کرتا تھا کہ یہ جو اپنے آپ کو قراء کی قبیل سے سمجھتے ہیں اور ہر ایک پہ تنقید کرتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہیں۔ اور یہی فتنہ پھیلانے والے اور اموال اہل ذمہ پہ نظر رکھنے والے ہیں۔

تو اب اس سے یہ تو طے ہوگیا کہ 'قراء' کوفہ میں سب سے پہلے آنے والوں میں سے تو تھے لیکن ان کی پیروی کرنے والے انتہائی کم لوگ تھے۔ پھر ان آنے والوں میں معززین تھے جو قراء نہ تھے اور قراء کا ردعمل انہی قبائلی سردار معززین کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی وجہ سے حضرت عثمان اور سعید بن العاص کے خلاف بڑھ گیا تھا۔ تازہ فتوحات میں کمی کا سبب پس منظر میں کارفرما تھا اور یہ پہلے ہی نئے آنے والوں کی تعداد میں اضافے کے وقت سامنے آچکا تھا۔ اس کا مطلب وسائل میں اضافہ نہ ہونا تھا اور ان وسائل پہ حق کا جو

معاملہ تھا وہ ایک بنیادی سبب تھا کہ قراء کو یہ خطرہ ہوا کہ وظائف اور الاؤنسز میں مزید کمی واقع ہو گی اور قراء کی بغاوت ہمیں 34 ہجری میں پوری طرح سے نظر آتی ہے۔

ایک اور اہم چیز سواد کے علاقوں کا مسئلہ تھا جو کہ 33 ہجری میں ہوئے جھگڑے کا سبب بنا تھا۔ان زمینوں کی ملکیت کا سوال تھا جس کو لیکر اشتر سعید بن العاص اور حضرت عثمان کے خلاف جارحیت کو بڑھاتے تھے۔اور یہی وہ بنیادی وجہ بنی جس پہ قراء نے سعید بن العاص کو معزول کروایا تھا۔اس ردعمل کا سب وہ اقدامات تھے جو سوادی زمینوں کے حوالے سے اٹھائے گئے تھے اور پھر ولید نے یکساں ایڈمنسٹریشن کے اصول کا اطلاق شروع کیا تھا جسے ولید بن عقبہ نے بھی جاری رکھا(خاص طور پہ جو اموال فئے یا صوادف زمینیں تھیں جن کے حوالے حضرت عثمان نے اقدامات اٹھانے کا کہا تھا) اور ان کو کوفہ میں مقیم مدینہ سے آکر بسنے والوں میں بانٹنے کو کہا تھا جنھوں نے قادسیہ و مدائن کی جنگوں میں شرکت کی اور پھر وہیں بس گئے تھے۔پھر ایسے لوگ تھے جنھوں عراق سے ہجرت کر کے مدینہ نہ جانے اور عراق میں موجود زمینوں کے مدینہ کے قرب و جوار میں اپنی زمینوں کے بدلے زمینیں لینے کا فیصلہ کیا۔

جن مدنی لوگوں نے ایسی انتقال ملکیت پہ رضامندی ظاہر کی تھی ان کے حصّہ کو گنا گیا اور پھر ایک موثر تبادلہ ہوا اور اس کے نتیجے میں طلحہ بن عبیداللہ، مروان بن الحکم، الاشعث بن قیس اور عراق کے قبائل سے سے لوگ آئے اور انہوں نے صوادف عراق میں سے زمینیں لیں اور بدلے میں کہیں اور اپنی زمینیں دیں۔اس سے ایک بات اور واضح ہوئی کہ اس اقدام سے دوسرے ابتدائی باشندوں کے مقابلے میں کوفہ میں قبائلی لیڈروں کی پوزیشن مزید مضبوط ہو گئی جن کے پاس مغربی یا جنوبی عرب میں زمینیں موجود تھیں۔درحقیقت یہ نوٹ کیا جاسکتا ہے کہ کوفیوں کے سیاق وسباق میں قبائل کے لیے ان وسائل کو پہلی بار استعمال میں لایا گیا تھا۔مستفید ہونے والون میں اشعث اور سعد بن قیس الھمدانی کے نام تھے۔اور یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ شمالی عرب کے جو لیڈر تھے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔اور ایسے لوگوں

میں یزید بن قیس ایسا شخص تھا جو استثنائی حالت کا مالک تھا جس کے پاس شاید جنوب میں اتنی زمین ہی نہیں تھی کہ وہ اس کے بدلے کوفہ میں زمینیں لے سکتا۔ان چیزوں سے صرف یہ نکتہ ہی سامنے آتا ہے جو پہلے بھی بتایا جا گا کہ کوفہ کے ابتدائی باشندے اثر ورسوخ کے لحاظ سے مختلف حثیتوں کے مالک تھے جبکہ ان کا سواد کی زمینوں والے معاملے سے کم ہی تعلق بنتا ہے۔ہمیں خاص طور پہ بتایا جاتا ہے ان انتظامات پہ ان کو کوئی اعتراضنہ تھا جن کو صوادف زمینوں کا اہل قرار دیا گیا تھا اور ایسا لگتا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا جھگڑا مدنیوں کو زمین دینے کے لیے اہل قرار دینے سے نہیں تھا اور دوسرا یہ ہے کہ صوادف زمینوں سے بچ رہنے والی زمینوں کا اہل اولین فتوحات میں حصّہ لینے والوں کے لیے رکھا گیا تھا۔اور ایک اہم بات یہ تھی کہ پہلی بار اس ابہام کو دور کر دیا گیا تھا کہ اہل ذمہ کی زمین کون سی تھی اور صوادف زمینیں کون سی تھیں اور یہ اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔اس مرحلے سے پہلے ابتدائی بسنے والوں نے ذمیوں کا تحفظ بھی کیا تھا اور صوادف زمینوں پہ اپنے کلّی حقوق سے فائدہ اٹھایا تھا۔اور اس سے پہلے کبھی ان کے دونوں کے درمیان اس طرح سے امتیاز کیے جانے کی مثال سامنے نہ تھیں۔سعید بن العاص اصل میں کم وبیش 15 سال سے چلی آرہی مبہم پوزیشن کو صاف کرنے کا ذمہ دار تھا وہ اسے ریگولرائز کر رہا تھا۔اس اقدام کو پندرہ سالوں سے چلی آرہی مراعات میں خلل ڈالنے کا اقدام خیال کیا گیا۔اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہ جہاں معاویہ ابن ابی سفیان اہل قراء کے اقدام کو فتنہ گیری اور اہل ذمہ کے اموال کو ہڑپ کرنے کا الزام عائد کرتا ہے۔یہی وہ معاملہ ہے جس پہ سعید بن العاص سے جھگڑا شروع ہوتا ہے اور وہ آپریشن شروع ہوتا ہے جو اشتر و یزید بن قیس شروع کرتے ہیں اور اس میں کئی گروہ ملوث ہوتے ہیں جن کی تعداد 500 سے ہزار سے لیکر 3000 ہزار تک چلی جاتی ہے اور پھر یہ گروہ سعید بن العاص کو معزول کرواتا ہے اور سواد کی زمینوں کا چارج سنبھال لیتا ہے۔ 3000 ہزار کی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ کوفہ کے قدیم باشندوں میں یہ بہر حال ایک اقلیتی گروہ کی پوزیشن تھی نا کہ یہ اکثریت کی رائے تھی۔اشتر اور دیگر اہل قراء حضرت عثمان ابن عفان کو ہٹائے جانے

کی مانگ کر رہے تھے جبکہ کوفہ کے اندر پہلے پہل آباد ہونے والوں کی اکثریت اس سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔تو یہ جو کوفہ کے قبائلی اشراف تھے انہوں نے اس مسئلے پہ غیر جانبدار ہونے کی پوزیشن لے لی تھی جب سعید بن العاص کو معزول کیا گیا۔یہ صورت حال اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کیوں حضرت ابوموسی اشعری نے سعید بن العاص کی جگہ گورنر بننے کی پیشکش اس شرط پہ قبول کی کہ اشتر اوران ک ساتھی حضرت عثمان کی اطاعت کریں جو ان کو ظاہر سی بات ہے ماننا پڑی تھی۔مزید یہ کہ کم ازکم دو لیڈر ران میں سے ایک جریر بن عبداللہ البجلہ تھے جو اپنے علاقے میں اپنے عہدوں کو چھوڑ کر اشراف قبائل کے کیمپ میں آگئے تھے اور انھوں نے ابوموسی اشعری کے گورنر کوفہ بن جانے تک روانگی اختیار نہ کی۔ہوسکتا ہے اس وقت وہ یہ سوچ کر مطمئن ہوں کہ کوفہ میں حالات عدم استحکام سے دو چار نہیں ہوں گے۔ 34 ہجری میں ایک باہمی سمجھوتہ قرار پا گیااور اس طرح سے ایک ایسا ماحول پیدا ہوا جس میں امیہ کا ڈائریکٹ کنٹرول ختم ہوا اور ایک علامتی اسلامی اتحاد بہر حال پھر بچالیا گیا۔ابوموسی اشعری کا کام اشتر گروپ،کوفہ کے اشراف قبائل کے اعتدال پسندوں اور علاقائی لیڈروں کے درمیان توازن برقرار رکھنا اور بیک وقت کوفیوں اور عثمان درمیان ثالثی کرانا بھی تھا۔سعید بن العاص کی معزولی سے کوفہ میں تھوڑا سکون ہوگیا تھا۔تاہم مصر میں بحران شدید ہو رہا تھا،وہاں پہ بھی حالات کوفہ جیسے ہی تھے جن سے بحران نے جنم لیا تھااور اسے مقامی طور پہ حل کرنا بہت دور کی بات تھی۔اور اس لیے یہ بحران مدینہ منتقل ہوگیا۔اور اس میں دوسرے غیر متاثرہ گروہ بھی شامل ہوگئے اور اس کا نتیجہ حضرت عثمان بن عفان کی (المناک) شہادت کی صورت میں نکلا۔

اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے لیکن یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ بعض کوفہ والوں نے اس میں شرکت کی۔اوپر جو سمجھوتہ کا کوفہ پہ اثر جو ظاہر کیا گیا اس میں اشتر گروپ گروپ کے بعض لوگوں کی جانب سے مستقل حل کے لیے حضرت عثمان ابن عفان سے ہی نجات پانے کی مبینہ کوشش کم حیران کن نظر آتی ہے۔حضرت عثمان ابن عفان کی شہادت کے بعد

حضرت حضرت علی علیہ السلام الکریم انصار اور مصر و کوفہ سے آئے باغیوں کی حمایت سے خلیفہ بنے۔ان کی مخالفت مکّہ میں مقیم قریش کے کئی ایک لوگوں کی طرف سے سامنے آئی۔ان میں سے کئی مہاجر صحابہ تھے، جو کہ اس سے پہلے خلافت اور اس کے صوبوں میں بظاہر تو اموی غلبہ کی مخالفت کرتے رہے تھے لیکن اصل میں وہ مجموعی طور پہ قریش کے غلبے کے حامی تھے۔ تصادم کا مرکز عراق منتقل ہوگیا۔ جہاں پہ مکّہ نے بصرہ کے علاقوں میں اپنے لیے قبائلی حمایت اکٹھی کی۔علی المرتضی علیہ السلام الکریم کوفہ گئے اور انہوں نے وہاں اپنے لیے حمایت حاصل کی اور انہوں نے مکّی - بصری اتحاد کو جنگ جمل میں شکست دے دی۔

شام میں معاویہ ابن ابی سفیان نے اپنا کردار اس دوران سست روی پہ مبنی رکھا۔جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کوفہ منتقل ہوئے تو ابو موسی اشعری نے کوفیوں کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام ہوگیا۔حضرت عائشہ صدیقہ کی خواہش پہ اس نے کوفہ والوں کو غیر جانبدار رہنے اور مکّہ سے آنے والوں کی مخالفت نہ کرنے کو کہا اور اس کا یہ موقف اسے مکّیوں کے حامیوں میں سے بنا گیا۔حضرت علی المرتضی 1000 افراد کے ساتھ کوفہ کے گردونواح میں پہنچے تو نو سے دس ہزار کوفہ سے لوگ ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔اور انھوں نے جنگ جمل میں بعد از اں مرکزی کردار ادا کیا۔ان نو سے دس ہزار میں سب سے زیادہ حصّہ کوفہ کے ان ابتدائی باسیوں کا تھا جو اشراف القبائل سے نہیں تھے اور پھر دوسرا حصّہ اشراف القبائل میں سے تھا اور ان میں بھی اعتدال پسند اور سرگرم کی ایک تقسیم نظر آتی ہے۔ جیسا کہ پہلے اوپر ذکر کیا گیا۔سیف نے ان کی تقسیم نفر اور اہل جماعت سے کی ہے۔اشعث اور جریر بن عبداللہ اس وقت اشراف القبائل کوفہ سے نہ تھے۔اور جنگ جمل میں وہ حضرت علی کے ہمراہ شریک نہ ہوئے۔اور نہ شی سعد بن قیس الھمد انی شریک ہوا جو کوفی اشراف القبائل میں سے تھا۔جنگ جمل کے بعد حضرت علی علیہ السلام الکریم نے کوفہ کا رخ کیا اور ان کے ہمراہ جنگ جمل میں ان کے ساتھ شریک کوفیوں کا لشکر بھی تھا اور حضرت علی علیہ السلام الکریم نے کوفہ میں آ کر خود ایک مضبوط عراقی فوج جس میں مرکزی کردار اہل کوفہ کا ہو تیار

کرنے کی بات کی جو معاویہ ابن ابی سفیان سے لڑنے میں ان کی مدد کرتا۔ شواہد جو موجود ہیں ان سے یہ نہیں لگتا کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم پہلے کوفہ کو دارالخلافہ بنانا چاہتے تھے کیونکہ جب وہ کوفہ میں آئے تو انہوں نے کوفہ میں دار القصر میں قیام نہیں کیا۔ حضرت علی کو قبائلی لیڈروں کی سپورٹ کے ساتھ ایک ایسی فوج کی ضرورت تھی جس کوفہ کے تمام بڑے مرکزی تشکیلی عنصر شامل ہوں لیکن وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان لیڈروں پہ چیک اینڈ بیلنس رکھنے کے لیے ایسے رہنماؤ بھی ہوں جن کی قوت اور اثر کو خود حضرت علی علیہ السلام الکریم نے بڑھایا تھا۔

اس موخر الذکر قسم کے لوگوں میں اشتر، حجر بن عدی الکندی اور عدی بن حاتم تھے۔ یہ تین اور دیگر جن کی پوزیشن حضرت علی نے مضبوط کی تھی سب کے سب قراءرہ چکے تھے۔ اور پھر سیف نے ان کو نفر کا نام دیا۔ الاشتر مدہیج قبیلے کا سردار بن گیا جس میں اس کے اپنے نخعی لوگوں کی تعداد بھی شامل تھی۔ نئے آنے والوں میں نخعی اور حارثیوں کے دو گروہ اور ان کے لیڈر شامل تھے جو مالک الاشتر کی قیادت میں جمع ہو کر حضرت علی کے ساتھی بنے۔ اشتر کی پوزیشن اس وقت مزید طاقتور ہوئی جب حضرت علی علیہ السلام الکریم نے ان کو جزیرہ کا والی بنا دیا۔ جبکہ حجر بن عدی الکندی کا جہاں تک تعلق ہے تو حضرت علی کے احکام ان کے ذریعے اشعث کے پاس پہنچائے گئے اور وہ صفین میں کندہ کے لیڈر بنائے گئے۔ حجر بن عدی کے ماتحتوں میں زیادہ تعداد ان کے قبیلے کندہ سے نئے آنے والوں کی تھی شاید کوفہ میں رہائش پذیر قبیلہ طئے کے لوگوں کی کمان عدی بن حاتم کو حضرت علی علیہ السلام نے سونپ دی جیسا کہ صفین کا ایک واقعہ ظاہر کرتا پھر حضرمی قبیلے کی ذیلی شاخ کے لوگ تھے جن سے زید بن حصین کا تعلق تھا اور وہ بھی حضرت عثمان ابن عفان کے زمانے میں ''قراء'' میں سے رہا تھا۔ اور صفین میں وہ ان ''قراء'' میں سے ایک تھا جو خوارج میں بدل گئے تھے۔

ایسے لیڈر جیسے اشتر، حجر اور عدی وغیرہ تھے انہوں نے اپنے حامیوں سے ملکر جو کیمپ تشکیل دیا اسے ہم حضرت علی علیہ السلام الکریم کا ہارڈ کور حامی کیمپ کہہ سکتے ہیں اور یہی

'شیعہ' کے لقب سے معروف بھی ہوئے۔ تاہم کوفیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسے قبائلی لیڈروں کے نیچے تھی جو نہ تو حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لیے وہ حمایت رکھتے تھے جو اول الذکر شیعہ گروپ کی تھی اور نہ ہی ان قبائلی لیڈروں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی آمد پہ ویسی گرم جوشی دکھائی تھی جیسے مالک واشتر وعدی و دیگر نے دکھائی تھی۔ بلکہ ان میں سب سے زیادہ طاقتور جو تھے یعنی اشعث اور سعد بن قیس الھمد انی وغیرہ وہ اس توازن کو حاصل کرنے میں روکاوٹ تھے جو حضرت علی علیہ السلام الکریم معاویہ ابن ابی سفیان سے لڑنے کے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اشعث صفین سے کچھ دیر پہلے تک تو الگ کھڑا رہا لیکن صفین کی جنگ میں وہ معاویہ ابن ابی سفیان کے خلاف حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لشکر میں اپنے ساتھیوں سمیت آکر مل گیا۔ اس کی اس قلابازی نے صرف یہی نہیں کیا کہ اسے اس وقت کے تمام طاقتور قبائلی لیڈروں میں سب سے طاقتور لیڈر بنا ڈالا جو کہ اس کا منشا بھی بلکہ اس کا یہ مفاد اس وقت تک پورا رہ سکتا تھا جب تک حضرت علی اور معاویہ ابن سفیان کے درمیان تنازعہ برقرار رہتا اور اس کا کوئی حل نہ نکلتا اور اس نے اس ڈیڈ لاک کو بنائے رکھنے میں پوری پوری کوششیں صرف کیں۔ جریر بن عبداللہ نے پہلے حضرت علی کے لیے رسمی حمایت کا اعلان کیا اور پھر وہ اس سے دست بردار ہوگیا اور غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ لیا۔ سعد بن قیس الھمدانی کو ھمدانیوں کا لیڈر رہنے کے لیے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی حمایت کا نقاب چڑھانا پڑا۔ کوفہ کے اشراف قبائل کے سرداروں میں سے کسی کو بھی معاویہ ابن سفیان سے لڑنے میں دلچسپی نہیں تھی۔ جب معاویہ ابن ابی سفیان سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے مذاکرات جاری تھے تو اس دوران کوفہ میں حضرت علی کے مخلص اور جانباز پیروکار بشمول اشتر و حجر وعدی وغیرہ کا اصرار یہ تھا کہ مذاکرات کا راستا ترک کیا جائے اور معاویہ ابن ابی سفیان سے براہ راست میدان جنگ میں اترا جائے۔

نوٹ: حضرت علی علیہ السلام الکریم کے حامیوں میں یمن سے آنے والے قبائلیوں کا ذکر اعثم کوفی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور اس نے ان لوگوں کے ناموں کی فہرست دی

ہے جنھوں نے حضرت علی کے ہاتھ پہ آ کر وفاداری کا حلف لیا تھا جب وہ ابھی مدینہ ہی میں تھے۔ اور پھر وہ بعد میں انہی لوگوں کے نام جنگ نہروان میں شہید ہونے والوں میں بھی درج کرتا ہے۔ جن قبیلوں سے یہ لوگ آئے تھے ان میں ارحابی، بجلی، کندی اور ھمدانی و نخعی شامل تھے اور حضرت علی علیہ السلام الکریم نے مالک الاشتر کو ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے بھیجا تھا۔ ان سب سے ملکر شیعان علی المرتضیٰ بنا تھا اور یہ آپ کے مخلص و جانباز پیروکار تھے۔

کوفہ میں قبائلی سردار تھے جنھوں نے آپ کو معاویہ بن ابی سفیان سے فی الوقت لڑائی نہ کرنے اور انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت علی کی کوفہ آمد کے بعد صفین میں لڑائی سے لیکر بعد میں ہونے والی عراق میں پیش رفت اور یہاں تک کہ آپ کی شہادت کے واقعہ تک یہ صف بندی ایسے ہی رہی۔ شیعی لیڈر حضرت علی علیہ السلام سے کہتے تھے کہ وہ معاویہ سے جنگ کریں اور وہ ثالثی کے بھی سخت ترین مخالف تھے اور انہوں نے حضرت علی سے پیمان وفاداری غیر مشروط طور پہ باندھا تھا۔ جبکہ اکثر قبائلی سردار معاویہ سے لڑنے کا بالکل ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ صفین میں بھی نہ چاہتے ہوئے گئے تھے۔ اور وہاں پہ انہوں نے امن کے لیے ثالثی کی شرط مان لی تھی۔ اگر چہ ہمیں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی مالیاتی پالیسیوں بارے بہت کم علم ہے لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں 'مساوات وعدل' بنیادی چیز تھی جو کہ بہرحال نئے آنے والوں کی حمایت شیعی لیڈروں کو ملنے کا سبب بنی اور یہ ایک بڑی وجہ تھی کوفہ کے اشراف قبائلی لیڈروں کی بے عملی اور دھوکے بازی کی اور ان کی بے عملی اور دھوکے بازی اس وقت زیادہ کھل کر سامنے آ گئی جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کی پوزیشن معاویہ ابن ابی سفیان کے مقابلے میں کمزور ہوگئی۔ اور صفین کے بعد تو حضرت علی علیہ السلام الکریم پھر کبھی ان کو معاویہ ابن ابی سفیان کے خلاف متحرک کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔

کوفہ میں تیسری اور آخری سیاسی پارٹی / گروہ / صف بندی ایسے 'قراء' تھے جو صفین کی جنگ کے موقعہ پہ خوارج بن گئے۔ ان لوگوں کا موقف کم و بیش وہ ہی ہو چکا تھا جو قراء نے

حضرت عثمان ابن عفان کے زمانے میں اپنا لیا تھا۔ان میں سے اگر سب نہیں تو کچھ قراء ضرور رہے تھے جیسے زید بن حسین تھا۔ یہ حضرت عثمان کے زمانے میں قراء میں سے تھا۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت علی کے زمانے میں جو قراء تھے وہ بہت زیادہ تھے جبکہ قراء ابتدائی زمانے میں کوفہ کے اندر قدیم باشندوں میں بہت چھوٹا سا گروپ تھا۔اور اس وقت اس گروپ میں اگر پرا پر کوفہ شہر سے باہر کے لوگ تھے بھی تو وہ سوادی زمینوں کے علاقوں سے تھے جبکہ صفین کی جنگ میں نہ صرف کوفہ سے بلکہ بصرہ کے علاقوں سے بھی لوگ اس میں شامل تھے۔صفین میں حضرت علی کے لشکر میں 25 قبائلی گروپ تھے۔اور جو بھی ان قبیلوں کا سردار بنایا گیا اس کے بننے یا ہٹنے پہ ہی وہ گروپ بطور گروپ رہتا یا تحلیل ہو جاتا تھا۔لیکن قرآء کو ہمیشہ الگ سے گنا جاتا رہا اور ان کو ان کی معین و مشخص حثیت میں قبیلوں سے جوڑا جاتا تھا۔ایک ازدی کا حوالہ ملتا ہے جو کہ ان قراء میں شامل تھا جو حضرت عمار بن یاسر کی کمان میں لڑ رہے تھے اور وہ آپ کے ساتھ ہی قتل ہو گیا اور اس کا ریفرنس نہ صرف ازدی قبیلے میں دیا گیا بلکہ اسے 'من قبیل قراءُ سے بھی ذکر کیا گیا۔گویا قراء کو نیم قبائلی حثیت کے طور پہ الگ سے ذکر کیا جاتا تھا۔

قراء پہلے پہل اپنے آپ کو حضرت علی کی طرف کرنے پہ رضامند نہ تھے۔لیکن ناگزیر طور پہ ان کو صفین جانا پڑا جہاں ان میں سے کچھ نے جنگ میں حصّہ لیا۔جب معاویہ ابن ابی سفیان نے قرآن نیزوں پہ اٹھایا اور ثالثی کی پیشکش کی تو ان کے کا جو مکمل طور پہ بدلا ہوا چہرہ وہ ہمیں صاف بتاتا ہے کہ وہ کیا چاہتے تھے۔ یہ جو تجویز آئی تھی جس کو امن کی دعوت کہا جا رہا تھا یہ دراصل حضرت علی علیہ السلام الکریم اور ان کے پیروکاروں سے کہیں زیادہ ان عراقیوں کو تھی جن کو معاویہ ابن ابی سفیان حضرت علی سے الگ کرنا چاہتا تھا۔اس نے کوفہ اور بصرہ دونوں میں پہلے سے ڈھلمل کوفہ اور بصرہ کے اشراف کو مخاطب کیا تھا اور ان کے مفادات کی لالچ ان کے سامنے رکھی تھی۔اور ہم دیکھتے ہیں کہ اشعث اور اس کے حامیوں نے فوری طور پہ اس دوت کا مثبت جواب دیا۔معاویہ ابن ابی سفیان کی تجویز یہ تھی کہ ایک ایک ثالث دونوں

اطراف سے آئے اور وہ کتاب اللہ پہ فیصلہ کریں اور اس نے تو کوئی خاص موضوع دیا ہی نہیں تھا کہ جس پہ ثالثی ہوگی۔اشعث جو کہ اس وقت معاویہ سے مذاکرات کر رہا تھا اسے اس ایشو سے کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں۔قرآء میں سے جو بعد میں خوارج بن گئے نے بھی اصرار کیا کہ وہ اس تجویز کو قبول کرلیں۔کیونکہ وہ اسے 'دعوت صلح' سمجھ رہے تھے۔لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ 'امن' سے مراد حضرت علی کو امیر المومنین ماننا ہے شامیوں اور عراقیوں دونوں کی جانب سے۔انہوں نے خود سے یہ فرض کرلیا تھا کہ جب سب انکو امیر المومنین مان لیں گے تو حضرت عمر کی طرح حضرت علی مدینہ لوٹ جائیں گے اور کتاب اللہ کو نافذ کریں گے جبکہ عراقی اور شامیوں کو اپنے مسائل خود دیکھنے دیں گے۔تو وہ ایمرالمومنین کو ایسے کام کرتے دیکھنا چاہتے تھے جیسی ان کی خواہش تھی۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم کے کیمپ میں اس بات پہ اختلاف رونما کہ ثالث کون ہوگا اور یہ اختلاف اصل میں اس حقیقت کے سبب نکلا تھا کہ حضرت علی ایسا ثالث چاہتے تھے جو ان کی نمائندگی کرتا جبکہ باقی کوفہ والے سوائے شیعان علی کے چاہتے تھے کہ ثالث ایسا ہو جو ان کی نمائندگی کرے۔شیعان علی و حضرت علی کو چھوڑ کر باقی کوفہ والے ابوموسی اشعری کو ثالث بنانے پہ مصر تھے۔معاویہ اور حضرت علی کی جانب سے مذاکرات کرنے والوں نے ثالثی کی جس تجویز کی دستاویز پہ دستخط کیے اس پہ 'یصلح بین الامۃ (صلح امت) کے لفظ لکھے تھے اور ان کے فیصلے کی سب کو پابندی کرنے کو لازم قرار دیا گیا تھا۔لیکن اس سے ہٹ کر دو نئی شرائط بھی اس دستاویز میں ڈال دی گئیں ایک تو اس میں 'حضرت علی کو متفقہ طور پہ امیر المومنین مان لینے کا ذکر نہیں تھا اور دوسرا یہ کہ ثالث قرآن اور سنت سے آگے جا کر ایسی دلیل جو اچھی ہو اور جامع ہو اور تفریق کرنے والی نہ ہو کو بھی ثالثی کی بنیاد مان لیا گیا۔

نوٹ: شفیق بن سلمہ جو گروہ حامیان ثالثی تھا نہ کہا کہ دستاویز میں 'سب کے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام الکریم' لکھا جائے تا کہ قران پاک کا حکم اپنے مقررہ جگہ نافذ ہو۔

اس بات نے سبھی کوفی قبائلی لیڈروں کو بھی پریشان کر دیا تھا جو کہ لڑائی سے گریزاں

تھے لیکن قراء کے لیے دستاویز میں یہ دو نئے پہلوؤں کا آنا صورت حال کو اور پیچیدہ بنا رہا تھا۔ نہ صرف یہ کہ سب نے حضرت علی کو خلیفہ تسلیم نہ کیا بلکہ کتاب اللہ کو مطلق حاکم ماننے پہ بھی سمجھوتہ کرلیا گیا اور اس سے یہ ثالثی ان کے نزدیک بے معنی ہوگئی تھی۔ اسی طرح سنت اور اجماع کا فقرہ بھی واضح نہیں تھا اور اس سے تو ایسے لگتا تھا کہ اس سے مراد وہ ہے جو معاویہ ابن ابی سفیان اور شامی چاہتے تھے۔ اگرچہ ایسا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ ایسا ہی معاویہ ابن ابی سفیان کا مقصد تھا سنت و اجماع کا لفظ بڑھا کر مگر قراء بہرحال یہی سمجھ رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سے اتحاد نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے قراء نے حضرت علی سے اس معاہدے سے دستبردار ہونے کو کہا۔ لیکن حضرت علی ایسا نہیں کر سکتے تھے جب تک قبائلی لیڈر دستبرداری کی حمایت نہ کرتے۔ قراء نے اس موقعہ پہ قراء میں سے لوگوں نے اس ثالثی کی مخالفت کی بنیاد کتاب اللہ پہ ثالثی پہ سمجھوتہ کرنے کو بنایا اور انہوں نے 'الحکم الا اللہ' کا نعرہ لگا دیا۔ اس نعرے کی دوہری اہمیت تھی ایک یہ کہ حضرت علی معاویہ کے خلاف جارحانہ رویہ واپس لائیں اور دوسری یہ تھی کہ جب انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو انہوں نے آپ کو امیر المومنین ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانے میں ان تینوں سیاسی صف بندیوں بارے جو کہا گیا وہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور اس میں سے کچھ باتیں ہی باقی رہ گئیں ہیں۔ جب حضرت علی علیہ السلام الکریم قصر کوفہ میں داخل ہوئے تھے اس کا ایک نتیجہ کوفہ کی جو اس سے پہلے خودمختاری تھی اس کا سوال بھی حل ہوگیا تھا۔ تو زیادہ تر مخالفین ثالثی حروریہ کے مقام پہ جمع ہوئے تھے تو ان کو حروریہ بھی کہا گیا۔ ان کو اہل محاکمہ بھی کہا گیا۔ ان میں جو سب سے اہم شخصیت تھی وہ کوئی اور نہیں بلکہ یزید بن قیس الارہابی کی تھی اور اس کو حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اصفہان اور رے کا والی دے کر رام کیا گیا اور باقی کے حررویہ کا زور بھی وقت کے ساتھ ٹوٹ گیا۔

لیکن حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لیے کم اہمیت کے حامل کوفہ کے قدیم باشندوں کو ایسے عہدوں پہ تعینات کرنا ممکن نہیں تھا جس سے وہ آپ کے جانباز شیعہ

پیروکاروں جیسے ہوجاتے اور ان کی صفوں میں شامل ہوتے اور ان کو بھی اس تک لانا ممکن نہیں تھا جن کے عہدے اور مقام اس طریقے سے تیار نہیں کیے گئے تھے کہ وہ پولیٹکل کنٹرول حاصل کر پاتے۔ حضرت علی علیہ السلام الکریم کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے 'الحکم الا اللہ' والا نعرہ سنا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ 'یہ کلمات بالکل درست ہیں لیکن ان سے جو مراد لیا جارہا ہے وہ غلط ہے' جو کہتے ہیں اس سے مراد کوئی امارت نہیں ہے غلط ہے بلکہ اس سے مراد امیر ناگزیر ہے۔ اور جن کو حاکمیت اللہ کا منکر کہا گیا وہ وہ ہیں جو امیر کی اطاعت ترک کرتے ہیں جس کے زریعے سے اتحاد قائم ہوتا ہے۔ منکران اطاعت امیر جسر نہروان میں اکٹھے ہوئے اور پھر ان خوارج کو ان کے اپنے ہم قبیلہ لوگوں کی طرف سے روکنے کی کوشش کی گئی کچھ تو لڑنے سے باز آگئے اور دوسروں کو لڑائی کرکے باز لایا گیا۔ اور ان باغیوں سے نمٹنے کے انتظامات شیعی لیڈروں نے ہی کیے تھے۔

سخت تناؤ اور مشکل کے اس وقت میں شیعی کیمپ نے ہی حضرت علی سے غیر مشروط حلف وفاداری کا پاس رکھا۔ اس دوران ثالثی بھی 'خون عثمان کی ذمہ داری کس پہ ہے اور کون خلیفہ ہوگا، جیسے بے ثمر بحث کے سبب بے نتیجہ رہی۔ اور معاویہ ابن ابی سفیان نے جو عراقیوں کو تقسیم کرنے کی کوشش کی تھی وہ کامیاب ہوگئی اور کچھ بھی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ جب یہ سب واضح ہوگیا بو حضرت علی پھر معاویہ ابن ابی سفیان کے خلاف لڑے کے لیے مارچ کرنا چاہتے تھے لیکن اس موقعہ پہ وہ جتنی فوج اکٹھا کر پائے اس سے نہروان میں جمع خوارج سے مقابلہ کیا جاسکتا تھا تو توجہ اس طرف موڑ دی گئی۔ خوارج نے مذاکرات سے انکار کیا اور علی المرتضی کے پاس نہروان میں جا کر جنگ لڑنے کے اور کوئی آپشن ہی نہ رہا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان کے ساتھ اگر حضرت عمر کے زمانے جیسا سلوک کیا جائے تو وہ بات چیت کے لیے تیار ہیں۔ ان کو جنگ میں شکست دے دی گئی اور 400 کے قریب جنگ میں زخمی پائے گئے اور ان کو ان کے قبیلوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت علی معاویہ ابن ابی سفیان کے خلاف لشکر کشی چاہتے تھے لیکن اشعث اور دوسرے قبائلی لیڈروں نے ان کو کوفہ واپس لوٹنے

پہ مجبور کر دیا۔وہ تو بس کوفہ میں اپنے قبیلوں کی سرداری کو محفوظ بنانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

اگر خوارج کے قبیلوں کے ناموں جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ سب کے سب وسطی اور شمال مشرقی عرب سے آئے تھے۔زیادہ تر کا تعلق بنو بکر اور بنو تمیم سے تھا اور یہ عراق سے ملحقہ عرب علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔وہ ان ابتدائی آنے والے باشندوں میں سے تھے جن میں سے اکثر کے کوفہ شہر والوں سے گہرے سمبندھن نہ تھے بلکہ وہ مفتوحہ علاقہ میں شتر بے مہار پھرتے رہے اور یہ حالت اس وقت تک رہ جب تک ان کو سختی سے قابو میں لانے کی کوشش نہ ہوئی۔یہاں پہ تمیمی برادران کی مثال دی جاسکتی ہے۔ان کے نام ہلال اور المستورد جو الافہ کے بیٹے تھے۔ہلال نے بنو ربیعہ کے کچھ سپاہیوں کے ساتھ ملکر قادسیہ کی لڑائی میں بویب کے مقام پہ شرکت کی تھی اور مستورد نے بھی بنو تمیم کے لوگوں کے ساتھ ملکر شاید قادسیہ کے مقام پہ لڑائی لڑی تھی۔ان دونوں کا اس کے بعد زکر نہیں ملتا اور پھر نہروان کی جن میں ان کا ذکر آتا ہے جب المستورد خارجیوں کی طرف سے تھا اور وہ بچ نکلا تھا۔ہلال کی بغاوت کے بعد مسابدان مابعد نہروان جنگ کے مقامات لڑائی میں سے ایک میں نظر آیا۔اسے شیعی تمیمی لیڈر مقبل بن قیس الرحاحی نے قتل کیا۔40 ہجری میں المستورد نے ایک اور خوارجی بغاوت میں حصّہ لیا۔تو حضرت علی علیہ السلام الکریم (ان اسباب کی وجہ سے) نہ تو اس وقت کی ضرورت کے مطابق ایسی قبائلی ایڈمنسٹریشن مقرر کر سکے جو ان چیلنجز کا مقابلہ کر پاتی اور نہ وہ اسلامی سبقت کے اصول کو شرف بنا کر وسائل کی تقسیم کے باب میں نافذ کرنا چاہتے تھے۔بلکہ انھوں نے اسلامی عدل ومساوات کا ایک ایسا سماجی ضابطہ متعارف کرانے کی کوشش کی جو اس زمانے کی قبائلی تنظیم کاری میں بہت زیادہ 'مثالیت پسندانہ اور یوٹوپیا' لگ رہا تھا۔اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو شامیوں کا دباؤ بہت بڑا تھا جبکہ دوسری کوفی اشراف اشعث الکندی کی طرح ایک اور ہی انتہا پہ کھڑے تھے جبکہ خوارج بھی بہت پرے کھڑے تھے اور ایسے میں حضرت علی ان کے سامنے جو حل رکھ رہے' اسلامی عدل ومساوات' پہ مبنی سماج کا وہ ان کی خواہش نہ تھی۔

جب معاویہ ابن ابی سفیان کوفہ پہ قابض ہوا تو نہ تو وہ کسی سمجھوتے کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا اور نہ اسے اس کی کوئی ضرورت تھی۔اس نے سماجی نظم کو قبائلی بنیادوں پہ تعمیر کیا اور ہر اس فرد کو استعمال کیا جو کسی قبیلہ کے اندر سرداری پہ فائز تھا۔وہ سبقت اسلامی کی عظمت بارے زبانی جمع خرچ کر دیا کرتا تھا۔سواد عراق میں جو صوادف زمینیں تھیں جنکی حثیت حضرت علی کے زمانے میں کیا تھی ہم اس بارے کچھ نہیں جانتے لیکن معاویہ ابن ابی سفیان کے دور میں ان کو خلیفہ کی ملکیت قرار دے دیا گیا۔حضرت علی علیہ السلام الکریم نے حضرت عمر کے طریقہ تقسیم وظائف کو کس حد تک تبدیل کیا تھا یہ بھی ابھی تک نامعلوم ہے لیکن معاویہ ابن ابی سفیان کے دور میں کس کو کتنا ملے گا اس کا تعین معاویہ ابن ابی سفیان کی صوابدید پہ تھا۔معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانے میں اشراف القبائل کوفہ میں سب سے برتر سماجی رتبے کے حامل تھے۔پھر جو حضرت عمر کے نزدیک سبقت اسلام کی بنیاد پہ شرف وعزت والے تھے اور وہ شہر پہ غلبہ برقرار رکھنے کی لڑائی کرتے تھے وہ اس ٹاپ پہ بیٹھی قبائلی اشرافیہ کی مخالفت کررہے تھے۔وہ آہستہ آہستہ اس نظام سے سمجھوتے پہ مجبور کیے گئے۔پھر کوفہ میں اس زمانے میں وہ لوگ تھے شہر میں جن کو ہم حضرت علی علیہ السلام الکریم کے سماجی نظم وضبط کا وارث کہہ سکتے ہیں جو ایک مساوی اور عادلانہ سماجی نظم وضبط کو ایک مثالی نظام خیال کرتے تھے۔اور یہ نہ تو کوفہ کے قبائلی اشراف میں سے تھے اور نہ ہی مدنی ومکّی حجازی قبائلی اشراف میں سے تھے۔

ضمیمہ سوم

مکتوب ٹھٹھہ سندھ

❖

ایک سنّی سکالر مفتی محمد ہاشم قادری ساکن ٹھٹھہ سندھ نے میری کتاب 'کوفہ: فوجی چھاؤنی سے سیاسی سماجی تحریکوں تک' پڑھنے کے بعد مجھے ای میل کی۔ میں اس ای میل کے مندرجات یہاں پہ درج کررہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوات و السلام علیک یارسول اللہ وعلیکم یا اہل بیتہ۔امابعد

پیارے دوست محمد عامر حسینی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کی کتاب' کوفہ: فوجی چھاؤنی سے سیاسی سماجی تحریکوں کا مرکز بننے تک ※ میں نے صدر کینٹ ملتان میں ایک دکان سے حاصل کی تھی۔میں مدرسہ خیر المعاد میں ایک جلسے میں شرکت کے لیے آیا تھا تو ایک دوست کی وساطت سے کتابوں کی اس دکان تک پہنچا۔وہاں پہ آپ کی کتاب پہ نظر پڑی۔مجھے موضوع بہت اچھوتا سا لگا۔سچی بات یہ ہے جب میں نے اس کتاب کا فرنٹ ٹائٹل دیکھا تو میرے ذہن میں یہ تھا کہ شاید کسی شیعہ مصنف کی کتاب ہے۔لیکن کتاب کے بیک کور ٹائٹل پہ کوفہ بارے درج اقوال کو پڑھ کر میں تھوڑا اٹھکا اور جب میں نے اندر آپ کا لکھا دیباچہ پڑھا تو مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔کیونکہ مولانا شوکت سیالوی صاحب کو میں اس دور سے جانتا ہوں جب وہ جامعہ نظامیہ لاہور پڑھتے تھے۔میں ان

دنوں تخصص فی الفقہ کرنے منہاج القرآن یونیورسٹی آیا ہوا تھا۔اور اکثر جامعہ نظامیہ جایا کرتا تھا۔ یہ کتاب میں نے پڑھنا شروع کی تو پھر اسے ختم کیے بغیر نہ چھوڑا۔ ہماری گاڑی کب رحیم یار خان کے قریب سے گزری مجھے کچھ پتا نہ چلا۔اور جب یہ کتاب میں نے ختم کرلی تو مجھے ایسے لگا جیسے میں کوئی درس سن رہا تھا۔ مجھے کتاب کے اتنی جلدی ختم ہو جانے کا بہت ملال ہوا۔ بہرحال اس کتاب میں آپ نے جو اشارے اور حوالے دیے تھے ان میں سے کچھ کو میں نے حاصل کرلیا اور ان کو پڑھنے کے بعد آپ کو بے اختیار ایک بار پھر داد دینے کو دل کیا۔اردو میں بلاشبہ ایسی کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ کتاب واقعی ایک بڑی ریسرچ اور تحقیق کی بنیاد بن سکتی ہے۔میں اس کتاب کے حوالے سے کچھ نکات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں:

(۱) سلیمان بن صرد الخزاعی سنّی اور شیعہ دونوں مکاتب فکر کی جلیل القدر شخصیت ہیں اور دونوں مکاتب فکر ان کی عظمت پہ متفق ہیں۔اسماء الرجال کی جتنی کتب ہیں سب میں سلیمان بن صرد الخزاعی کو جلیل القدر تابعی اور انتہائی زاہد، پرہیزگار اور قراء اہل کوفہ میں شمار کیا گیا ہے۔اور ان سے نہ صرف بخاری و مسلم، نسائی و ابو داؤد، ابن ماجہ و ترمذی سب نے روایات درج کیں ہیں بلکہ معجم طبرانی و مستدرک للحاکم، مسند امام احمد بن حنبل میں بھی ان سے روایات نقل کی گئی ہیں۔ان عالم کا کہنا ہے کہ اصول درایت و روایت کے تحت بہت سے دلائل ایسے سامنے آتے ہیں جن کی بنا پہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن اثیر اور طبقات ابن سعد کی روایت سے آگے چلنے والا یہ الزام کہ سلیمان بن صرد الخزاعی سمیت کبّار حامیان اہل بیت نے امام حسین کو خط لکھ کر بلایا اور پھر ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ ان کو قتل ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دیا ایک غلط الزام ہے اور اغلب حقائق یہ ہیں کہ صرد الخزاعی سمیت 400 افراد ایسے تھے جو کبّار شیعان علی المرتضی تھے اور وہ سب جیلوں میں پڑے تھے بڑی تعداد میں محبان اہل بیت کے ساتھ۔ سلیمان بن صرد الخزاعی اور ان کے ساتھ دیگر کبار محبان اہل بیت کے الفاظ ہائے ندامت جو درج ہیں ان کی غالب توجیہہ یہی بنتی ہے کہ ان کبّار حامیان کو اس بات پہ ندامت اور

شرمندگی تھی کہ یہ عبید اللہ بن زیاد کی آمد سے قبل کوفہ میں ایسے اقدامات نہ کر پائے جس سے یہ عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ داخل ہونے سے روکتے اور جو قادسیہ سے لیکر بصرہ و شام تک جانے والی سرحدوں کی ناکہ بندی ہوئی اسے نہ ہونے دیتے اور کوفہ میں جیسے حامیان اہل بیت کو گرفتار، غیر مسلح اور کوفہ سے باہر نکلنے سے محروم کیا گیا وہ سب نہ ہوتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو کوئی دھوکا دیا تھا۔

(۲) آپ نے کوفہ کی قبائلی تقسیم اور ان کے رجحانات پہ کافی سیر حاصل بحث کی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن میں آپ کوفہ شہر کی نظریاتی تقسیم کا ایک خلاصہ شامل کریں اور بتائیں کہ کوفہ کے اندر ولید بن عقبہ، سعید بن العاص کی گورنری کے زمانوں میں ایک بہت بڑی تعداد بنو امیہ کی حامی ہو چکی تھی اور اس حامی تعداد کے خلاف ہی تو ان لوگوں نے تحریک چلائی تھی جن کو خود گورنر کوفہ سعید بن العاص نے امیر شام معاویہ ابن ابی سفیان کو خط لکھ کر اہل قراء قرار دیا تھا۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو کوفہ کے اندر بے راہ روی، ناانصافی، ظلم وستم اور طبقاتی اونچ نیچ کے خلاف تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ ان کو ہی حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اپنی حکومت میں مرکزی عہدے دیے تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو صلح امام حسین پہ سخت مضطرب ہوئے تھے لیکن خیال رہے کہ امام حسن کو 'مذل المسلمین' ※ کہہ کر بلانے والے سلیمان بن صرد الخزاعی نہ تھے۔

(۳) اگر بغور دیکھا جائے تو کوفہ میں سے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھنے والوں کو ہم دو بڑے گروپوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

شیعان علی المرتضیٰ:

سلیمان بن صرد الخزاعی
المسیب بن نجبہ الفزاری
رفاعہ بن شداد البجلی
حبیب بن مظاہر الاسدی و دیگر

شیعان بنو امیہ:

حجار بن أبجر العجلی

عمرو بن الحجاج الزبیدی

یزید بن الحارث بن رویم الشیبانی

شبث بن ربعی التمیمی

عزرہ بن قیس الأحمسی

محمد بن عمیر التیمیم

یہ جو بنو امیہ کے ساتھ تھے ان کا مقصد امام حسین کو کوفہ بلانے کا یہ تھا کہ یہ ان کو شامی افواج کے ہاتھوں قتل کروائیں اور اس پہ بنو امیہ والوں سے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہر جائیں۔ یہ واقعی وہ لوگ ہیں جن کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے امام حسین کو خط لکھے اور پھر ان کے قتل میں شریک ہو گئے۔ تو یہ نواصب تھے اور ان کا کوئی تعلق اہل بیت کے مخلص اور محب شیعہ سے نہیں تھا۔ یہاں پہ ایک بات اور طے ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد کے دور تک آتے آتے بہرحال کوفہ میں اہل بیت کے حامیوں کی تعداد جن کو ہم اہل بیت کے انتہائی مخلص افراد کہہ سکتے ہیں چار میں سے دو کی رہ گئی تھی۔ اور عبیداللہ ابن زیاد کی سختیوں اور اقدامات کے بعد تو کوفہ میں پونے چار حصّہ بس نواصب اور ایسے لوگوں کی تھی جو 'غیر جانبداری' کا ڈھونگ رچا کر بیٹھے تھے۔

(۴) اگر آپ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے وقت کے حالات سے لیکر دور مرتضوی اور اس کے دور امام حسن اور پھر امیر شام معاویہ ابن سفیان کی ملوکیت کے زمانے تک آتے آتے اہل علم جن میں کچھ صحابہ کرام بھی شامل تھے کی رائے اس سارے دور کے بارے میں یہ بنی کہ یہ فتنہ وفساد کا دور ہے اور یہ ایسا دور ہے جس میں حق کس طرف ہے اس کا تعین مشکل ہے تو کسی بھی طرف کا ساتھ نہ دیا جائے اور الگ تھلگ ہو کر بیٹھا جائے۔ حجاز میں ہمیں حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمان بن ابی بکر، کوفہ میں ابو موسی

اشعری اسی نکتہ نظر کے حامی نظر آتے ہیں۔اصل میں صحابہ کرام کا ایک گروپ اسے بجائے باغی و امام برحق کے درمیان لڑائی کی بجائے انتہائی سادہ طور پہ مسلمانوں کے درمیان قتال کے طور پہ لے رہا تھا۔صحابہ کرام کے اس غیر جانبدار گروہ کی رائے میں ایک بدلاؤ جنگ جمل کے دوران پیش آئے واقعات سے آیا اور دوسرا بدلاؤ جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر کی شہادت کے بعد آیا۔اور کئی ایک غیر جانبدار صحابہ کرام نے اس طرح سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بعیت کر لی۔خاص طور پہ حجاز اور کوہ کے غیر جانبدار رہنے والے صحابہ کرام۔لیکن یہ معاملہ امیر شام کی وفات کے بعد یزید کی جانشینی کے خلاف اٹھنے والی تحریک کے موقعہ پہ ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا۔اور اس مرتبہ ایسے آثار موجود ہیں جو اس میں بنوامیہ کے گورنر اور عمال کا ہاتھ بھی غیر جانبدار کیمپ کو مضبوط کرنے میں ملوث ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔کوفہ میں قاضی شریح بہت واضح اور نمایاں انداز میں غیر جانبدار کیمپ کا نظریہ ساز بنکر ابھرا۔اس نے اس صورت حال کو فتنہ سے تعبیر کیا اور اس میں بیٹھے کو کھڑے سے اور لیٹے کو بیٹھے سے بہتر قرار دیا۔اور بعد از اں یہ روش کہ ملوکیت سے کوئی لڑائی نہ کی جائے اور غاصب حاکموں کے خلاف لڑائی نہ کی جائے کہ اس سے بہت قتل و غارت گری ہوتی ہے جیسا نظریہ فقہ کی کتب میں اہم ترین نظریہ بن کر سامنے آیا۔

تو اس ساری تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جہاں کوفہ میں نواصب حامیان بنوامیہ کا گروہ تھا تو وہیں کوفہ میں قاضی شریح جیسے لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر لوگوں کا بھی ایک کیمپ تھا جو قیام امام حسین اور اس کے خلاف کارفرما بنوامیہ اور اس کے نواصب کے گروہ کے درمیان لڑائی میں غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ کر کھڑا ہوگیا۔ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔یہ بھی یاد رہے کہ اہل حجاز میں سے عبداللہ بن عمر ہمیں ایک بار پھر یزید کی جانشینی کے معاملے میں پہلے خاموشی کے راستے پہ چلتے نظر آئے اور جب اہل حجاز نے یزید کے خلاف قتل حسین کی پاداش میں بغاوت کی تو عبداللہ بن عمر نے اسکی مخالفت کی۔اس سے ہمیں بہر حال یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نام سے بعد میں جس مکتب فکر

کی بنیاد مسلم عرب معاشروں میں سامنے آئی اس میں بھی ایک گروہ تو وہ تھا جسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اصل میں اہلسنت سے کوئی تعلق سرے سے نہیں تھا اور نہ ہے وہ نواصب کا گروہ ہے جو بنوامیہ کا حامی ہے۔اس گروہ نے اگرچہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کو چوتھا خلیفہ راشد تو تسلیم کیا لیکن اس کے ہاں بین السطور ہمیں مائل بہ ناصبیت رویہ نظر آیا جب بھی اس نے اہل شام اور بقیہ بلاد اسلامیہ کے درمیان لڑائی کے معاملے پہ بات کی۔دوسرا اس کی ناصبیت کھل کر قیام امام حسین کے معاملے میں سامنے آئی کہ اس نے امام حسین کا موازانہ یزید سے کیا اور قیام حسین بارے شکوک وشبہات پھیلائے۔اور سب سے بڑھ کر اس نے الٹا حامیان حضرت علی علیہ السلام الکریم کی کردارکشی کی اور ان کو ہی خون امام حسین کا ذمہ دار ٹھہرادیا۔اہل سنت میں دوسرا گروہ وہ ہے جس نے خلافت راشدہ کی مدت 30 سال بشمول دور امام حسن مانی اور اس کے بعد کے دور کو دور ملوکیت قرار دیا اور یزید کے خلاف امام حسین کے قیام کو بالکل درست قرار دیا اور اس گروہ نے اپنے آپ کو ان لوگوں سے جوڑا جو حضرت علی علیہ السلام الکریم، امام حسن و امام حسین اور بعد ازاں دیگر آئمہ اہل بیت کے ساتھ رہے۔ہم ان کو اہل سنت علویہ قرار دے سکتے ہیں۔یہ اہل سنت علویہ ہی بعد میں جمہور اہلسنت قرار پائے اور جمعہ وعیدین کے خطبات میں خلفائے راشدین کے فوری بعد خدیجۃ الکبری، فاطمہ سلام اللہ علیہا، امام حسن وحسین علیہما السلام کا ذکر اہل سنت علویہ کے جمہور ہونے پہ دلالت کرتا ہے۔

اہل سنت علویہ وہ ہیں جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم سے لیکر امام مہدی تک کو سیاست وسماجیت میں اپنے آئمہ قرار دیا ہے اور ان کو روحانیت اور باطنی تزکیہ میں وسیلہ مانا ہے اور ان کے مدمقابل کسی کی نہ تو سیاسی امامت تسلیم کی ہے اور نہ ہی روحانی قیادت تسلیم کی ہے۔اور کوفہ کی اگر کوئی میراث بنتی ہے تو وہ یہی ہے۔

(۵) کوفہ کی علمی وسیاسی و باطنی سیادت وقیادت کا جب بھی سوال ہوگا اور یہ سوال کیا جائے گا کہ کوفہ کی میراث ہے کیا؟ تو اہل سنت علویہ کے ہاں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اس شہر کی پہلی میراث عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، حذیفہ

الیمان،سلمان فارسی جیسوں کے پاس تھی اور شہادت عثمان کے بعد باب مدینۃ العلم خود یہاں تشریف لے آئے اور ان کے ہمراہ آنے والوں میں عمار یاسر بھی تھے اور ان کی قیادت میں ہی کوفہ میں علم و سیاست کی عمارت تیار ہوئی اور اسے ہم نے بہت واضح انداز میں فقہ امام جعفر الصادق،فقہ امام ابوحنیفہ،فقہ امام اوزاعی کی شکل میں ابھرتے ہوئے دیکھا۔کوفہ کی علمی عمارت ہو یا سیاسی تحریک کی عمارت ہو جس کی تعمیر میں کوفہ کے اہل قراء جن کے سردار حجر بن عدی،مالک الاشتر،میثم تمار،حبیب ابن مظاہر الاسدی،سلیمان بن صرد الخزاعی،عدی بن حاتم اور دیگر ہو نے تعمیر کی تھی ہی اصل میراث ہے۔کوفہ پہ قابض بنوامیہ ان کے حامی نواصب اور نام نہاد غیر جانبدار حامیان قاضی شریح کوہ کے وارث نہیں ہیں۔اور ان سے ہی کوفہ کو جاننا اور پہچاننا کوفہ کی تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔

(۶) کوفہ میں سیاسی بنیادوں پہ تقسیم کا جائزہ لینے والوں کو ولید بن عقبہ،سعید بن العاص،زیاد اور عبیداللہ ابن زیاد اور پھر حجاج ثقفی کی گورنری کے ادوار کا ایک جامع تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سارے گورنر انتہائی طاقت ور تھے۔اور بغور جائزہ لینے سے پتا چل سکتا ہے کہ زیاد کیونکہ حضرت علی کے زمانے سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے مخلص حامیوں سے بہت اچھے سے واقف تھا اور اس کی مدد سے اور عراق میں دمشق کے پھیلائے جاسوسی کے مربوط نظام کی مدد سے علوی تحریک کو کچلنے کی ہر ایک بھرپور کوشش کی گئی اور اگر ہم امیر شام سے لیکر یزید کے زمانے تک کوفہ پہ ہوئے جبر اور زیادتیوں کی ایک تصویر بنا سکیں تو ہم بہت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ علوی تحریک بہت سخت جان واقع ہوئی اور اس نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں زبردست مزاحمت دکھائی اور اس مزاحمتی تصویر کو ہی حامیان بنوامیہ نے بگاڑنے اور مسخ کرنے کا کام کیا۔علوی تحریک کے جو ہیرو اور سورما تھے ان کو ولن بنا کر یا بزدل بنا کر دکھانے کی کوشش کی گئی۔آپ نے یقینی طور اس امر کا ادراک کرلیا۔

آخر میں آپ کو ایک انتہائی اہم بات بتانا چاہتا ہوں۔اور وہ یہ ہے کہ کبھی آپ کو وقت

میسر ہو تو زرا اس بات کا جائزہ بھی لیجیے گا خود صحاح ستہ میں بخاری اور مسلم کے اندر جو بخاری و مسلم کے شیوخ یعنی اساتذہ ہیں ان کی کوفہ، بصرہ اور مدینہ کے حوالے سے ایک تقسیم کر کے دیکھیے گا تو آپ پہ یہ زبردست انکشاف ہوگا کہ بخاری نے اپنی کتاب میں 11 فیصد روایات کوفی شیوخ سے اور 6 فیصد مدنی شیوخ سے حاصل کیں جبکہ بن ہام صادغی نے مصنف ابن ابی شبیہ اور مصنف عبدالرزاق کا اس طرز پہ جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ان کے ہاں بھی اسناد میں کوفی شیوخ مدنی شیوخ سے زیادہ ہیں۔اور بن ہام صادغی کے ایک شاگرد نے موطاء امام مالک کا موازنہ کوفہ اور بصرہ کے فقہاء کے درمیان 22 مسائل پہ اختلاف سے کیا تو اسے پتا چلا کہ امام مالک نے ان مسائل پہ ایک درمیانی راہ اختیار کی اور وہ قدیم کوفی اور بصری آراء کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلم عرب تہذیب کی علمی بنیادوں میں کوفہ کا حصّہ اتنا زیادہ ہے کہ اگر اسے نکال دیا جائے تو پیچھے بچتا ہی کچھ نہیں ہے۔

آپ نے کیونکہ ایک فراموش کردہ بحث کو پھر سے زندہ کیا ہے تو لازمی امر ہے جنھوں نے ایک لمبے عرصے تک اس بارے میں یک طرفہ نکتہ نظر ہی سنا ہے تو وہ اس کو ایک اچھنبے کی صورت دیکھیں گے۔لیکن مجھے نجانے کیوں یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ نے علوی کیمپ پہ ڈالی گئی جس گرد کو صاف کیا ہے اور اس تحریک کے عظیم سپاہیوں کو جیسے گمنامی یا بدنامی سے نکال کر باہر اہل حق کی صف میں کھڑا دکھایا ہے اس سے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جناب علی المرتضٰی اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا، اور حسنین کریمین اور امام حسین علیہ السلام کی بہادر بہن حضرت زینب بنت علی المرتضٰی اور دیگر آئمہ اہل بیت آپ سے خوش ہوں گے۔

والسلام

احقر ہاشم رضا قادری

ساکن ٹھٹھہ سندھ

ضمیمہ چہارم

واقعہ نہروان پر اہل کوفہ کا موقف اور پیش آمدہ واقعات

ایاد عبد الحسین الخفاجی

نوٹ: کوفہ یونیورسٹی کے کلیۃ التربیۃ للعلوم الانسانیۃ/ کالج برائے علوم الانسانیہ/ ہیومنیٹیز کے ریسرچ اسکالر ایاد عبد الحسین الخفاجی کا ایک تحقیقی مضمون جامعہ کوفہ نجف اشرف عراق کے علمی مجلہ جامعہ کوفہ کی جلد 15 اور شمارہ نمبر ایک دو ہزار سترہ میں شایع ہوا- اس مضمون کا عنوان ہے 'واقعہ نہروان پر اہل کوفہ کا موقف اور بعد میں پیش آنے والے سیاسی واقعات' یہ مضمون مجھے اس لیے اہمیت کا حامل محسوس ہوا کہ ایاد عبد الحسین الخفاجی نے اس مضمون میں واقعہ تحکیم کے بعد کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی حمایت کرنے والوں کی تعداد اور ان کے کردار پر روشنی ڈالی ہے، جس سے یہ جاننے میں مدد ملتی ہے کہ یہ جو عمومی تاثر پایا جاتا ہے کہ حضرت علی کی واقعہ تحکیم کے بعد کوفہ میں حمایت کا عنصر بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوا اور اس کے بعد کوفہ والوں پر مسلسل بے وفائی اور غداری کے الزامات کو اسقدر شہرت ملی یا دی گئی کہ 'کوفی لا یعفوی' کا مقولہ بھی بن گیا اور اب جب بھی کوفہ کا ذکر کسی کی زبان پر آتا ہے تو کوفہ کے لیے سوائے بے وفائی، دغا بازی، دھوکہ دہی، غداری، منافقت کے سوا کچھ اور نہ تو زبان سے نکلتا ہے اور نہ ہی قلم سے اس سے ہٹ کر کچھ اور لکھا جاتا ہے- ایاد عبد الحسین اپنے مقالے میں لکھتے ہیں کہ اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد نے واقعہ تحکیم پر جناب علی المرتضی علیہ السلام الکریم کی تائید و نصرت کی اور انھوں نے اس زمانے میں خوارج اور اہل شام سے حضرت علی کی قیادت میں لڑی جانے جنگوں میں بھرپور ساتھ دیا، جانوں کی قربانیاں بھی دیں۔ یہاں اس مضمون کا ترجمہ و تلخیص پیش کی جا رہی ہے- امید کرتا ہوں کہ میری کتاب

'کوفہ: فوجی چھاؤنی سے مسلم سیاسی-سماجی تحریکوں کا مرکز بننے تک' کے تناظر میں جس بحث کا آغاز میں نے کیا تھا، وہ بحث آگے بڑھے گی۔

تاریخ میں سامنے موجود حقائق کیسے چند کلیشوں، نعروں اور مغالطوں سے بھرے تصورات سے بننے والے غلط شعور کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتے ہیں، اس کی ایک بڑی مثال کوفہ کے تاریخی حقائق کی ہے- ایاد عبدالحسین خفاجی کوفہ یونیورسٹی نجف اشرف عراق کے ریسرچ اسکالر ہیں- ان کا ایک مضمون جامعہ کوفہ کے رسالے میں چھپا ہے-

وہ اہل کوفہ کا کردار نہروان جنگ اور اس کے بعد رونما ہونے والے حادثات کے دوران تاریخی حوالوں سے بیان کرتے ہیں- عربی زبان یہ تحقیقی مضمون سن 2017ء میں سامنے آیا تھا- یہ کئی ایک کلیشوں کی ڈی کنسٹرکشن کرتا ہے اور کم از کم ہماری تاریخ کا جو کوفہ اور اہل کوفہ اور علویہ پر ماڈرن ڈسکورس ہے (جب میں ماڈرن ڈسکورس کہتا ہوں تو میری مراد عمومی طور پر نوآبادیاتی دور کا ڈسکورس ہوتا ہے) کو ڈی کنسٹرکٹ/ ردتشکیل کرتا ہے اور ایک نیا ڈسکورس فراہم کرتا ہے-

نیا ڈسکورس ایک تو سارے اہل کوفہ کو 'لایعفوی/ عہد شکن' کے ٹیگ اور لیبل سے نہیں دیکھتا اور دوسرا یہ حضرت علی کی پارٹی/ حزب/ جماعت/ حامی/ شیعہ (اس سے مراد دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے دوران تھیالوجیکل اور جیورس پروڈنس/ کلامی و فقہی معاملات میں بہت واضح پوزیشن کے ساتھ وجود رکھنے والے شیعی فرقے نہیں ہیں بلکہ یہ تو پہلی صدی ہجری کی بہت ہی ڈھیلی ڈھالی اور وسیع تر معانی رکھنے والا لفظ ہے-) کو کائر، بزدل، بھاگ جانے والے، اپنے امام اور اپنے لیڈر کو مقتول ہونے کی پوزیشن میں لانے والوں کے طور پر منعکس نہیں کرتا اور نہیں پہلی صدی ہجری کے اس گروہ کی مذمتی شکل کی صورت ٹیگنگ کر کے اسے آج کے جیو پولیٹکل تنازعوں، علاقائی و بین الاقوامی سیاست کے مسائل پر چسپاں کرتا ہے-

پہلی صدی ہجری کا کوفہ اور اس صدی ہجری کے شیعہ پر تاریخ کا یہ ڈسکورس عرصہ دراز

سے چلے آرہے اس متعصب، فرقہ وارانہ اور کلیشوں پر استوار تاریخ کے ڈسکورس کو ڈی کنسرٹ کر ڈالتا ہے جس کا سہارا لیکر آج مذہبی پراسیکوشن اور نسل کشی تک لیجانے والے نظریات اور خیالات قائم کیے جاتے ہیں- عامر حسینی-

---

واقعہ نہروان عرب مسلمانوں کے درمیان داخلی تنازعوں پر ہونے والے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے جو کہ سن اڑتیس ہجری/ 659 عیسوی میں پیش آیا- یہ واقعہ اصل میں واقعہ تحکیم کا نتیجہ تھا جو صفین کے مقام پر حضرت علی اور امیر شام کے لشکروں کے درمیان جنگ کے آخر میں پیش آیا تھا- یہ جنگ سن 37 ہجری/ 658 عیسوی میں ہوئی تھی- واقعہ تحکیم سے خوارج بطور جماعت رافضہ کے سامنے آئے تھے- ان کا نعرہ تھا 'لاحکم الا اللہ' اور انہوں نے اعلانیہ حضرت علی علیہ السلام الکریم سے علیحدگی اختیار کی اور آپ کو اہل شام سے تنازعے پر ثالثی پر راضی ہونے کے سبب نہ صرف گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دینے کی جسارت کر ڈالی بلکہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو دائرہ اسلام سے خارج بھی قرار دے ڈالا اور یہی موقف انھوں نے اہل شام کے بارے میں بھی اختیار کیا-

حضرت علی المرتضی علیہ السلام الکریم نے خوارج کے انکار اور انحراف کو اس وقت تک نصحیت اور دلائل و استدلال سے واپس کرنے کی کوشش کی جب تک خوارج نے اپنے سے اتفاق نہ کرنے والے بے گناہوں کا خون بہانا، ان کا اموال لوٹنا اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرنا نہ شروع کیا جو حاربین سے کیا جاتا ہے- جب خوارج نے تلوار اٹھالی اور اپنے خیالات کو زبردستی سے مسلط کرنے کی کوشش کی تو حضرت علی نے تب لشکر تیار کیا اور ان سے شدید قتال کیا- اور اس کا سب سے بڑا اور فیصلہ کن معرکہ نہروان کے علاقے میں ہوا، جس میں خوارج کی بڑی تعداد قتل ہوئی-

واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی علیہ السلام الکریم جب کوفہ واپس لوٹے تو آپ نے اہل شام سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا عزم کرلیا اور اس کے لیے تیاریاں شروع کر دیں- اور

آپ نے 75 ہزار لوگوں کا لشکر اہل کوفہ سے تیار کرلیا- اس میں ستاون ہزار عرب، موالی اور ان کے مالک 8 ہزار (1) جبکہ اہل بصرہ میں سے تین ہزار ایک سو آدمی تھے- (2) اس لشکر کی تعداد بعد ازاں 88 ہزار ایک سو ہوگئی تھی جس میں غالب تعداد اہل کوفہ کی تھی (3)- یہ سارا لشکر حضرت علی کی قیادت میں جا کر کوفہ کے نخلستان میں جا کر بس گیا- (4)

آپ نے اپنے زیر حکومت علاقوں کے گورنروں کو بھی خطوط لکھے اور ان سے بھی کہا کہ وہ بھی اس لشکر میں لوگوں کو شامل ہونے کے لیے کہیں- (5)

حضرت علی اس عظیم الشان لشکر کے امام الجیش تھے اور آپ نے اپنی اسی حثیت میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

" جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کام میں سستی سے کام لیتا ہے وہ گویا ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر آجاتا ہے- مگر جو اللہ کی نعمت سے اس گڑھے کا تدارک کرلیتے ہیں وہ ہلاکت سے بچ جاتے ہیں- تو بس اللہ سے ڈرو اور ان سے لڑو جو اللہ سے جنگ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں- خطا کرنے والوں، بھٹک جانے والوں، اور ستم گر مجرموں سے لڑائی کرو جو نہ تو قرآن کے قاری ہیں، نہ ہی دین کی سمجھ رکھنے والے ہیں اور نہ ان کو علم تاویل آتا ہے-" (6)

آپ جہاں یہ خطاب کر رہے تھے، وہاں پر اہل کوفہ کے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے ایسے لوگوں کا اجتماع تھا جو آپ کے انتہائی مخلص تھے- آپ کی ہمیشہ مدد و نصرت کرنے والے تھے اور آپ کے ساتھ جنگ جمل و جنگ صفین میں شریک رہے تھے- حضرت علی نے بھی اپنے خطاب کے آخر میں ان لوگوں کی محبت و اخلاص اور سعی کی تعریف ان الفاظ میں کی

'اے اہل کوفہ! تم میرے بھائی ہو، میرے انصار ہو، اور حق کی خاطر میرے معاون بنے ہو، اور باغیوں کے خلاف جہاد میں تم میرے ساتھ شریک رہے ہو، تمہارے دانا ہونے کی مثالیں دی جاتی ہیں اور میں تم سے امید رکھتا ہوں کہ تم میری کامل اطاعت

کرو گے'۔(7)

یہ کلمات سن کر وہاں موجود ہر قبیلے اور قوم کے لوگوں نے کلمات محبت اور اطاعت گزاری پر مبنی عہد کو دوہرایا۔ فصی بن سبیل الشیبانی (8) کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا 'اے امیر المومنین ہم آپ کا حزب ہیں اور آپ کے انصار ہیں، جو آپ سے دشمنی کرتا ہے ہم اس سے دشمنی کرتے ہیں اور جو آپ اک اطاعت کرے گا ہم اس سے دوستی رکھیں گے'۔(9)

پھر محرز بن شہاب التمیمی (10) کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، ※ اے امیر المومنین ہم آپ کے شیعہ (پیرو) ہیں اور ہماری امید یہ ہے کہ آپ کی اطاعت کرنا اور جو آپ کا مخالف ہے اس کے خلاف جہاد کرنا ایک صالح عمل ہے اور اس سے ثواب ملتا ہے جبکہ ہمیں خدشہ ہے جو آپ سے الگ ہو کر آپ سے پیٹھ موڑتا ہے وہ ذلیل بھی ہوگا اور اس پر وبال کا شدید خطرہ بھی ہے'۔(11)

اس کے بعد سعید بن القیس الھمدانی (12) کھڑے ہوئے اور انھوں نے اعلان اطاعت اور نصحیت کیا جبکہ وہ آپ کی دعوت کا اول جواب دینے والوں اور نصرت کرنے والوں میں سے تھے۔ اس کے بعد وہاں موجود دیگر قبائل کے روساء کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی مدد و نصرت اور مبنی بر اظہار محبت اعلانات کیے۔(13)

حضرت علی نے کوفہ کے قبائل کے اندر اس جذبہ وفا اور عزم نصرت کو ملاحظہ کرنے کے بعد گرد و نواح میں آباد قبائل کے سرداروں اور شیوخ کو خطوط لکھ کہا کہا کہ وہ اپنے اعزاء و اقارب اور دوستوں سے کہیں کہ ہتھیار اٹھا لیں اور لوگوں اس پر لبیک کہنا شروع کر دیا۔

اس موقعہ پر جبکہ اہل کوفہ کی اکثریت اطاعت و نصرت کے جذبے سے سرشار آپ کے ساتھ تھی تو کوفہ کے اشراف القبائل کے وہ سردار جو پہلے بھی ہوا کے رخ کو دیکھ کر ہی جنگ جمل و صفین میں آپ کے ساتھ گئے تھے، وہ بھی اس رخ کے سبب آپ کے ساتھ

ہو گئے-لیکن یہ وہ وقت تھا جب خوارج کے جرائم کی شروعات کی ہوئی-انہوں نے افعال منکرہ کرنے شروع کر ڈالے اور لوگوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا-(15)

اس صورت حال میں آپ کے لشکر میں سے ایک جماعت کا خیال یہ تھا کہ پہلے خوارج سے جنگ کی جائے اور جب ان سے نمٹ لیا جائے تو پھر شام کی طرف توجہ کی جائے-یہ بات جب حضرت علی تک پہنچی تو آپ نے ان سے کہا کہ ہمیں پہلے شام پر توجہ دینی چاہئیے اور اس کے بعد خوارج سے نمٹنا چاہئیے-(16)

ایسا لگتا ہے کہ خوارج کو یہ بات پتا لگ گئی تھی اور وہ حضرت علی کی حکمت عملی کو بھانپ گئے تھے تو ان کی جانب سے تخریب کاری تیز ہوگئی اور ان کا ایک بڑا حصہ بصرہ کی طرف روانہ ہوگیا ان کی قیادت 'معسر بن فدکی' (17) کر رہا تھا-اور انھوں نے نہروان والا راستا اختیار کیا-(18) راستے میں ان کا ٹاکرا ایک آدمی سے ہوا جو اپنی بیوی کے ہمراہ گدھے پر سوار جا رہا تھا-انھوں نے اسے روک لیا اور پھر اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن خباب الارت (19) ہیں-تو انھوں نے ان سے کہا کہ وہ ان کو اللہ کے رسول کی کوئی حدیث سنائیں-تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا

'میرے بعد عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا جس میں آدمی کے دل کی موت ایسے واقع ہوگی جیسے بدن کی ہوتی ہے-ایک آدمی شام کو مومن ہوگا اور صبح ہوگی تو کافر ہوگا'

اس حدیث کو سننے کے بعد ان لوگوں نے اسے کہا کہ ہم تجھے ایسے قتل کریں گے جیسا پہلے کبھی نہیں ہوا ہوگا-اور پھر وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے-اس کا سارا اسباب لوٹ لیا اور نہروان کے قریب لیجا کر قتل کر ڈالا-(18) پھر ان کی بیوی کو بھی مار ڈالا جو کہ حاملہ تھیں اور ان کا پیٹ ذبح کر ڈالا-اسی طرح انھوں نے قبیلہ طئے (یہ حضرت علی کا حامی قبیلہ تھا) کی تین عورتوں کو بشمول ام السنان الصداویہ (19)(20) کو قتل کر دیا-ابن اعثم کوفی (21) نے ایک منفرد روایت میں زکر کیا ہے کہ مسعر بن فدکی نے خود حضرت عبداللہ بن خباب کو

قتل کر کے ان کا سر تن سے جدا کر ڈالا تھا-(22)

حضرت علی کو جب عبداللہ بن خباب کے قتل اور دیگر واقعات کی خبر پہنچی تو انہوں نے حارث بن مرہ کو العبدی (23) کو اس واقعے کی تحقیق کر کے خبر لانے کے لیے قاصد بنا کر بھیجا اور وہ جب وہاں پہنچے اور پوچھ گچھ شروع کی تو ان پر بھی خوارج نے حملہ کیا اور قتل کر دیا-(24) جب اس قتل کی خبر کوفہ پہنچی تو اہل کوفہ پر غیظ وغضب نے غلبہ کر لیا اور انھوں نے خوارج سے فوری جنگ کرنے کا مطالبہ کر ڈالا (25)- اور اس پر حضرت علی نے ان کا مطالبہ قبول کر لیا-(26)

البلازری (27) نے اس روایت کو درج کیا ہے لیکن ان کا کہنا ہے جو حارث وہاں گئے تھے وہ حارث بن مرہ العبدی نہ تھے بلکہ وہ ابن الحارث تھے اور جبکہ حارث بن مرۃ تو سندھ (28) کی سرزمین قیقان میں 42 ہجری/662 عیسوی میں قتل (29) ہو گئے تھے- اور ہمیں جن مصادر تاریخ کی اطلاع ہے ان کے مطابق وہ روایت ٹھیک ہے-(30)

حضرت علی المرتضی نے خوارج جن شہروں میں جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے، ان شہروں میں آپ نے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے اور ان کی قیادت کرنے والوں سے کہا کہ وہ قصاص و دیت کے قانون کو بروئے کار لائیں اور خوارج سے تخریبی کاروائیوں کو بند کر دیں- جیسے آپ نے نہروان قیس بن سعد بن عبادہ کو روانہ کیا اور ان سے کہا کہ وہ خوارج سے عبداللہ بن خباب اور دیگر مقتولین کے قاتلوں کو ان کے حوالے کرنے اور شرارتوں سے باز آنے کو کہیں- لیکن آپ کی ان کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا- خوارج نے آخر کار اپنے آپ کو نہروان اور اس کے گرد ونواح میں جمع کرنا شروع کر دیا- اور وہ فیصلہ کن جنگ کی تیاری کرنے لگے- اس سارے عمل کو دیکھتے ہوئے آپ نے آخر کار خود جسر النہروان کے مقام پر خوارج کے لشکر کو جا لیا- اور اس موقعہ پر بھی آپ نے خوارج کو راہ راست پر لانے کی بھرپور کوشش کی- ان کو دلیل واستدلال سے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو آخر کار جنگ لڑی گئی- اور خوارج کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی-

اس دوران جب آپ خوارج کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے میں مصروف تھے اور اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد آپ کا ساتھ دے رہی تھی تو اہل شام کا خیال شاید یہ تھا کہ حضرت علی اور اہل کوفہ اس جنگ میں کامیاب نہیں ہوں گے اور یہ اندرونی چیلنج حضرت علی کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا- لیکن نہروان کی جنگ میں کامیابی نے یہ اندازے غلط ثابت کر ڈالے- اور آپ ایک بار پھر شام والوں سے فیصلہ کن جنگ کی تیاری کرنے لگے-

امیر شام اور ان کے ساتھیوں کو اچھے سے اندازہ تھا کہ اگر اہل کوفہ اور دیگر شہروں سے ایک بڑا لشکر تیار ہو کر شام کی سرحدوں پر آن پہنچا تو پھر اپنا اقتدار بچانا بھی مشکل ہو جائے گا- اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے شام والوں نے حضرت علی کی حکومت کے اندر آنے والے علاقوں پر تیز اور سریع چھاپہ مار لڑائیوں کا سلسلہ شروع کیا- ان لڑائیوں کو غارات بھی کہا جاتا ہے- اور اس سلسلے میں پہلا ہدف مصر کو اپنے زیرنگین کرنا تھا اور وہ شامیوں نے کرلیا اور یہاں عمرو بن العاص کو گورنر بنا دیا گیا- اس دوران آپ کے دو انتہائی اہم سپہ سالاروں اور سٹیٹس مین کی شہادتیں بھی ہوئیں جن میں محمد بن ابوبکر اور مالک الاشتر شامل تھے- اور مصر کا شامیوں کے زیرنگین آنا بہت بڑا جھٹکا تھا-

مصر پر قبضہ کرنے کے فوری بعد شام والوں نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ روانہ کیا- یہاں پر ابن عباس کوفہ چلے آئے اور وہاں پر زیاد کو چھوڑ کر آئے- عبداللہ بن حضرمی نے بصرہ میں بنی تمیم کے لوگوں میں سے ایسے لوگوں کو ساتھ ملایا جو حضرت عثمان کے مظلومانہ قتل کے قصاص کے مطالبے کو اولین طور پر رکھتے تھے اور ان کو حضرمی نے بھڑکایا اور ایک لشکر تیار کرلیا- یہاں آپ کے ساتھیوں نے حضرمی کے بہکاوے میں آنے والوں کو ملامت کی اور ان کو حضرمی کی چال سے باہر آنے کو کہا- حضرت علی کو جب پتا چلا تو انہوں نے اعین بن ضبیعۃ مشاجعی (31) کو ساتھیوں سمیت روانہ کیا تاکہ وہ بنی تمیم کو حضرمی سے الگ کر دیں- لیکن نہ ہوسکا اور ان کو غیلہ نے قتل کر دیا- (32)

اس کے بعد حضرت علی نے جاریہ بن قدامہ السعدی (33) کو اہل کوفہ پر مشتمل ایک

لشکر دیکر بھیجا تا کہ وہ حضرمی سے لڑیں- حضرمی اس لڑائی میں شکست کھا کر بھاگا اور اپنے ساتھیوں سمیت سنبیل محل میں قلعہ بند ہوگیا- اس قلعہ کو جلا دیا گیا اور اس میں ہی حضرمی اور اس کے 70 ساتھی مر گئے- (34)

دوسری شورش اور لوٹ مار ضحاک بن قیس کے زریعے ہوئی، اس کی طرف حجر بن عدی کے ساتھ اہل کوفہ کا ایک لشکر بھیجا گیا تا کہ ضحاک کی سرکوبی ہو جس نے جس نے اہل ثعلبیہ سے لوٹ مار کی اور وہاں پر اپنی کمین گاہیں بنا کر اس نے عراق کے علاقوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کر دی تھی- حجر بن عدی نے ضحاک اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اور اہل اوفہ پر مشتمل لشکر کے ساتھ واپس لوٹ ائے-

تیسری شورش نعمان بن بشیر نے عین التمر میں کی اور اس کی سرکوبی کے لیے اہل کوفہ کا ایک لشکر عدی بن حاتم الطائی کی سرکردگی میں گیا- اور مخنف بن سلیم بھی 50 افراد کے ساتھ اس لشکر کا حصّہ بنے تھے اور انھوں نے ملکر نعمان بن بشیر کے لشکر کو قتل کیا جو بچ گئے وہ بھاگ گئے اور نعمان بن بشیر بھی شام فرار ہوگیا-

چوتھی قتل و لوٹ مار کی مہم سفیان بن عوف آمدی نے انبار میں کی اور یہاں سے لوگوں کا بڑا مال لوٹا اور قتل و غارت گری کر کے وہ واپس شام چلا گیا-

اس دوران شام والوں نے ہوٹ مار، قتل و غارت گری کو اور شدید کرنے کے لیے پانچویں غارت گری کی منصوبہ بندی کی اور بسر بن ارطاۃ کو ایک لشکر دیکر بھیجا، اس نے مدینہ، پھر یمن میں انتہائی خوفناک جرائم کیے- یہاں تک کہ بچوں تک کو قتل کیا جن میں عبیداللہ ابن عباس کے دو بچے شامل تھے- اس کے جرائم کی سرکوبی کرنے کے لیے حضرت علی نے پھر جاریہ بن قدامہ، وھب بن مسعود کی قیادت میں اہل کوفہ کا ایک بہت بڑا لشکر بھیجا، یہ لشکر ابھی وہاں پہنچا بھی نہیں تھا کہ بسر بن ارطاۃ فرار ہو کر شام چلا گیا-

یعنی دیکھا جائے تو جنگ صفین کے فوری بعد ایک سال تک تو خوارج کی شورشوں سے نمٹنے میں وقت گزر گیا اور پھر اگلا پورا سال پورے عراق پر اہل شام کی قتل و غارت گری

اور لوٹ مار پر مبنی دہشت گردی سے نمٹنے میں گزرا- اور اس دوران ہر بار کوفہ شہر میں آپ کے ساتھیوں اور جانثاروں نے ہی جا کر مہمات سر کیں-

ایاد عبد الحسین اس ساری تفصیل کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں:

(الف) اس بحث سے اہل کوفہ کا موقف اور ان کی سیاسی وفوجی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے حضرت علی کے ساتھ اپنی جڑت کو قائم رکھا اور ان کی پوری پوری تائید کی تاریخ کے مختلف حوالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس دور میں خوارج اور اہل شام کے حملوں کے خلاف جو علویہ (حضرت علی کے حامی تھے) نے کردار ادا کیا وہ مدد و نصرت والا اور لشکر و جیوش کو مضبوط کر کے لڑائی میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے والا تھا۔

(ب) خوارج کی شورشیں تھیں جنھوں نے سب سے پہلے اہل شام کے خلاف لشکرکشی اور فیصلہ کن جنگ کا راستا کھوٹا کیا اور پھر اہل شام کی غارات تھیں جس کے سبب اہل شام سے ان کی سرحدوں پر جا کر لڑنے کا جو فیصلہ تھا وہ تاخیر کا شکار ہو گیا-

(ج) علویہ جو تھے جن میں سب سے زیادہ تعداد اہل کوفہ کی تھی انہوں نے حضرت علی کی ہر بات کو تسلیم کیا، یہاں تک کہ جب چند لوگ پہلے خوارج سے نمٹنے کی تجویز لیکر آئے تھے تو ان کو بھی حضرت علی نے اس بات پر منالیا تھا کہ پہلے شام والوں سے جنگ کرنا ضروری ہے-

(د) اہل کوفہ کی اکثریت نے بالعموم اور علویہ نے بالخصوص جنگ جمل (36 ہجری)، جنگ صفین (37 ہجری)، جنگ نہروان (38 ہجری) اور اہل شام کی پانچ بڑی اجتماعی خوف و ہراس، دہشت اور قتل و غارت پر مبنی مہمات سے نمٹنے میں کلیدی کردار ادا کیا-

اس طویل جنگی صورت حال میں بھی آپ اپنی آخری سانس تک شام کے باغیوں سے آخری فیصلہ کن لڑائی لڑنے کے لیے پھر سے لشکر کو تیار کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے- اور اس کام میں علویہ آپ کا تندہی ساتھ دے رہے تھے- اور وہ ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھے-

اور آخرکار 40 ہجری/661ء (26 جنوری/19 رمضان) کو خود حضرت علی پر مسجد

کے اندر بوقت نماز فجر حالت سجود میں قاتلانہ حملہ ہوا اور 29 جنوری/ 21 رمضان المبارک کو آپ کی شہادت ہوگئی۔

اس لیے یہ کہنا کہ علویہ نے بالخصوص اور اہل کوفہ کی بہت بڑی تعداد نے بالعموم حضرت علی علیہ السلام الکریم کا ساتھ چھوڑ دیا تھا یا ان سے بے وفائی کی تھی بہت بڑا دھوکہ، جھوٹ، مغالطہ آمیزی اور حقائق سے آنکھیں بند کر کے پروپیگنڈا کا حصّہ ہے۔

حضرت علی کوفہ میں کمزور نہ تھے۔ بلکہ کوفہ آخری وقت تک آپ کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے اہم افرادی قوت فراہم کرتا رہا۔ یہ چیلنج چاہے بصرہ میں تھا یا انبار میں یا یمن میں یا کہیں اور کوفہ لشکر کی تشکیل اور لڑائی میں جانیں قربان کرنے کے لیے حاضر رہا۔

خوارج اور شامی مہمات کا نشانہ خصوصی طور پر علویہ تھے۔ ان سے لوٹ مار ہوئی، ان کو ڈرایا، دھمکایا گیا۔ قتل بھی کیا گیا۔ آخر دو سال یعنی 39 ہجری سے 40 ہجری کے دوران مصر، مدینہ منورہ، یمن، انبار، بصرہ، عین التمر سمیت حضرت علی کے کنٹرول والے دیگر علاقوں میں جہاں جہاں اہل بیت سے محبت کرنے والے، ان کے پیروکار اور ان کی طرف جھکاؤ رکھنے والے تھے ان سب کو زبردست دہشت، تشدد، قتل و غارت گری اور نراجیت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس دوران آپ سے لڑنے والوں نے کسی اصول اور کسی قدر کی پرواہ نہیں کی۔

یہ بات تاریخ کے ریکارڈ پر ہے کہ آپ نے اپنے علاقوں میں اٹھنے والے فتنوں کو سب سے پہلے دلیل و استدلال اور اچھے وعظ سے روکنے کی کوشش کی اور جب تک اجتماعی تلوار نہ اٹھائی گئی آپ نے لشکر کشی کرنے سے گریز کیا۔ اور آپ ایک پائیدار امن قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

آج لوگوں میں عام طور جو بات سب سے زیادہ مقبول ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم بالخصوص اور امام حسن و امام حسین بالعموم اس لیے عراق، حجاز، مصر اور دیگر علاقے کھو بیٹھے کیونکہ اہل کوفہ اور خصوصی طور پر آپ کے شیعہ/علویہ آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ان کی دھوکہ دہی، بے وفائی سے یہ سب کچھ ہوا۔ اور اس طرح کا خیال لوگوں میں جو مقبول ہے اس

میں کہیں بھی نہ تو اس دہشت اور تشدد اور ستمگروں کے ہتھکنڈوں کا کلیدی رول مانا جاتا ہے جو اس دوران دیکھنے کو ملا اور نہ ہی یہ دکھایا جاتا ہے کہ اصل میں حضرت علی کے حامیوں میں سے اہل کوفہ کے اندر علویہ کا کردار تو بہت ہی درخشاں، بہادرانہ اور جرآت مندانہ تھا جس پر داد اور تحسین دینا بنتی ہے۔

ایاد عبدالحسین خفاجی کے مضمون کا اصل متن اور جملہ حواشی و ماخذ درج ذیل لنک سے ڈاؤن لوڈ کیے جا سکتے ہیں

https://www.iasj.net/iasj?func=fulltext&aId=124482

ضمیمہ پنجم

حضرت علی علیہ السلام الکریم
اور اہل کوفہ

❖

یہاں میرا مقصد مصنف ابن ابی شیبہ کی کتاب جمل کی روشنی میں کچھ ایسے نکات کی نشاندہی کرنا ہے جو ہمارے موضوع سے براہ راست اور کچھ بلواسطہ متعلق ہیں۔

محدث ابن ابی شیبہ نے اڑتیس ہزار نو سو چودہ (38914) نمبر حدیث سے اڑتیس ہزار نو سو اکیانوے نمبر تک جو احادیث ذکر کیں ہیں ان میں جنگ جمل کے بارے میں بیانات درج ہیں۔

اصحاب جمل بارے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا نظریہ

حضرت علی سے جب کبھی حضرت عثمان بارے سوال کیا جاتا تو وہ ان کے صاحب ایمان ہونے کی گواہی دیتے اور قتل عثمان سے اپنے آپ کو بری قرار دیتے۔

اس دوران آپ کے لشکر سے کچھ لوگ جب اہل جمل پہ کفر و شرک کا الزام دھرتے تو آپ اسکی نفی کرتے۔ اور آپ اپنے اہل جمل میں شامل زبیر و طلحہ سے اپنا معاملہ قرآن کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا کہنا تھا کہ ان سے معاملہ آخرت میں خوش اسلوبی سے حل ہو جائے گا۔

لڑائی میں پہل اصحاب جمل نے کی

اپنے سے لڑنے والوں کو آپ نے باغی مسلمانوں کا گروہ قرار دیا۔ اور کئی ایک روایات میں بتایا گیا لڑائی سے پہلے آپ نے جمل کے سرکردہ رہنماؤں سے بار بار ملاقات

کی اور ان سے جماعت میں واپس لوٹ آنے کی درخواست کی۔ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ لڑائی میں پہل بھی اونٹ والے لشکر کی طرف سے ہوئی۔

کن واقعات نے حضرت علی کو مدینہ سے نکلنے پہ مجبور کیا؟

اور جیسا کہ ہم آگے نصر بن مزاحم کی کتاب وقعۃ الصفین کا جائزہ لیتے ہوئے دکھائیں گے کہ کیسے حضرت علی علیہ السلام الکریم اہل کوفہ کے لوگوں سے ملاقات کے دوران ان کو بتاتے رہے کہ انھیں تلوار اس وقت اٹھانا پڑی جب جب ان سے کی گئی بیعت توڑ دی گئی، بصرہ میں ان کے عامل اور ان کے حامی ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔اور جب انہوں نے دیت اور قصاص کا مطالبہ کیا تو ان پہ حملہ کر دیا گیا اور مجبوری میں ان کو جنگ لڑنا پڑی۔

اصحاب جمل اور پیروان علی میں کون سا فریق حق پہ تھا؟

مصنف ابن ابی شیبہ کی جنگ جمل کے باب میں پیش کردہ 177 احادیث کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دلیل اور شواہد دونوں اعتبار سے حضرت علی کا موقف مضبوط تھا۔جنگ کے آغاز میں حضرت علی ابن ابی طالب نے زبیر بن عوام کو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یاد دلایا وہ لشکر سے الگ ہوئے تو ایک ناصبی نے ان کو شہید کر دیا۔

حضرت طلحہ احساس پچھتاوا کے تحت پیچھے ہٹنے لگے تو مصنف ابن ابی شیبہ کی درجنوں احادیث بتا رہی ہیں کہ ان کے گھٹنے پہ جان لیوا تیر مروان بن حکم نے چلایا تھا۔اور وہ شہید ہو گئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ کا احساس پچھتاوا

حضرت عائشہ اپنی وفات تک جنگ جمل کی قیادت کرنے پہ پشیمانی کا اظہار کرتی رہیں اور وہ کہا کرتی تھیں کاش وہ اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتیں۔

جنگ جمل میں جانوں کے ضیاع پہ جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ کا ملال

حضرت علی علیہ السلام الکریم کو اگر چہ اپنے حق پہ ہونے کا پورا یقین تھا لیکن جتنی قتل و غارت ہوئی اور جیسے انھیں طلحہ وزبیر جیسے ساتھیوں کی شہادت دیکھنا پڑی، وہ کہا کرتے تھے کاش وہ یہ سب دیکھنے سے 20 سال پہلے ہی فوت ہو جاتے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی اصول پسندی

جنگ جمل کا المیہ اپنی جگہ پہ لیکن حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے سامنے اپنا مقدمہ پورے زور اور طاقت سے رکھا اور دونوں بڑے مرکزوں کی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل کی۔

کیا مولا علی علیہ السلام جنگ جمل و صفین و نہروان کے اصول پسندانہ موقف پہ پشیمان تھے؟

عام طور پہ ناصبی اور رمائل بہ مدح بنو امیہ اہل دانش کا یہ وتیرا رہا ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے بارے میں ایسا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں جیسے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو بار بار مدینہ سے چل کر کوفہ آنے کے فیصلے پہ کسی پشیمانی کا سامنا رہا اور وہ آخری زندگی میں شاید اہل کوفہ سے کلی طور پہ مایوس ہو گئے تھے۔ بالکل ایسے جیسے وہ بعد از اں صلح امام حسن کو اہل کوفہ کی بے وفائی سے مجبور ہو کر اور شہادت امام حسین علیہ السلام اہل کوفہ کی عام غداری سے پیدا ہونے والا سانحہ قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ تاریخ کا ایک معروضی سرسری مطالعہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کو آرام سے بیٹھنا ہی نصیب نہ ہوا اور انھیں سب سے بڑا صدمہ یہ ملا کہ مدینہ اور مکّہ سے تعلق رکھنے والے وہ مسلمان جنھوں نے ان کی بڑی پیمانے پہ ہونے والی بیعت میں شرکت کی تھی کے بیعت توڑنے پہ ہوا۔ یہ لوگ بصرہ چلے گئے اور وہاں پہ قصاص

حضرت عثمان بن عفان کے نام پہ سوادِ اعظم سے نکلنے کا اعلان کیا اور آپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ آپ کو مجبوری میں ان سے نمٹنے کے لیے بصرہ کا رخ کرنا پڑا۔ جنگ جمل میں علوی لشکر میں سب سے بڑی تعداد جنگجوؤں کی اہل کوفہ میں ہی سے تھی اور پھر اس جنگ میں فتح سے آپ فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ کو ایک اور جنگ کی اطلاع ملی اور یہ جنگ کرنے آپ سے آنے والے تھے معاویہ ابن ابی سفیان اور ان کا شامی لشکر۔

آپ نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کے جناب معاویہ ابن ابی سفیان عراق کی سرحدوں پہ دستک دیں آپ اپنے لشکر کو لیکر شام کی طرف روانہ ہو جائیں اور وہیں فیصلہ کن جنگ کر لیں اور اس کے لیے آپ کو عراق سے ایک بڑے لشکر کی تیاری کی ضرورت تھی۔ اور آپ نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کوفہ میں آنے کا فیصلہ کیا۔

گویا مدینہ سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ آپ کے آنے کا فیصلہ ان حالات کے سبب تھا جو پہلے ناکثین بیعت نے پیدا کیے اور پھر پہلے دن سے منحرف شام والوں نے پیدا کیے۔

جب حضرت علی کوفہ آئے تھے تو یہاں آپ کو جانثاروں کی اتنی بڑی تعداد میسر آئی کہ آپ نے اسے ہی دار الخلافہ بنا لیا۔ ایک بات ذہن میں رکھنے والی ہے کہ امام علی نے اپنے سے منحرف ہو جانے والوں کو خطوط میں لکھ کر یہ بات بہت واضح کر دی تھی کہ قرآن اور سنت جس کو جماعت مومنین کہتے ہیں اور جس پہ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے وہ ان کے پیروکاروں کی ہے اور وہ اس جماعت کے امام ہیں اور جس نے آپ کی بیعت نہیں کی اور آپ سے الگ رہا اس کو جماعت مومنین میں واپس آنے پہ مجبور کیا جائے گا اور اس جماعت میں ”اہل کوفہ“ میں سے بھی کافی بڑی تعداد تھی۔

یہ بات طے ہے جیسے مدینہ، مکّہ، بصرہ میں سے لوگ آپ سے بغاوت کے مرتکب ہوئے یا آپ کے حریفوں سے خفیہ رابطوں میں تھے ایسے ہی کوفہ میں بھی تھے۔ تو وفادار، کھلے دشمن، چھپے دشمن یہ سب مدینہ و مکّہ میں موجود ہونے کے باوجود مدینہ و مکّہ حرمین شریفین رہے اور ان کو بے وفائی کا طعنہ نہ دیا گیا۔

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ آپ کے لشکر میں سب سے زیادہ تعداد اہل کوفہ کی تھی۔ پھر اسی کیفیت سے دو چار کوفہ کو یہ طعنہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ بغض اور نفرت کی علامت ہے۔

کوفہ کی تاریخ کو مجسم بے وفائی، دھوکہ اور غداری کے ساتھ نتھی کرنا اور اس کی تاریخ کے درخشاں واقعات کو چھپالینا یہ ایک ایسا عمل ہے جس نے ناصبیت کو طاقتور کیا اور ملوکیت کے حامیوں اہل سنت سواد اعظم کی صفوں میں گھس جانے اور اپنے بغض اور تعصب کو وہاں پہ پھیلانے کا راستا فراہم کر دیا۔

بات امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے کھلے اور سامنے کے ذمہ داروں کے چہروں کو چھپانے تک محدود نہ رہی بلکہ یہ وہاں سے اگے سفر کرتی ہوئی حضرت علی علیہ السلام الکریم سے ہوتی ہوئی جگر گوشہ رسول اللہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیھا کی شان میں سوئے بے ادبی تک لے گئی اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ یہ ایمان سوز باتیں ناصبیت کے کھلے علمبرداروں کی طرف سے نہیں آئی بلکہ سواد اعظم اہلسنت اور خود کو عاشق رسول کے طور پہ پیش کرنے والے کچھ ملاؤں کی طرف سے آئی جس کا اس سے پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجھے اس سلسلے میں مجبور ہو کر یہ دکھانے کی ضرورت پیش آئی کہ جناب علی المرتضی علیہ السلام الکریم کی کوفہ آمد اور کوفہ میں اہل کوفہ سے ان کے تعامل، انٹریکشن سے اپنے پڑھنے والوں کو کتاب کوفہ کے ثاک ایڈیشن میں متعارف کراؤں جس میں ہم ٹھیک سے یہ دیکھنے میں کامیاب ہو جائیں کہ کیسے کوفہ کے میں موجود علویوں نے آپ کے حضور اپنی جان و مال سب کو پیش کر دیا۔

تاریخ میں جنھوں نے علی المرتضی اور جملہ اہل بیت کی زندگیوں اور ان سے جڑے کارناموں اور خاص طور پہ بعد از خلافت آپ کے کردار اور آپ کے پیروکاروں کے کردار کو روز روشن کی طرح پیش کر دیا ان میں سب سے پہلا نام ابومخنف کا ہے اور دوسرے نمبر پہ نصر

بن مزاحم ہے اور پھر واقدی ہے۔

یہ تینوں کوفہ میں پیدا ہوئے۔اولین وہیں پہ رہے اور ان کے اپنے گھر والے اور ان کے اساتذہ بھی زیادہ تر کوفہ کے تھے تو انھوں نے ایک ایسے مسلم تاریخی دور کی ادبیات کو محفوظ بنایا جس کو مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا تھا۔

امتداد زمانہ نے ہم سے ابومخنف اور واقدی کی مدون تاریخیں چھین لیں لیکن نصر بن مزاحم کی وقعۃ الصفین بچی رہ گئی۔اور ہم عبدالسلام محمد ہارون کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس وقعۃ الصفین کا مستند نسخہ نہ صرف دریافت کیا بلکہ اس پہ اسقدر مفید حواشی اس پہ تحریر کیے کہ کتاب کی ثقاہت اور بڑھ گئی۔

مجھے لگتا ہے ابومخنف اور نصر بن مزاحم نے اپنے آباؤ اجداد کی جو جدو جہد تھی اس نے بھی کوفہ کی دریافت نو کرنے کا ارادہ ان کے ہاں پختہ کیا۔

کوفہ کے وسیب زادوں نے اپنی تاریخ کو اندھیرے کی نذر ہونے سے بچایا۔اس پہ ہم ان کے جتنے شکر گزار ہوں کم ہے۔اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں ذرا نصر بن مزاحم کی زندگی پہ تھوڑی روشنی ڈالتے ہیں:

نصر بن مزاحم بن سیار المنقری بنو تمیم سے تعلق رکھنے والے عرب مورخ تھے اور نظریاتی اعتبار سے علوی تھے اسی لیے ان کو راسخ العقیدہ پیروان حضرت علی کہا جاتا ہے۔

ان کی کتاب وقعۃ الصفین جنگ صفین اور اس سے جڑے واقعات بارے روایات کا احاطہ کرتی ہیں۔ یہ جنگ جمل کے بعد ہونے والی دوسری جنگ تھی جو حضرت علی کی قیادت میں مسلمانوں کی جماعت نے معاویہ ابن ابی سفیان اور ان کی پیروی کرنے والی شامی فوج سے صفین کے مقام پہ لڑی۔

ابن مزاحم سے پہلے صفین کے واقعات کو تفصیل سے تحریر کرنے میں سبقت اور اولیت ابومخنف لوط بن یحیی بن سعید بن مخنف بن سلیم الاذدی متوفی 180 ہجری نے حاصل کی تھی۔

ان کے بعد ابوالفضل نصر بن مزاحم متوفی 212 ہجری نے ان واقعات بارے اخبار کو جمع کیا۔

ابن ندیم ان کو طبقہ ابی مخنف میں شامل کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نصر بن مزاحم کا زمانہ عبداللہ محمد بن عمر واقدی کا ہے جو 130 ہجری میں پیدا ہوئے اور 207ء میں فوت ہو گئے یعنی نصر بن مزاحم سے پانچ سال پہلے فوت ہو گئے۔

ان کے بعد ابوجعفر محمد بن جریر الطبری جو 310 ہجری میں فوت ہوئے انھوں نے اپنی تاریخ کی جامع کتاب میں واقعات صفین کو اس جلد میں بیان کیا جس میں انھوں نے 33 ہجری تا 37 ہجری کے واقعات رقم کیے ہیں۔

نصر بن مزاحم کی کتاب" وقعۃ الصفین" بعد میں صفین کی اخبار اکھٹی کرنے والوں سے اس لیے زیادہ معتبر ہے کہ ایک تو نصر بن مزاحم کا شمار طبری کے شیوخ شیوخ الطبری یعنی طبری کے استاد الاساتذہ طبقے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ طبری تو ان شیوخ سے روایت کرتا ہے جو ابومخنف سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ ابومخنف نصر بن مزاحم کو اپنے طبقہ کے مورخین میں شامل کرتا ہے۔

ابومخنف، واقدی اور نصر یہ تینوں کے تینوں مورخ کوفہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں انھوں نے ابتدائی ماہ و سال گزارے اور ان کے جو آبا تھے وہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ رہے- ان سے تادم مرگ وفا کی اور اہل بیت سے محبت آگے خاندان میں منتقل کی۔

نصر بن مزاحم بعد از اں کوفہ سے بغداد منتقل ہو گئے اور انھوں نے سفیان ثوری متوفی 97 ہجری، شعبۃ بن الحجاج، جبیب ابن حسان، عبدالعزیز بن سیاہ، یزید بن ابراھیم التستری، ابی الجارود، زیادہ بن المنذر سے روایت نقل کیں اور نصر بن مزاحم سے ان کے بیٹے حسین بن نصر نے نوح حبیب القومسی، ابوالصلت الھروی، ابوسعید الاشج، علی بن المنذر الطریقی اور کوفیوں کی جماعت نے روایات نقل کیں۔

بغداد میں ان کی سکونت کا احوال خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں بھی ملتا ہے۔
نصر بن مزاحم کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ ہم کسی کتاب میں نہیں پاتے۔لیکن چونکہ ان کو ابو مخنف کے طبقہ مورخین میں شامل کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ابو مخنف کے ہم عصر ہوں گے اور ابو مخنف کی وفات 170ھ سے پہلے کی بتائی جاتی ہے جیسے میزان اللسان میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے تو نصر کی ولادت کا سال غالبا 120 ہجری بنے گا۔

ان کی زندگی کے بارے میں لکھنے والوں نے کہا ہے نصر بن مزاحم پیشے کے اعتبار سے وہ عطار تھے، عطور کی فروخت کیا کرتے تھے۔خوشبوؤں میں رچا بسا نصر بن مزاحم اسی لیے اپنی کتابوں کی حسن ترتیب کے حوالے سے بھی معروف تھا اور اپنی روزی روٹی کے لیے کسی کا محتاج بھی نہیں تھا۔

نصر بن مزاحم کی توثیق کرنے میں مورخین کی رائے مختلف ہے۔لیکن سب کے سب اسے "شیعہ" بتلاتے ہیں۔ یہ وہ مورخین ہیں جن کے زمانے میں واضح اصولوں اور فروعات کے ساتھ شیعہ (امامیہ) اور اہل سنت مسلمانوں کے دو بڑے مسلک وجود میں آچکے تھے۔لیکن ابو مخنف اور نصر بن مزاحم کا جو دور ہے اس زمانے میں پروٹو سنّی اسلام اور پروٹو شیعہ اسلام کا زمانہ تھا۔ اور لفظ شیعہ اضافت عثمان و علی و معاویہ استعمال ہوتا ہے۔یعنی شیعان عثمان/علی/ معاویہ۔

ابن حبان نصر بن مزاحم کو ثقہ طبقات میں شمار کرتا ہے اور ابن ابی الحدید ان کے بارے میں کہتا ہے

"اس معنی میں ہم زکر کر دیتے ہیں جو کچھ نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب" وقعۃ الصفین" میں لکھا ہے۔ وہ صحیح نقل سے ثابت اور ثقہ ہے اور اس میں کوئی جھوٹ داخل نہیں ہوا ہے۔ بزرگ رجال اصحاب الحدیث میں شمار ہوتے ہیں۔"

عقیلی جن کا رجحان شامی کیمپ کی طرف ہے ان کے بارے میں لکھا

"شیعہ تھے اور ان کی حدیث میں اضطراب ہے"

ابو حاتم ان کو" زائغ الحدیث المتروک" لکھتے ہیں۔

کتاب" وقعۃ الصفین" کی اشاعت ممکن بنانے والے اور اس کے اوپر انتہائی مفید حواشی لکھنے والے عبدالسلام محمد ہارون کا خیال یہ ہے کہ اس کتاب کا پڑھنے والا قاری یہ صاف صاف دیکھ لیتا ہے کہ نصر بن مزاحم شیعان علی کیمپ میں ہونے کے باوجود اپنی عصبیت کو حرص وہوا میں بدلنے نہیں دیتا ہے۔

یاقوت لکھتا ہے" نصر علم تاریخ واخبار کے بہت بڑے عارف تھے"

ابن الندیم نے ان کی بہت ساری کتابیں گنوائی ہیں جن میں کتاب الغارات (شامیوں نے علی ابن طالب علیہ السلام کی عمل داری کے علاقوں میں چھاپہ مار کاروائیاں کیں ان چھاپہ مار کاروائیوں کی سرکوبی اہل کوفہ کے وفادار شیعان علی نے کی جس کی تفصیل ایک ترجمہ شدہ مضمون کی شکل میں شامل ہے۔

پھر کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب مقتل حجر بن عدی اور کتاب مقتل الحسین بن علی شامل ہے۔

صاحب منتھی المقال نے ان کی تحریر کردہ کتابوں میں" عین الوردۃ"، "کتاب الآخبار المختار" اور کتاب مناقب کو بھی شامل کیا ہے۔

نصر بن مزاحم کی تحریری خدمات کا جائزہ ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ ابن مخنف اور واقدی کی طرح کوفہ کے شیعی مکتبہ فکر کی تاریخ مدون کرنے والے اولین مورخین میں سے تھا۔

بلکہ اگر ہم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اپنے پیروکاروں کے بارے میں استعمال کی گئی اصطلاح کو مدنظر رکھیں تو یہ مومنین کا سواد اعظم تھا زمانہ مولائے کائنات میں جن کی تاریخ کو نصر بن مزاحم نے مدون کیا اور وہ تین اولین مورخوں میں سے ایک تھا

کتاب وقعۃ الصفین کی جو سند ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے:

اخبرنا الشیخ الحافظ شیخ الاسلام ابو البرکات عبدالوہاب بن المبارک (محدث بغداد،

حفاظ الحدیث حنابلہ تھے ہ 463 ہجری میں پیدا ہوئے۔ 538 ہجری میں بغداد مین فوت ہوئے۔ان کا تذکرہ تذکرۃ الحفاظ (ذہبی جلد 4 ص 75 تا76) المنتظم جلد 10 ص 108 تا 109۔۔۔۔۔صفۃ الصفوۃ جلد 6 ص 281 اور شذرات الذھب جلد 4 ص 116 تا117) قال اخبرنا الشیخ ابوالحسین المبارک بن عبدلجبار الصریفی (یہ ابن الحمامی اور محدث بغدادی کے نام سے معروف تھے انھوں نے ابوعلی شاذان،ابوالفرج الطناجیری اور ابوالحسن العتیقی ،ابومحمد الخلال سے احادیث سنیں ان کے پاس دارقطنی کے خط سے لکھے ہزار جزو موجود تھے۔ 411 ہجری میں پیدا ہوئے اور 500 ہجری کو فوت ہوئے۔للسان المیزان جلد 5 ص 11 اور منتظم کی جلد 9 ص 154 اور شزرات الذھب کی جلد تین صفحہ نمبر ہے 412 پہ ان کا تذکرہ موجود ہے) قال اخبرنا ابویعلی احمد بن عبدالواحد بن محمد ابن جعفر الوکیل (یہ ابن زوج الحرۃ سے معروف تھے موسی بن جعفر،ابوالحسن دارقطنی سے انھوں نے سماع کیا اور خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں لکھا: میں نے ان سے احادیث و اخبار لکھی ہیں وہ صدوق تھے اور نہر طابق کے کنارے محلہ درب المحبوس میں سکونت رکھتے تھے میں نے ان سے ان کی ولادت بارے پوچھا تو کہا کہ میں جب پیدا ہوا تو قادر باللہ کو بادشاہ بنے چالیس دن ہوگئے تھے اور قادر باللہ 381 ہجری میں بادشاہ بنا تھا،ابویعلی جمعرات کے روز 24 شوال 438 ہجری کو فوت ہوئے اور باب الدیر میں معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے قریب بغداد ہی میں دفن ہوئے دیکھیے تاریخ بغدادی جلد 4 ص 270) قال اخبرنا: ابوالحسن محمد بن ثابت بن عبداللہ بن محمد بن ثابّ الصیرفی (انھوں نے اسماعیل الصفار،السماک الطسی سے سماع کیا اور ان کی وفات 393 ہجری میں ہوئی اور یہ وہی سال جس میں قاضی علی بن عزیز جرجانی اور ابوالفتح عثمان بن جنی فوت ہوئے تھے،دیکھیے تاریخ البغداد جلد 2 ص 111) قال: اخبرنا ابوالحسن علی بن محمد ابن سمیر،اخبرنا ابومحمد سلیمان بن الربیع بن اہشام النھدی الخزاز: قال انبانا نصر بن مزاحم التمیمی ،قال عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی عن الحارث حصیرۃ عن عبدالرحمان بن ابی الکنود وغیرہ قالو: (یہ جو الربیع ہیں یہ بھی کوفی ہیں 284 ہجری میں ان کا انتقال کوفہ میں ہوا،ان سے

طبری، یحیی بن صاعد، محمد بن المخلد العطار نے روایت کیا دیکھیے تاریخ بغداد جلد 9 ص 54 تا 55 اور لسان المیزان جلد 3 ص 91 اور یہ جو عمر بن سعد ہیں یہ اعمش سے روایت کرتے ہیں اور یہ بھی راسخ العقیدہ علوی تھے- اور الحارث بن حصیرہ الازدی ان کی کنیت ابو النعمان تھی کوفہ کے رہنے والے تھے انھوں نے زید بن وھب، ابو صادق الازدی، جابر الجعفی سے سماع کیا اور ان سے واحد بن زیاد، سفیان ثوری، مالک بن مغول، عبدالسلام بن حرب نے روایت کیا۔ محدث ابن عدی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ کوفہ والوں نے ان سے اہل بیت کے فضائل کی احادیث روایات کیں اور یہ کوفہ میں شیعان علی کے سرکردہ رہنما تھے۔ دیکھیے تہذیب التھذیب جلد 2 ص 140 اور تقریب التہذیب ص 84 اور اس سند کے آخری راوی ابی ابن الکنود جو ہیں یہ کوفہ سے امام علی کے ساتھ شریک ہونے والے اصحاب اور حواریان میں سے ایک تھے۔

حضرت علی کا کوفہ میں ورود

ہجری کا سال 36 اور مہینہ رجب کا اور عیسوی سال 656 اور دسمبر کا مہینہ، حضرت علی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے بصرہ سے کوفہ کی طرف آئے۔

نصر ابن مزاحم لکھتے ہیں:

جب علی علیہ السلام نے بصرہ سے کوفہ میں ورود فرمایا تو ان کا کوفہ کے قرآ، اشراف اور عام لوگوں نے استقبال کیا۔

رجب کی 22 راتیں گزر چکی تھیں۔سال تھا 36 ہجری - آپ کے ساتھ بصرہ سے اشراف الناس اور اہل بصرہ میں سے لوگ تھے اور آپ کا استقبال اشراف، اہل قراء اور عام کوفیوں نے کیا بے شک اللہ نے آپ کو عزت سے سرفراز کیا۔آپ کے دشمنوں پہ آپ کو فتح دی۔بس اہل کوفہ نے آپ سے اپنے شہر میں برکات کے نزول کی دعا کی استدعا کی اور پھر آپ سے پوچھا:

اے امیر المومنین! آپ گورنر محل میں ٹھہریں گے کیا؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ کھلی جگہ پہ قیام کریں گے۔تو وہ ایک جگہ ٹھہر گئے جہاں سے وہ چلے تو مسجد میں پہنچ گئے اور دو نوافل ادا کیے۔اس کے بعد آپ منبر چڑھے اور حمد و صلوات کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اہل کوفہ سے یوں مخاطب ہوئے

اے اہل کوفہ! اسلام میں آپ کے لیے جو فضیلت ہے اسے آپ نے تغیر و تبدل کے عمل سے نہیں گزارا۔

تمہیں حق کی دعوت ملی تم نے اسے قبول کیا۔

اور جب برائی/شر نے سر اٹھایا تو تم نے اسے نیکی سے بدل ڈالا ۔
تمہاری یہ فضیلت اللہ اور تمہارے درمیان احکام اور عہد پر مبنی ہے ۔

تو پس تمہاری روش زندگی یہ رہی ہے کہ تم نے دعوت حق کا جواب اثبات میں دیا اور تم اس (جماعت) میں داخل ہو گئے ۔

تمہیں یہ جان لینے کی ضرورت ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں جو خدشہ ہے وہ یہ کہ کہیں تم خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنے لگو اور لمبی امیدیں باندھنے لگ نہ پڑو۔

خواہشات نفسانی کی پیروی حق کے راستے پہ چلنے میں روکاوٹ بن جاتی ہے ۔ اور لمبی امیدیں آدمی کو آخرت بھلا دیتی ہے ۔

دنیا آج کی حرکت کا نام ہے اور آخرت مستقبل کی حرکت کا اور تم اس میں سے ایک کو حاصل کرے تو تم سب کے سب آخرت والے ہو جاؤ ۔ آج عمل ہے حساب نہیں جبکہ آنے والے کل میں حساب ہو گا عمل نہیں۔

اللہ کے لیے حمد ہے جس نے اپنے دوست/ ولی کو فتح دی اور اس کے دشمن کو زلت والی شکست سے دو چار کیا۔

سچے اور نیک کو عزت دی ۔ اور باطل طریقے سے (بیعت) توڑنے والے کو ذلت سے دو چار کیا۔

تم پہ اللہ کے حضور پرہیز گاری اختیار کرنا فرض ہے ۔ اور اہل بیت کی اطاعت کرنا لازم ہے جن کی اطاعت تم پہ سب سے مقدم ہے کیونکہ اس میں ہی اللہ کی اطاعت ہے ۔ جو ہمارے مدمقابل تھے انھوں نے اس کا مزا چکھا ہے جس کے وہ دعوے دار تھے ۔ انھوں نے ہم پر اپنے آپ کو فضیلت دی ۔ ہمارے حکم سے روگردانی کی اور ہمارے حق بارے ہم سے جھگڑا کیا ۔ اور ہمارے دفاع کرنے سے دور جا پڑے ۔ تو اپنے اعمال کا وبال انھیں چکھنا پڑا اور عنقریب وہ اس کا بدلہ پائیں گے ۔ تم سے کچھ لوگ ایسے تھے جو میری مدد کرنے کی بجائے آرام سے بیٹھے رہے میں اب ان سے اس کا شکوہ کرتا ہوں۔ انھوں نے ان کا ساتھ چھوڑا،

ان سے نفرت انگیز باتیں کیں تاکہ وہ جو کام کر رہے تھے اس کو چھوڑ بیٹھیں حالانکہ انھیں تو حزب اللہ کی پہچان کرنا تھی۔

اس خطبے سے ہمیں اپنے موضوع کے مطابق دو باتیں ملتی ہیں۔

ایک تو حضرت علی علیہ السلام الکریم کا کوفہ بارے یہ خیال ہے کہ اس میں رہنے والوں کی اکثریت نے اپنی فضیلت کو برقرار رکھا ہے۔ انھوں نے نہ صرف دعوت حق کا تسلیم و رضا سے جواب دیا بلکہ جب برائی اٹھی تو اس برائی کو خیر میں تبدیل کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جنگ جمل میں اہل کوفہ کی اکثریت نے آپ کا ساتھ دیا اور چند ایک تھے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ نے اس موقعہ پہ یہ بھی فرما دیا کہ اہل کوفہ کی فضلیت کا انحصار ان کے اللہ سے باندھے گئے عہد و پیمان پہ ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ بارے انھیں خدشہ ہے کہیں وہ نفسانی خواہشات میں نہ مبتلا ہو جائیں اور لمبی امیدیں نہ باندھ لیں۔ اور آپ نے واضح کر دیا کہ ان کے ساتھ رہنے والوں کو آخرت کا اہتمام زیادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس خطبے میں آپ نے یہ بھی واضح کیا کہ انھوں نے جس لشکر پہ فتح پائی وہ ایسے لوگوں پہ مشتمل تھا جنھوں نے ان سے بیعت کرنے کے بعد اسے توڑ دیا اور پھر اہل حق کے خلاف انھوں نے تلواریں سونت لیں اور اسی وجہ سے ناچار ان سے لڑنا پڑا۔

اس موقعے پہ نصر بن مزاحم ابن الکنود کا بیان جاری رکھتا ہے اور ہمیں بتاتا کہ اس کے خطبے کے بعد آپ کے ایک انتہائی بہادر جنگ جو ساتھی مالک بن حبیب یربوعی کھڑے ہوئے جو یمنی قبائل میں سے ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے اور کوفہ میں مقیم تھے اور آپ کی جانب سے کوفہ میں کوتوالی کے ذمہ دار تھے۔ انھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو بتایا کہ جنگ جمل کے معاملے میں جنگ جمل میں شریک ہونے والے اہل کوفہ کے ساتھ شریک نہ ہونے والے اور شریک ہونے والوں سے نفرت کا اظہار کرنے والے بہت ہی کم تھے۔ اور اگر آپ نے ان سے قتال کا حکم دیا ہوتا تو ہم ان سے ضرور بالضرور لڑتے۔

اس موقعہ پہ مالک بن حبیب یربوعی نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ جس گروہ نے قتال نہ کیا

ان کو ان امور میں کچھ شبہات لاحق ہو گئے تھے اور وہ اسے بے جا قتال سمجھ رہے تھے۔

مالک بن یربوعی نے یہاں پہ لفظ غشم استعمال کیا تو آپ نے قرآن پاک کی آیت تلاوت کی اور بتایا کہ از روئے قران جو مظلوم قتل ہو جائے تو اس کا ولی سلطان وقت ہوتا ہے۔ اور مظلوم مقتول کے انصاف کے لیے سلطان وقت کے ساتھ لڑنا غشم نہیں ہے بلکہ غشم ہے جو آپ کے مدمقابل تو ارنہ اٹھائے اس پہ تلوار اٹھانا، اسے قتل کرنا۔ اس تفصیل سے ہمیں پھر یہ پتا چلتا ہے کہ اہل کوفہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ہی آپ کی مدد و نصرت سے جنگ جمل میں پیچھے رہے تھے۔

اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوتا ہے۔ یہ ابو بردہ عوف الاذدی ہوتا ہے۔ وہ جناب علی المرتضی سے سوال کرتا ہے،" آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہ و حضرت زبیر کے گرد مقتول دیکھے تھے۔ پھر قتال کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا:

کیونکہ انھوں نے میرے پیروکاروں اور میرے بنائے گئے گورنروں کو قتل کیا۔ انھوں نے میرے بھائی ربیعہ العبدی کو قتل کیا۔ اللہ ان پہ اپنی رحمت کرے وہ مسلمانوں کے اس گروہ میں تھے جنھوں نے اہل جمل کو کہا کہ نہ تو ہم بیعت علی توڑیں گے نہ ہو تمہاری طرح بغاوت کریں گے۔ تو وہ سب ان پہ ٹوٹ پڑے اور سب کو قتل کر دیا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ وہ مقتولوں کی دیت دیں۔ اور پھر ان کے اور میرے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن انھوں نے انکار کیا پھر قتال کیا جن میری بیعت ان کی گردنوں میں تھی۔ اس دوران میرے ایک ہزار پیروکاروں کا خون برسایا تھا تب ہم جا کر ان سے لڑنے پہ مجبور ہوئے۔ کیا اب بھی تمہیں اس بارے شک ہے؟ حضرت علی علیہ السلام نے سوال کیا تو جواب میں اس شخص نے کہا کہ پہلے جو اسے شک تھا وہ دور ہو گیا ہے اور اب وہ ان کے ساتھ شریک ہو گا۔

نصر بن مزاحم لکھتا ہے کہ ان کے بعض باحیات اساتذہ کہا کرتے تھے ابو بردہ عثمانی تھا (کوفہ میں" عثمانی" عام طور پہ وہ لوگ سمجھے جاتے تھے جو گورنر کوفہ ولید بن عقبیہ کے حامی تھے جن کے خلاف اہل کوفہ کے نیکوکار اور پرہیز گار لوگوں نے علم مزاحمت بلند کر کے اس کو تبدیل کرنے پہ مجبور کیا تھا۔ بعد میں اس سے مراد وہ لوگ بھی سمجھے جاتے تھے جو مروان بن

حکم کے گروہ کے ساتھ تھے۔

مالک بن یربوعی کے بارے میں بھی ہمیں یہ ملتا ہے کہ وہ کوفہ میں پہلے عثمانی تھے بعد میں بدل گئے اور تادم اخیر علوی کیمپ میں رہے۔ یہ جو ابو بردہ تھا یہ صفین کی جنگ میں علوی کیمپ میں تھے اور اغلب امکان یہ ہے کہ جنگ صفین میں جب تحکیم پہ نزاع اٹھ کھڑا ہوا تو یہ واپس آ کر معاویہ ابن ابی سفیان کو خفیہ طور پہ خط لکھا اور جب وہ غالب آئے تو اس نے ان کی بیعت کر لی اور انھوں نے اسے فلوجہ میں ایک زمین کا ٹکڑا دیا اور وہ اس پہ بہت مہربانی کرتے تھے۔

اس سے ہم یہ بات اخذ کر سکتے ہیں کہ کوفہ کے اندر ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جیسی جلیل قدر شخصیات کے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے مدمقابل آنے کی وجہ سے شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے تھے اور ان دونوں گروہوں کی باہمی لڑائی کو ٹھیک خیال نہیں کر رہے تھے۔

بعض لوگوں نے اس طرح کے قتال کو ایسا فتنہ سمجھا جس بارے احادیث رسول موجود تھیں جن میں ایام فتنہ میں غیر جانبدار رہنے کو کہا گیا تھا۔

یہاں پہ حضرت علی علیہ السلام کریم بار بار کچھ حقائق کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ایک تو ان کے مدمقابل جو لوگ لڑنے آئے ان میں حضرت طلحہ وزبیر سمیت ایسے افراد تھے جنھوں نے راضی خوشی بیعت کی تھی اور پھر از خود اس بیعت کو توڑ ڈالا۔

پھر انھوں نے بصرہ اور وہاں سے آگے راستے میں ملنے والے لوگوں کو حضرت علی کی بیعت توڑنے اور بغاوت کرنے پہ مجبور کیا اور جنھوں ل ے ایساں ہ کیا ان کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے پھر بھی آنے والے لشکر کی قیادت کرنے والوں سے لڑائی شروع نہ کی اور ان سے مقتول مسلمانوں کی دیت ادا کرنے کو کہا۔لیکن انہوں نے انکار کیا اور آپ سے لڑنے لگے تب آپ نے تلوار اٹھائی آپ نے شک میں مبتلا لوگوں کی توجہ مبذول کرائی کہ ان کے مدمقابل لوگ بیعت توڑ کر بغاوت کرنے والے ہو چکے تھے۔اور

جماعت المسلمین سے بغاوت کرنے والوں سے قرآن بھی قتال کر کے ان کو واپس داخل جماعت کرنے کا حکم دیتا ہے تو حضرت علی کے نزدیک اس معاملے پہ نہ تو خاموش بیٹھنا حق تھا اور نہ ہی باغیوں کو انارکی پھیلانے کے لیے اکیلے چھوڑ دینا مناسب تھا۔

جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبۃ کی کتاب جمل میں وارد احادیث کے ایک معروضی تجزیے سے ثابت ہوتا ہے کہ جمل کی جنگ کے موقعہ پہ ہی اس کے تین بڑے سرکردہ رہنماؤں کو اپنی غلطی کا شدت سے اظہار ہوا اور ان میں سے حضرت عائشہ اپنی وفات کے وقت تک اس جنگ میں شرکت کے عمل پہ کف افسوس ملتی رہیں۔

میں نے یہ بھی دکھایا کہ اگر مدینہ و مکّہ کے سرکردہ مسلمان حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ (اللہ پاک ان سب سے راضی ہو) کے ساتھ مل کر بصرہ نہ پہنچتے اور اور حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلاف اعلان بغاوت نہ کرتے تو دو صورتیں سامنے آتیں یا تو اہل شام اطاعت کر لیتے یا ان کے خلاف آپ علیہ السلام الکریم مدینہ بیٹھ کر ایک بڑے لشکر کو شام فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے بھیج دیتے۔ آپ کو باغیوں سے نمٹنے کے لیے پہلے بصرہ اور پھر کوفہ کے راستے شام کی طرف روانہ ہونے پہ مجبور ہونا پڑا۔

نصر بن مزاحم پوری سند کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کو گورنر محل یا صاحب بیت المال کے محل میں قیام کرنے کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے وہاں ٹھہرنے سے انکار کیا اور آپ کوفہ شہر میں جعدۃ بن ھبیرہ المخزومی کے ہاں ٹھہر گئے۔

ابن ابی الحدید کے مطابق جعدۃ ام ہانی بنت ابی طالب کی بہن کے بیٹے تھے اور ان کی شادی ھبیرۃ بن ابو وھب المخزومی سے ہوئی تھی تو وہ ھبیرہ کے بیٹے تھے۔ یہ جعدہ حضرت علی کے رشتے میں بھانجے اور داماد بھی لگتے تھے۔ ان کو حضرت علی نے خراسان کا گورنر بنایا تھا۔ بہت بہادر، جنگجو، شجاع تھے اور جس صبح آپ کو مسجد کوفہ میں دوران نماز لعنتی ابن ملجم نے ضرب لگائی تو یہ جعدہ تھے جنھوں نے باقی نماز کی تکمیل کروائی تھی۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتا

چلتا ہے کہ کوفہ شہر آپ کے لیے اجنبی شہر نہیں تھا- یہاں آپ کے بہت سے قرابت دار اور انتہائی پیارے جانثار گھرانے بھی موجود تھے۔

سید اصغر زادہ ناظم نے بڑی تحقیق کے بعد" اصحاب امام علیؑ" کے عنوان سے ایک کتاب مدون کی ہے جس میں وہ آپ کے 594 ایسے اصحاب جانثاران کا تذکرہ کرتے ہیں جو عراق میں آپ کے ساتھ آپ کی شہادت تک مختلف مراحل میں آپ کے ساتھ کھڑے رہے اور یہ اصحاب اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ جو تھے ان کو ملا کر تعداد ہزاروں میں ہو جاتی ہے اور اکثر ان میں آپ کے ساتھ کوفہ میں مقیم تھے۔ بعد میں ان کی اولاد آپ کی اولاد کے ساتھ رہی۔

نصر بن مزاحم اس کے بعد سلیمان بن صرد الخزاعی کی کوفہ میں حضرت علی کی آمد کے بعد ملاقات کا احوال بیان کرتے ہیں۔ یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتائے جاتے ہیں کیونکہ حجر بن عدی صحابی رسول اللہ بھی ان کو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم شمار کیا۔ محدثین ان کو متقی، پرہیزگار اور اہل بیت اطہار سے محبت کرنے والا بتاتے ہیں۔ یہ بزرگان کوفہ میں شمار ہوا کرتے تھے۔ اور ولید بن عقبۃ گورنر کوفہ کے خلاف جو تحریک قراء شروع ہوئی یہ اس کے بھی سر کردہ رہنما تھے۔

یہ حضرت عثمان بن عفان کے دور خلافت میں جو شیخین کریمین کے قائم کردہ سوشل آڈر میں بدلاؤ آیا اس تبدیلی کے خاتمے کے حامی بھی تھے۔ اکثر یہ کوفہ سے مدینہ جاتے اور ان کا شمار اہل بیت اطہار کے راسخ العقیدہ محبوں میں ہوتا تھا۔ لیکن آثار یہ بتاتے ہیں کہ یہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ان ساتھیوں میں سے تھے جن کی رائے میں شہادت خلیفہ راشد سوم کے بعد ان کو خلافت نہیں لینی چاہیے تھی اور جب حضرت عائشہ صدیقہ کی قیادت میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا تو یہ بھی شکوک وشبہات کا شکار ہوئے اور باوجود بلانے کے جنگ جمل میں شریک نہ ہوئے۔ آپ جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کوفہ آئے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ حضرت علی علیہ السلام الکریم سے ملنے گئے وہاں حضرت علی نے ان پہ سخت برہمی کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا کہ تم ہمارے نصرت کو نہ آئے ، بیٹھے رہے جبکہ

مجھے یقین تھا کہ تم آؤ گے اور ہمارے ساتھ مل کر لڑو گے اور پھر آپ اٹھ کر چلے گئے ۔اس کے بعد سعید بن قیس حضرت علی علیہ السلام الکریم سے ملے تو آپ نے ان سے بھی پوچھا کہ کیا تم بھی الگ ہو کر بیٹھ جانے والوں میں سے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ کس کی جیت ہو؟ تو انہوں نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں تھا اور نہ میں آپ سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھا، ہم آپ کے ساتھ ہیں ۔

نصر بن مزاحم اس سے آگے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا اشراف کوفہ جو" اشراف القبائل" کے نام سے مشہور تھے کے نمائندہ وفد سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی ملاقات کا احوال محمد بن مخنف بن سلیم بن قیس سے سناتا ہے ۔

میں بڑی تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ اشراف القبائل کا کردار علوی کیمپ کی طرف ہمیشہ ڈھلمل سا رہا، ان کی وفاداریاں بدلتی رہیں اور قراء کی تحریک کے خلاف ولید بن عقبہ کو سب سے بڑی حمایت بھی اشراف القبائل سے ملی تھی اور سب سے زیادہ عثمانی بھی انہی اشراف القبائل سے نکل کر سامنے آئے تھے ۔اور ان کی اکثریت جنگ جمل کے نتیجے کا انتظار کرتی رہی اور جب انھوں نے حضرت علی کو غالب آتے دیکھا تو یہ پھر اپنی وفاداری ظاہر کرنے آ گئے ۔

نصر کی وقعۃ الصفین ہو یا اس موضوع پہ کوئی اور کتاب حضرت علی علیہ السلام الکریم کی اشراف القبائل کے نمائندہ وفد سے کوفہ آمد کے بعد پہلی ملاقات کا منظر خوشگوار نہیں دکھاتی ۔

خود محمد بن مخنف کہتے ہیں کہ حضرت علی جب بصرہ سے کوفہ آئے اور ان سے ملنے اشراف القبائل کا وفد پہنچا تو آپ ان سے بہ انداز عتاب مخاطب ہوئے

تمہیں میرے ساتھ مسئلہ کیا ہے حالانکہ تم اشراف قوم کہلاتے ہو؟ اللہ کی قسم اگر میری نیت کمزور ہوتی اور بصیرت کم ہوتی تو تم سب نے ہلاکت انگیز ہو جانا تھا اور اگر تمہیں میرے شرف وفضلیت پہ شک ہوتا اور میرے کمالات پہ یقین نہ ہوتا تو تم کھلے دشمن ہو جاتے ۔

اس پہ اشراف القبائل کے لوگوں نے کہا:

اللہ کی پناہ اے امیر المومنین، ہم نے آپ کو تسلیم کیا اور آپ کے دشمنوں سے لڑے ۔

اس کے بعد اس قوم نے عذر پیش کیا، کچھ نے ان کی طرف سے عذر پیش کیا جو موجود نہ تھے،

کچھ کے بارے میں بتایا کہ وہ بیمار تھے۔

محمد بن مخنف کہتے ہیں:

اس کے ساتھ ہی میں نے حاضرین پہ نظر ڈالی جن میں عبداللہ بن معتم عبسی اور حنظلۃ الربیع التمیمی تھے یہ دونوں وہ تھے جو آپ کے اصحاب تھے۔ ابوبردہ الازدی پہ نظر ڈالی اور غریب بن شرجیل الھمدانی پہ بھی نظر ڈالی

ابو مخنف کہتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب کی نظر میرے والد مخنف بن سلیم پہ پڑی تو آپ نے فرمایا لیکن مخنف بن سلیم اور ان کی قوم پیچھے نہیں رہی اور ان کی مثال اس قوم کی نہیں ہے جس کا ذکر سورہ نساء کی آیت 82 میں ہوا بلکہ اسی سورہ کی آیت 83 میں جس قوم کا ذکر ہوا مخنف کی قوم کی مثال اسی طرح کی ہے۔

اشراف القبائل اور بنو ہمدان سے مختلف سلوک ہمیں یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کو اگر کوفہ میں سب سے زیادہ بے اعتبار لوگ جو لگے تھے ان کا تعلق اشراف القبائل سے تھا۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے نماز جمعہ پڑھائی اور خطبہ بھی دیا۔ اس پہلے خطبے کے مندرجات بھی تقوی و پرہیزگاری اختیار کرنے اور دنیا پرستی سے دور رہنے کے وعظ پہ مشتمل ہیں۔ آپ اہل کوفہ کو ایک بار پھر باور کراتے ہیں کہ دار آخرت ہی دار حیات (ابدی) ہے اور آخر میں آپ انبیاء، شہدا و صادقین کی رفاقت آخرت میں بطور دعا مانگتے ہیں۔

ویسے نصر بن مزاحم نے کوفہ میں آپ کی سرگرمیوں کی جو تصویریں ہمارے سامنے رکھی ہیں ان کو ایک نظر دیکھا جائے تو آپ نے ان سب لوگوں پہ برہمی کا اظہار کیا جو آپ کے ساتھ شریک جنگ نہ ہوئے اور اس میں آپ نے ان سے تھوڑی رعایت برتی جن کی نیت میں کھوٹ نہیں تھا لیکن وہ شک وارتیاب کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن جن کی نیتوں میں فتور تھا اور دنیا پرستی کے کارن وہاں آپ کے ساتھ نہیں گئے تو آپ نے ان کی بدنیتی کا پول کھول دیا۔

نصر بن مزاحم" وقعۃ الصفین" میں آگے لکھتا ہے:

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اہل کوفہ سے ملاقاتوں کے بعد اگلے مرحلے میں مختلف بلاد اسلامیہ میں عاملین کو مقرر کیا۔

آپ نے جن علاقوں میں عاملین مقرر کیے ان میں سے الجزیرہ کا جو علاقہ تھے اس کے کئی حصّے ایسے تھے جہاں پہ کوفہ اور بصرہ سے فرار ہو کر جانے والے عثمانی مقیم ہو گئے تھے اور آپ نے ان علاقوں کا عامل مالک الاشتر کو بنایا جنھوں نے جن علاقوں میں عثمانی قابض تھے اور بیعت علی المرتضی سے انکاری تھے سخت جنگ کی اور انھیں نکال باہر کیا۔

آپ نے آذر بائجان میں اشعث کے پاس خط بھیجا اور اس سے اپنی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے بیعت کرلی اور آپ نے اسے آذربائیجان کا عامل رہنے دیا۔

ایسے ہی جریر بن عبداللہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب ثغر میں آپ کا خط پہنچا تو آپ نے نہ صرف اہل علاقہ سے حضرت علی کی بیعت کرنے کو کہا بلکہ خود آپ کے پاس کوفہ آ کر آپ کی بیعت کرلی۔

دیکھا جائے تو جنگ جمل میں آپ کی فتح اور کوفہ آپ کے آنے کے بعد عراق اور اس سے ملحقہ علاقے شام کو چھوڑ کر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حکومت کے تحت آ گئے تھے۔

نصر بن مزاحم نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضی کے کوفہ آنے کے بعد جب آپ نے بلاد اسلامیہ میں عاملین حکومت متعین کر دیے تو بنوتمیم کا ایک بہت بڑا وفد آپ کے پاس حاضر ہوا جس کی قیادت بنوتمیم کے نامور لوگ کر رہے تھے جن میں احنف بن قیس، جاریہ بن قدامہ، حارثہ بن بدر، اعین بن ضبیع اور زید بن جبلہ شامل تھے۔

احنف بن قیس کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجمل میں تفصیل سے اخبار لائے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن عفان کی شہادت ہوئی تو انھوں نے حضرات طلحہ و زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ سے حالات پوچھے اور ان سے یہ سوال بھی کیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بیعت کس کی کی جائے۔ ان سب کا جواب تھا علی المرتضی کی۔

بعد ازاں جب دونوں حضرات نے بیعت توڑ دی اور حضرت عائشہ نے خروج کا فیصلہ کیا تو انھوں نے احنف بن قیس کو ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ بیعت آپ کے کہنے پہ کی تھی، اب آپ لوگ ہی اسے توڑنے کا کہہ رہے ہیں- انھوں نے کہا کہ اب علی المرتضی بدل گئے ہیں لیکن احنف بن قیس نے ان کا یہ عذر تسلیم نہ کیا اور بیعت کو نہ توڑا۔

لیکن وہ جنگ جمل میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس بارے میں انھیں شبہات لاحق ہو گئے تھے۔ لیکن امیر شام اور اہل شام کے بارے میں احنف بن قیس بہت واضح موقف کے حامل تھے اور وہ اب بنو تمیم کے ایک بہت بڑے وفد کے ساتھ آئے تھے۔ اس موقعہ پہ نصر بن مزاحم نے حضرت علی علیہ السلام الکریم سے ان کی ہوئی بات چیت تفصل سے درج کی ہے۔

نصر بن مزاحم کہتا ہے کہ بنو تمیم والے اگرچہ کوفہ میں موجود دس اشراف القبائل جیسا سماجی مرتبہ رکھنے والا قبیلہ تو نہیں تھا لیکن ان دس اشراف قبیلوں کے بعد اگر کوئی قبیلہ تھا تو وہ بنو تمیم کا تھا۔

نصر بن مزاحم نے وقعۃ الصفین کی دوسری جلد میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رجب کے مہینے میں بصرہ سے کوفہ آئے اور یہاں پہ انھوں نے 17 مہینے قیام کیا۔

ان سترہ مہینوں میں انھوں نے معاویہ ابن ابی سفیان اور عمرو بن العاص سے خط و کتابت جاری رکھی۔

اس سے پہلے نصر بن مزاحم نے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ کیسے حضرت جریر بن عبداللہ کو حضرت علی کیجانب سے اپنا سفیر بنانے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ فیصلہ جریر بن عبداللہ کی اپنی خواہش تھی۔

اس سفر کے دوران کا یہ اہم واقعہ آپ کا جریر بن عبداللہ کو اپنے ایلچی کے طور پہ معاویہ ابن ابی سفیان کے پاس بھیجنا تھا تا کہ وہ معاویہ ابن ابی سفیان اور ان کے حواریوں

کو حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بیعت کرنے پہ قائل کرسکیں۔

جریر بن عبداللہ کا معاویہ بن ابی سفیان سے ملاقات اور وہاں پیش آئے واقعات کا جو بیان ہے وہ اسے درج کرنے والے ہر مصنف کے ہاں مختلف ہیں۔

حضرت علی جیسے جیسے دریائے فرات کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں ان کا واسطہ مقامی لوگوں سے مختلف طرح سے پڑتا ہے۔بعض اوقات ان کو کچھ لوگوں اور گروہوں سے محاذ آرائی کرنا پڑتی ہے اور ان کو وہ مجبور کرتے ہیں لشکر کے لیے قبیلے کا ایک حصّہ بطور سپاہ کے دیں۔بعض اوقات نئے حمایتی مل جاتے ہیں۔

آپ کے کوفہ کی جانب سفر کا دوسرا اہم واقعہ حضرت موسیٰ اشعری کو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا ہے۔

نصر بن مزاحم لکھتے ہیں:

جب حضرت علی علیہ السلام الکریم بصرہ سے آئے تو انہوں جریر بن عبداللہ کو ہمدان کی گورنری سے ہٹادیا اور حضرت علی ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھے جسے وہ شام میں معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف ایک بااعتماد ایلچی کے طور پہ بھیج سکیں-انہوں نے جب اس کا اظہار اپنے ساتھیوں میں کیا تو جریر بن عبداللہ نے کہا کہ انھیں بھیج دیں، کیونکہ معاویہ ابن ابی سفیان ان کو پسند کرتا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ جب میں وہاں جاؤں گا تو ان کو آپ کی امارت تسلیم کرنے کی دعوت دوں گا اور سچ کو قبول کرنے کو کہوں گا۔اور میں ان کو بتاؤں گا کہ وہ آپ کے کمانداروں اور گورنروں میں سے ایک ہوں گے۔میں انھیں احکام قرآن پہ پابند ہوجانے اور اور اطاعت خداوندی کی دعوت دوں گا۔اہل شام کو آپ اور آپ کے مقرر کردہ عاملین کی اطاعت کرنے کو کہوں گا۔وہاں شام میں زیادہ تر میرے ہم وطن ہیں اور ہمارے ہی لوگ ہیں۔تو وہ مجھے انکار نہیں کریں گے۔

جریر بن عبداللہ کی تقریر کے بعد مالک الاشتر اٹھ کر کھڑے ہوئے اور انھوں نے آپ علیہ السلام الکریم سے کہا،

"ان کو مت بھیجیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایسے سوچیں گے نہیں جیسا کہ جریر نے کہا اور ان کے عزائم وہ نہیں ہو جائیں گے جن کی امید جریر بن عبداللہ نے اپنے کلام میں کی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے ان کی بات سننے کے بعد کہا" اسے جانیں دیں اور ہم دیکھیں گے جریر وہاں سے واپس ہمارے لیے کیا لیکر آتے ہیں۔

تو علی علیہ السلام نے جریر بن عبداللہ کو شام بھیجا اور آپ نے ان کو معاویہ بن ابی سفیان کے لیے اپنا ایک مراسلہ بھی بھیجا۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم جریر بن عبداللہ کو شام روانہ کر دیا۔ وہ شام پہنچے اور معاویہ بن ابی سفیان کے سامنے پہنچے تو وہ آگے آئے اور حمد و ثنا کے بعد انھوں نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

"اے معاویہ! علی ابن ابی طالب کو ان تمام لوگوں کی حمایت حاصل کر لی ہیں جن کو آپ کے کزن عثمان ابن عفان نے مکّہ، مدینہ، بصرہ، حجاز، کوفہ، یمن، مصر، اردن، عمان یمامہ اور بحرین میں تعینات کیا تھا اور وہاں کے لوگ بھی ان کے حامی ہیں۔ بس اب آپ ہی رہ گئے ہیں۔

اپنی تقریر کے بعد جریر بن عبداللہ ان کو حضرت علی کا خط دیا۔ اس میں لکھا تھا:

امابعد! میں نے مدینہ میں آپ سے اپنی بیعت کرنے کو کہا تھا جب آپ ابھی شام میں تھے۔ جنھوں نے ابوبکر (رض) کی بیعت کی تھی، جنھوں نے عمر ابن خطاب (رض) اور عثمان ابن عفان (رض) کی بیعت کی تھی۔ ان سب نے میری بھی بیعت کی تو آپ بھی میری بیعت کریں۔ تو جو موجود تھے اور جو نہیں تھے ان سب کے لیے لازم ہوا کہ وہ میری بیعت کریں۔

جہاں تک شورائے مہاجرین و انصار کا تعلق ہے تو انہوں نے جب ایک شخص کو چن لیا اور اسے اپنا امام بنالیا تو یہی اللہ کا حکم بھی ہو جاتا ہے۔ کچھ منحرف ہونے والے جب اسکے حکم سے انکاری ہوتے ہیں اور اسے اس طرح سے چیلنج کرتے ہیں جو ایمان والوں کا شیوہ

نہیں ہوتا تو ایسے منحرفین کے لیے اللہ نے انجام متعین کر رکھا ہے۔اور ان کی قسمت میں جہنم میں سڑنا لکھ دیا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہم) نے میری بیعت کی اور پھر اسے توڑ دیا اور اس کے بعد وہ میرے مدمقابل آ گئے۔میں ان سے محض حق اور منشائے خداوندی کے لیے لڑا جس منشا سے وہ پیٹھ پھیرے ہوئے تھے۔میرا مقصد ان کو دوبارہ مومنین کی جماعت میں شامل کرنا تھا۔تو آپ بھی مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جائیں۔اگر آپ انکاری ہوں گے تو مجھے اللہ کے لیے آپ سے لڑنا پڑے گا۔میری شکل میں قہر خداوندی کا آپ کو سامنا ہوگا۔آپ نے (حضرت) عثمان (ابن عفان) کے قاتلوں بارے جو کچھ کہا ہے اور جو مطالبات رکھے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے س کہ جہاں مسلمانوں کی جماعت کھڑی ہے آپ وہاں کھڑے ہوں اور اپنے لوگوں کو میرے پاس لائیں تو میں اللہ کی کتاب کی روشنی میں اس کا فیصلہ کروں گا۔میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کا شمار" طلقا" میں ہوتا ہے جو خلافت کے عہدے کے اہل نہیں ہیں۔اور شورا میں بھی اس کے اہل نہیں ہیں۔میں آپ کی طرف جریر بن عبداللہ کو بھیج رہا ہوں جو صحابی رسول اور ہجرت سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔تو ان کے ہاتھ پہ میری بیعت کر لیجیے۔

یہ خط پڑھنے کے بعد معاویہ ابن ابی سفیان منبر پہ کھڑے ہو گئے اور اپنے سامنے موجود اہل شام کے سامنے انہوں نے ان سے کہا کہ وہ تینوں خلفائے راشدین کے سب سے زیادہ وفادار گورنر اور نائب رہے ہیں۔اور انھوں نے حضرت عثمان ابن عفان کے خون کا ولی اپنے آپ کو قرار دے ڈالا۔

جریر بن عبداللہ کو انھوں نے اپنے یہاں ٹھہرنے کو کہا اور کہا کہ وہ اہل شام میں آپنے ساتھیوں سے مشاورت کر لیں۔

ابن نصر نے تفصیل کے ساتھ لکھا کہ کیسے شام کے سب سے طاقتور شخص شرحبیل اسمط کو بلایا اور ان کے سامنے اپنا موقف رکھا۔نصر ابن مزاحم تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ شرحبیل کو جریر

بن عبداللہ نے سمجھانے کی کوشش کی اور پھر نصر نے شرحبیل کو لکھا خط بھی نقل کیا جس میں انھوں نے شرحبیل کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا حضرت عثمان کے قتل میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی خلافت کے انعقاد کے شواہد ذکر کیے۔لیکن شرحبیل نے اپنا وزن امیر شام کے حق میں ڈال دیا اور شام کے تمام شہروں میں بذات خود جا کر لوگوں کو یہی کہا کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام الکریم خون عثمان کے زمہ دار ہیں اور ہمیں اہل عراق سے لڑائی کرنی چاہیے۔

نصر بن مزاحم ہمیں تفصیل سے ان خطوط کے بارے میں بھی بتاتا ہے جو امیر شام نے مدینہ میں مقیم حضرت عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص دیگر مہاجر صحابہ کرام کو لکھے۔

ان خطوط کا جو متن ہے اس میں امیر شام انصار صحابہ کرام جو مدینہ میں مقیم تھے ان پہ حضرت عثمان کا ساتھ نہ دینے کا الزام لگاتے ہیں اور ساتھ یہ تجویز دیتے ہیں کہ مدینہ کے مہاجر اور انصار یا تو دوبارہ شوری کا اجلاس بلائیں یا پھر حضرت عمر نے شوری بنائی تھی اس میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص کو خلیفہ بنا دیں۔

اور عبداللہ بن عمر کو لکھے خط میں وہ عبداللہ بن عمر کو پیشکش کرتے ہیں کہ وہ خلیفہ بن جائیں تو وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص کے جوابی خطوط کا متن بھی نصر بن مزاحم نے درج کیا ہے اور دونوں صاحبان نے امیر شام کا یہ الزام کہ حضرت عثمان ابن عفان کا قتل حضرتب علی کے سر ہے جیسے موقف کو تسلیم نہ کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر نے صاف لکھا کہ حضرت علی کے مقابلے میں ان کا مقام قطعی ان کے برابر نہیں ہے اور حضرت علی کا مقام اور خدمات اسلام ہر درجے سے فائق ہیں اور ان کی خلافت پہ انصار و مہاجر صحابہ کی اکثریت نے اتفاق کیا ہے تو وہ خلیفہ برحق ہیں- ان کی بیعت کی جانی چاہیے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے لکھا کہ وہ شوری میں نہ چاہتے ہوئے شریک ہوئے تھے اور وہ کل بھی اور آج بھی امر خلافت سے اپنے آپ کو دور رکھنے کے خواہاں تھے اور ہیں۔

انھوں نے بھی امیر شام کی دعوت کو رد کر دیا۔

۔ایک خط محمد بن مسلمہ کو بھی لکھا گیا جس کا متن بھی نصر نے درج کیا ہے اور ان کے جوابی خط کا متن بھی درج کیا گیا ہے۔

اس ساری تفصیل سے پتا یہ چلتا ہے کہ سترہ مہینوں کے دوران جنگ صفین سے پہلے جب حضرت علی علیہ السلام الکریم امیر شام اور عمرو بن العاص کو مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونے اور الگ منحرف گروہ کی صورت میں کھڑے رہنے سے روکنے کی کوشش کر رہے تھے تو امیر شام ایک تو اہل شام کو اپنے موقف بارے اعتماد میں لکر ان کو قائل کر رہے تھے۔ دوسری طرف وہ چاہتے تھے کہ مدینہ ومکّہ مین جو مہاجر صحابہ اور ان کی اولاد ہے وہ حضرت علی علیہ السلام الکریم سے بیعت توڑ ڈالیں اور نئے سرے سے شوری بلائیں اور وہاں پہ خلیفہ کا انتخاب کر لیں یا پھر عبداللہ بن عمر یا سعد بن ابی وقاص یہ منصب سنبھال لیں۔اگر یہ سب نہیں کرتے تو پھر ان کی قیادت میں اکٹھے ہو جائیں۔

لیکن امیر شام کو مدینہ اور مکّہ سے من چاہی مدد نہیں ملی اور ادھر کوفہ میں جب جریر بن عبداللہ شام سے جواب لیکر نہیں لوٹے تو اس سے بے چینی پھیلنے لگی۔

ایک بار پھر مالک الاشتر نے جریر بن عبداللہ کے قیام کے طویل ہونے پہ تشویش کا اظہار کیا۔

حضرت علی ابن ابی طالب نے اہل کوفہ سے مشاورت کے بعد جریر بن عبداللہ کو جواب لیکر جلد واپس آنے کو کہا۔اس پہ جریر بن عبداللہ نے امیر شام سے حتمی جواب مانگا اور حتمی جواب جو آیا وہ کم وبیش یہ تھا کہ اگر حضرت علی علیہ السلام الکریم ان کو شام اور مصر کا مکمل کنٹرول دے ڈالیں اور قاتلین عثمان کو ان کے حوالے کر دیں تو ان کی بیعت پہ غور ہو سکتا ہے۔

جریر بن عبداللہ یہ جواب لیکر واپس کوفہ آئے اور کوفہ میں حضرت علی نے مسجد میں اجتماع کیا اور جب جریر بن عبداللہ نے معاویہ بن ابی سفیان کا حتمی جواب پڑھ کر سنایا تو مالک الاشتر اس پہ جذباتی ہو گئے اور انہوں نے ایک طرف تو حضرت علی کو کہا کہ وہ پہلے

ہی یہ کہہ رہے تھے کہ جریر بن عبداللہ کو سفیر بنا کر شام مت بھیجیں اور دوسری طرف انہوں نے کہا کہ اگر ان کو شام سفیر بنا کر بھیجا جاتا تو وہ امیر شام کو مجبور کر دیتے بیعت کریں یا پھر ان کی عوام کو حقائق بتاتے اور ان کو قائل کرتے۔

جریر نے اشتر کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا اشتر شام میں اہل شام آپ کو قاتلان عثمان میں سے سمجھتے ہیں اگر آپ وہاں جاتے تو آپ کو قید کر لیا جاتا۔

اس جواب کے دوران دونوں اطراف سے سخت جملوں کا تبادلہ ہوا۔ جریر رض اپنے آبائی وطن لوٹ گئے۔

نصر ابن مزاحم لکھتا ہے کہ جو سلوک اس روز کوفہ میں جریر بن عبداللہ سے ہوا اس سے بد دل ہو کر وہ اپنے آبائی علاقے میں لوٹ گئے اور ان کے علاقے سے بہت تھوڑی تعداد میں لوگ صفین کی جنگ میں حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم نے معاویہ ابن ابی سفیان سے 17 ماہ کی خط وکتابت کے بعد یہ عزم اور پختہ کر لیا کہ اہل شام سے وہیں جا کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام الکریم کے سترہ مہینوں تک رکے رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ آپ مسلمانوں میں خون ریزی کے سلسلے کو ہر آخری حد تک کر جا کر روکنا چاہتے تھے اور جنگ سے کہیں زیادہ امن پہ یقین کرتے تھے۔ سترہ ماہ کے دوران جو خطوط آپ نے اہل شام کی طرف روانہ کیے ان خطوط کا متن آپ کی امن پسندی، اخلاقی اقدار پہ یقین کامل کا مظہر ہے۔

نصر بن مزاحم کی تفصیل سے یہ پتا چلتا ہے کہ جریر بن عبداللہ کو امیر شام نے اس لیے روکے رکھا تھا تا کہ ایک تو وہ اہل شام کی مکمل حمایت پالیں، دوسری جانب ان کی کوشش تھی کہ اہل مدینہ و مکّہ کو آپ کے خلاف خروج پہ اکسائیں۔ وہ جرید بن عبداللہ کے شام میں ہوتے ہوئے ہی حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو خطوط لکھ کر انھیں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی جگہ خلیفہ بننے کی پیشکش کر چکے تھے۔ لیکن ان دونوں احباب نے سختی سے انکار کر دیا۔ امیر شام جب لشکر لیکر روانہ ہوئے تو ایک شام عمرو بن العاص نے امیر

شام کو پھر اہل مدینہ و مکّہ اور انصار و مہاجر صحابہ کرام کو خطوط لکھنے کا مشورہ دیا۔

تھوڑی پس و پیش کے بعد امیر شام نے اس بات کو مان لیا اور عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ساتھ اہل مدینہ اور مہاجرین کو الگ الگ خطوط لکھے۔

ان خطوط کا جواب بھی امیر شام کو بہت سخت ملا اور اہل مکّہ اور اہل مدینہ نے اپنے جوابی خطوط میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بیعت توڑنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر نے امیر شام کو اپنے جوابی خط میں فرمایا،

''آپ نے ایک بار پھر جو کچھ باتیں بھی لکھی ہیں وہ محض شکوک وشبہات ہیں جن میں یقین والی کوئی بات نہیں ہے۔ جہاں تک خلافت کے امور پہ بات کرنے کا تعلق ہے تو آپ کو اس پہ بات کرنے کا ویسے ہی کوئی حق نہیں ہے۔ آپ طلیق ہیں۔ کم وبیش یہی جوابات اہل مکّہ اور اہل مدینہ نے الگ الگ خطوط میں روانہ کیے۔''

وقعۃ الصفین کا دوسرا حصّہ ہمارے پیش نظر موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

نصر بن مزاحم تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے اور بتاتا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام الکریم نے کوفہ سے اہل شام سے سامنا کرنے کا ارادہ کرلیا تو آپ نے سب سے پہلے کوفہ میں موجود مہاجرین و انصار کو طلب کیا اور آپ کھڑے ہوئے، اللہ پاک ک حمد وثنا کرنے کے بعد آپ نے ان سے کہا

"بے شک آپ اعتدال پہ مبنی رائے رکھنے والے ہیں-حلم اور نرمی کو ترجیح دیتے ہیں۔ حق بات کرتے ہیں۔ امر بالمعروف کو مبارک خیال کرتے ہیں۔ میں نے اپنے اور تمہارے دشمنوں کی طرف جانے کا فیصلہ کیا ہے مجھے آپ کی مشاورت اور رائے درکار ہے"

نصر بن مزاحم نے مہاجرین و انصار اصحاب کرام کے اس اجتماع مں موجود کئی ایک جید صحابہ کرام کے نام درج کیے جنھوں نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے فیصلے کی تائید کی اور آپ کا ہر موقعہ پہ ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

جنھوں نے اس موقعہ پہ کھڑے ہو کر اعلان کیا ان میں ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص،

عمار بن یاسر، قیس بن سعد بن عبادہ، خزیمہ بن ثابت، ایوب انصاری، سہل بن حنیف شامل تھے۔اس سے ایک تو یہ بات پتا چلتی ہے کہ کوفہ میں بہت بڑی تعداد میں مہاجر وانصار موجود تھے اور ان کی اولاد تھی جو حضرت علی علیہ السلام الکریم کے وفادار تھے اور آپ کے ساتھ اپنی جان تک دینے کو تیار تھے۔

اس کے بعد نصر بن مزاحم لکھتا کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اہل شام کی طرف جانے کا اعلان عام کرنے کے لیے اہل کوفہ کو مسجد کوفہ میں جمع کیا اور آپ نے منبر پہ ایک خطبہ دیا اور پرزور طریقے سے آپ نے اہل کوفہ کو اہل شام کے خلاف جہاد کے لیے کھڑے ہو جانے کی تلقین اور ترغیب دی۔نصر بن مزاحم آپ کے خطبے کے جو جملے درج کرتا ہے وہ یہ ہیں۔

"آؤ، اللہ کے دشمنوں کی طرف (جہاد) کے لیے چلیں، آؤ ان سے جہاد کرنے چلیں جو قرآن وسنت کے اعداء ہیں۔آؤ ان سے لڑنے چلیں جو" احزاب کی باقیات" ہیں جنھوں نے مہاجر اور انصار" کا قتل کیا۔"

اس موقعہ پہ بنی فزارہ میں سے ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔اس نے اہل اربد سے کہنے لگا کیا ہم اہل شام سے ویسے لڑ آئی لڑیں جیسے ہم نے اپنے بھائی بصرہ والوں سے لڑی اور ایک دوسرے کو قتل کیا۔اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے- اس کی بات ن کر مالک اشتر کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا، یا کون ہے، اے لوگو؟ جب مالک یہ کہہ رہے تھے تو وہ شخص وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔لوگ اس کے پیچھے دوڑے تو وہ بازار میں ایک ایسی جگہ میں لوگوں مین شامل ہو گیا جہاں پہ بزاز کی دکانیں تھیں۔لوگوں نے اسے پکڑ لیا، اس کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور اپنی تلواروں سے اسے مارا یہاں تک کہ قتل کر دیا۔

مالک اشتر نے حضرت علی کو بتایا کہ لوگوں نے اسے قتل کر دیا ہے آپ نے پوچھا قتل کرنے والے کون تھے تو بتایا بنو ہمدان اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ شامل تھے۔ آپ نے فرمایا وہ شخص ایسا نہ تھا کہ اس کا قتل کیا جاتا تو آپ نے اس کی دیت ادا کرن کا حکم فرمایا۔

اس کے بعد مالک اشتر پھر کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا:

"آپ نے ابھی جو کچھ دیکھا اس سے نہ تو ہماری آپ کے لیے حمایت منہدم ہوتی ہے نہ ہی آپ کو ہم سے کوئی شکایت پیدا ہوگی یہ آدمی شقی اور خائن تھا اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔آپ یہاں جس پہ نظر ڈالیں گے آپ کا شیعہ (پیرو) ملے گا۔ہم آپ کے سوا کسی اور کی طرف راغب ہونے والے نہیں ہیں۔آپ کے بعد ہمیں جینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔جو لمبی امیدوں کو پالتے ہیں ان کی نجات کی امید ختم ہو جاتی ہے اور اگر آپ چاہتے ہیں تو پھر ہم آپ کے دشمنوں کی طرف بھاگ کر لڑنے کے لیے جائیں گے- اسے نجات نہیں ملتی جو موت سے ڈرتا ہے اور اسے بقا نہیں ملتی جو اس سے محبت کرتا ہے اسے بقائے دوام ملتی ہے۔خواہشات تو بد بخت شقی پالا کرتا ہے۔بے شک یہ امر مجھ پہ اللہ نے خوب واضح کر رکھا ہے کہ موت اسے ہی آتی ہے جس کی اجل آچکی ہو۔بھلا ہم کیسے اس قوم سے نہیں لڑیں گے جن کے اوصاف بد آپ نے بیان فرمائیں ہیں۔اور جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کل انہوں نے مسلمانوں سے ہٹ کر مسلمانوں کی جماعت کے خلاف اپنا الگ گروہ بنالیا ہے۔ان کے اعمال کی ظلمت سے زمین بھر چکی ہے۔ان پہ اللہ کی پکڑ آن پہنچی ہے۔انھوں نے دنیا کی خاطر اپنے آپ کو بیچ دیا ہے۔"

حضرت علی نے اس موقعہ پہ فرمایا:

راستا مشترک ہے اور سب لوگ بھی اس کے حق میں ہیں تو جو اپنی رائے سے اجتھاد کرتا ہے عوام کو نصیحت کرنے کے لیے تو اس کے لیے وہی جزا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے اور جو اس پہ گزرتی ہے وہ اس کی قضا ہوا کرتی ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے مالک الاشتر کی اس بات سے اتفاق کیا اہل کوفہ میں آپ کے سچے پیرو آپ کے ساتھ ہیں۔

ابن نصر بتاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بنی غفطان اور بنی تمیم کے کثیر لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھا جب عبداللہ المعتم اور حنظلۃ بن ربیع اور انہوں نے کہا کہ وہ اور ان کی

قوم کے لوگ باہم مشاورت کر یے اس نتیجے پہ پہنچے ہیں آپ کو اہل شام سے قتال کے فیصلے پہ نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ دوسرا گروہ شام بھی ایسے ہی لڑنے کے عزائم رکھتا ہے۔

مالک بن حبیب یربوعی اس موقعہ پہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا ہم تک یہ اطلاعات پہنچی ہیں کہ حنظلۃ بن الربیع امیر شام کو خطوط لکھا کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں اجازت دیں ہم ان دونوں کو گرفتار کر کے قید کریں اور ان سے تفصیلات معلوم کریں۔

لیکن اس پہ عیاش بن ربیعۃ اور قائد بن بکیر عبسیان نے کھڑے ہو کر کہا کہ عبداللہ معتم بارے جب انھیں علم ہوا کہ وہ امیر شام کو خطوط لکھتا رہا ہے ہم نے ان کو نظر بند کیا اور ان سے پوچھ گچھ کی اور جب تک آپ کامیاب نہ ہوگئے ان کو نہیں چھوڑا۔ تو ان کو ان کے کیے کا بدل مل گیا ہے۔ اس پہ حضرت علی نے انھیں کہا کہ تمہارا اور میرا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ تم جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔

اس سے ایک بار پھر یہ پتا چلتا ہے کہ کوفہ میں چند ایک کو چھوڑ کر باقی لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔ اس کے بعد نصر بن مزاحم اہل کوفہ کے بڑے بڑے ناموں کو تفصیل سے ذکر کرتا ہے جو سب حضرت علی کو شام کے خلاف لڑنے کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ بلکہ جب حجر بن عدی کی تقریر ختم ہوتی ہے تو حضرت علی ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی رائے جیسی آپ کی قوم کی رائے ہے تو وہ فرماتے ہیں ان سب کی رائے بہت ہی اچھی ہے اور سمع وطاعت میں آگے ہیں اور حسن جواب والے ہیں۔ تو حضرت علی ان سب کے لیے دعائے خیر فرماتے ہیں۔

نصر بن مزاحم اس سے آگے لکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت علی نے مختلف شہروں اور علاقوں میں مقرر عاملین و حکام کو خطوط لکھتے ہیں ان کو روانہ کرتے ہیں۔ آپ نے جو خط محمد مخنف کو لکھا انھوں نے وہ اصفہان اور ہمدان میں عاملین حارث ابن الحارث اور سعید بن وھب کو بھیج دیا جو آپ کی قوم میں سے تھے۔ یہ سب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت علی علیہ

السلام الکریم کے ساتھ یہ شریک ہوئے اور جنگ صفین میں شریک ہوئے۔

نصر اس کے بعد تفصیل کے ساتھ بصرہ اور دیگر علاقوں سے حضرت علی کے ساتھ شریک ہونے والے لشکروں کی تفصیل بتاتا ہے۔ وہ کوفہ میں رہنے والے قبائل کے لشکروں کا حضرت علی کے لشکر کے ساتھ ملنے کی تفصیل دیتا ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام الکریم ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ نخیلہ کے مقام پر پہنچ گئے۔

نصر نے کوفہ سے نخیلہ تک حضرت علی علیہ السلام الکریم کے سفر کے دوران آپ کے شامیوں سے جہاد کرنے کے فیصلے سے اختلاف کرنے والے کچھ لوگوں کا زکر کرتا ہے۔ ان میں سے ایک تو فزاری تھا جسے اس کے اپنے لوگ ہی مار ڈالتے ہیں جبکہ دوسرے غفطان و بنی تمیم کے اندر سے دو ممتاز افراد کا زکر کرتا ہے جو امیر شام سے خطوط کے زریعے رابطے میں تھے اور ان کے اپنے قبیلے کے لوگوں نے ان کو قید کر کے ان سے پوری تفصیل معلوم کرنے کا زکر بھی کیا۔

پھر عبداللہ بن مسعود کے تین سے چار اصحاب کا زکر ہوا۔ بصرہ میں کچھ لوگ شام جانے کی مخالفت کر رہے تھے تو حضرت علی نے ابن عباس کو لکھا کہ وہ لوگوں کو قائل کریں جلد لوگ قائل ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے نصر ہمیں بتا چکا کہ کوفہ اور بصرہ میں جو عثمانیوں کے سرکردہ لوگ تھے وہ بھاگ کر شام جا چکے تھے۔ یہی حال مدینہ اور مکّہ کا تھا کہ وہاں سے بھی بنو امیہ کے سرکردہ لوگ بھاگ کر شام جا چکے تھے۔ نصر بن مزاحم کے بعد مورخین بھی شام کو چھوڑ کر بلاد اسلامیہ میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کی بھاری بھرکم حمایت کا زکر ملتا ہے۔ اور یہ بات حقیقت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لشکر میں سب سے زیادہ جو لوگ تھے وہ کوفہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ تھے۔ جنگ جمل کے وقت بھی سب سے زیادہ تعداد اہل کوفہ کی تھی۔

نصر نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام الکریم کے نخلیہ پہنچنے کی خبر امیر شام کو ملی تو امیر شام نے حضرت عثمان بن عفان کا خون آلود قمیص زیب تن کی اور شیوخ شام کو اکٹھا

کرلیا اور اس کے منبر کے گرد شیوخ شام یہ دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اور یوں امیر شام نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور مقام صفین پہ دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔

نصر بن مزاحم سے لیکر واقدی اور جتنے مورخین نے جنگ صفین کا جو احوال درج کیا ہے کہ اس میں صاف لکھا ہے کہ اس جنگ کے دوران حضرت علی کے لشکر میں موجود ہر ایک جانباز پوری جوانمردی سے لڑا۔ آپ نے نہ کسی کو مال غنمیت کا لالچ دیا اور نہ کسی صوبے کی گورنری کا لالچ دیا۔ آپ کا موقف بہت واضح تھا کہ آپ امت مسلمہ کے صاحبان اختیار مہاجرین وانصار اور پھر بیعت عام کے زریعے خلیفہ مسلملین منتخب ہوئے ہیں اور اہل شام کو بھی ہر صورت بیعت کرنا ہوگی۔

ایک جگہ پہ نصر نے تفصیل سے قوم ھمدان کا قبیلہ عک و اشعریین سے صفین میں معرکے کا زکر کیا ہے۔ اور اس میں قبیلہ ھمدان کے ترجمان حضرت علی کو بتاتے ہیں کہ قبیلہ عک و اشعرین نے آخرت کے بدلے دنیا اور حیات ابدی کی جگہ حیات فانی کا اختیار کیا، انہوں نے امیر شام ک انتخاب کیا۔ جبکہ ھمدان والوں نے اے مولا علی المرتضی آپ کو چنا، آخرت کو پسند کیا۔

اس پہ آپ نے ان کی بہت تعریف کی اور اللہ پاک سے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی کی دعا بھی مانگی۔ جنگ صفین ہوتی ہے اور شدت سے ہوتی ہے، اس جنگ میں ایک موقعہ وہ آیا جب امیر شام اور ان کا لشکر نہ تو تلوار کے زور پہ جیت سکا اور نہ ہی ان کی جانب سے حضرت علی کے لشکر میں شامل انصار، مہاجر صحابہ کرام اور حامی عرب قبیلوں کو توڑ کر اپنے ساتھ نہ ملا سکے تو پھر شکست عین سامنے دیکھ کر عمرو بن عاص کی تجویز پہ مصحف پاک (قرآن کریم) کے نسخوں کو نیزوں پہ تان کر کہا گیا کہ آئیں قرآن پاک سے فیصلہ کرلیں۔

نصر بن مزاحم سمیت سب مورخین لکھتے ہیں کہ اس تجویز پہ حضرت علی علیہ السلام الکریم

کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہوا۔

ایک گروہ کہتا تھا کہ یہ تجویز قبول نہ کی جائے۔ جنگ کو حتمی انجام تک پہنچایا جائے۔

نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعۃ الصفین میں لکھا ہے کہ یہ رائے اہل عراق کی تھی اور اہل عراق میں سب سے زیادہ اہل کوفہ کی تھی اور اہل کوفہ میں ان قبائل کی تھی جن کی بھاری اکثریت آخر تک آئمہ اہل بیت اطہار کے ساتھ وفادار رہی۔ مالک الاشتر، حجر الکندی، عدی بن حاتم طائی اور ایسے قیس بن سعد بن عبادہ اور ان کے ساتھی جنگ کو روکنے کے حق میں نہیں تھے۔ حضرت علی علیہ السلام الکریم نے بھی آغاز میں اپنے لشکر کے لوگوں کو یہی کہا تھا کہ اہل شام دھوکہ کر رہے ہیں اور ان کا قرآن وسنت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ ان پہ اعتبار کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

لیکن جنگ روک کر بات چیت کرنے کے حق میں سب سے زیادہ جو لوگ آگے آئے ان میں ایک طرف تو کوفہ اور عراق کے اشراف القبائل کے لوگ تھے اور ایسے ہی اشعث بن قیس تھا جس کا تعلق آذربائجان سے تھا اور اسی طرح کئی ایک بصرہ سے تعلق رکھتے تھے اور پھر ان میں عراق کے بدو عرب تھے۔ ان سب نے زور دیا کہ قرآن کو حکم بنانا ہی درست ہوگا۔ دباؤ بڑھتا گیا اور خدشہ یہ پیدا ہوا کہ اگر قرآن کو حکم نہ بنانے والی تجویز نہ مانی گئی تو یہ سب لوگ الگ ہو جائیں گے۔ چناچہ ایک تحریر حضرت علی علیہ السلام الکریم نے لکھی اور اس تحریر کا لب لباب یہ تھا کہ دونوں فریقین کی جانب سے حکم مقرر ہوں گے جو قران وسنت سے فیصلہ کریں گے کہ کون حقدار خلافت ہے۔

اس عبارت میں بعد ازاں یہ بھی شامل کیا گیا کہ اگر قرآن وسنت سے معاملہ نہ ملے تو فریقین اجتہاد سے کام لیں گے۔

یہ عبارت جب اشعث بن قیس نے لشکر علی میں قبیلہ عنزۃ کے لوگوں کے سامنے پڑھی تو ان مین سے کچھ لوگ اٹھے اور کہا کہ" لا حکم الا اللہ" انہوں نے اہل شام پہ حملہ کر دیا اور عنزہ کے کافی لوگ مارے گئے۔ بنو راسب، بنو تمیم اور بنو مراد ان قبائل میں سے بھی کافی سارے

لوگوں نے عبارت کے آخر میں لوگوں کو حکم بنانے کو شرک، کفر اور ارتداد سے تعبیر کیا اور وہ بھی الگ ہونے لگے۔ بلکہ بنو راسب میں سے ایک آدمی نے اشعث پہ حملہ کر دیا اور وہ وہاں سے جان بچا کر اپنے قبیلہ میں آ گیا۔

پھر وہ حضرت علی کے پاس گیا اور اس نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کو بتایا کہ اہل عراق و اہل شام تو تحکیم پہ راضی ہیں لیکن تمیم، مراد اور راسب میں لوگ اسے نہیں مان رہے۔ آپ نے پوچھا کہ نہ ماننے والے تھوڑے ہیں کہ زیادہ تو انہوں نے بتایا تھوڑے ہیں تو آپ نے کہا کہ ان کو چھوڑیں۔

اہل کوفہ میں سلیمان بن صرد الخزاعی بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو جنگ کے حق میں تھے۔ ان سے جب مولا علی المرتضی نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اگر ان کے پاس بہت زیادہ مددگار ہوتے تو وہ اس تحکیم کو نہ ہونے دیتے۔

بڑی بحث اور ردوقدح کے بعد جو اشرف القبائل تھے، اشعث کے ساتھی تھے اور اہل بصرہ سے کچھ لوگ تھے انھوں نے ابوموسی اشعری رض کو لشکر علوی کی جانب سے حکم مقرر کر دیا۔ اور دوسری طرف عمرو بن العاص مقرر ہوئے۔

نصر اس موقعہ پہ موسی اشعری جب عمرو بن العاص سے ملنے جا رہے تھے دو شخصیات کی ان سے ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ ایک قاضی شریح کی اور دوسرا احنف بن قیس کی۔

قاضی شریح اشرف القبائل کے قریب تھے اور احنف بن قیس جیسا کہ ہم بتا چکے کہ وہ جنگ جمل میں شامل نہیں ہوئے تھے قاضی شریح نے تو ابوموسی اشعری کو یہ مشورہ دیا کہ وہ حضرت علی اور امیر شام دونوں کو ہی خلیفہ نہ بنائیں، کیونکہ ان کی نظر میں حضرت علی خلیفہ بنیں تو شام والے مارے جائیں گے اور امیر شام بنے تو اہل عراق مارے جائیں گے۔

اصل میں اشراف القبائل کے چاہتے تھے کہ امر خلافت کسی نہ کسی طرح اشراف قریش کی طرف لوٹ جائے اور حیرت انگیز طور پہ احنف بن قیس کی رائے بھی ایسے ہی تھی انھوں نے موسی اشعری کو مشورہ دیا کہ اگر بات نہ بنے تو تم اختیار اہل عراق کے قریش اشراف یا

اہل شام کے قریش اشراف کی طرف پھیر دینا یا یہ دونوں اطراف کے قریش فیصلہ کرلیں۔ موسی اشعری کو اس سے پہلے حضرت علی ابن ابی طالب اور عبداللہ بن عباس نے واضح طور پہ قرآن وسنت اور اجماع امت (اس سے مراد مہاجرین وانصار السابقون کی مشاورت تھی) کی روشنی میں فیصلہ کرنے کو کہا تھا۔ حضرت علی اور ان کے انتہائی تابعدار اصحاب کو یقین کامل تھا کہ قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں امر خلافت جس طرح سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے پاس گیا تھا وہی چیز ٹھیک ٹھہرنا تھی اور اہل شام اور امیر شام کو حضرت علی کو خلیفہ ماننا پڑتا اور صلح امت ہو جاتی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے پہلے دن سے جب سے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا تھا اس سارے زمانے کو" فتنہ" سے تعبیر کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس زمانے میں الگ بیٹھ جانا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ اگر چہ ان کی اس رائے کو حضرت علی علیہ السلام الکریم اور ان کے اصحاب نے دلائل سے غلط ثابت کر دیا تھا کہ جن ایام فتنہ کا زکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوموسی اشعری یا چند دیگر صحابہ کرام سے کیا تھا وہ یہ ایام نہ تھے۔

لیکن وہ اس رائے کے زیر اثر تھے اور پھر قاضی شریح اور احنف بن قیس نے ان کو جو مشورے دیے ان کے زیر اثر بھی انھوں نے عمرو بن العاص کی باتوں میں آ کر وہ فیصلہ کر دیا جس کا انھیں سرے سے اختیار نہ تھا۔

خیر میرے پیش نظر جنگ صفین میں تحکیم پہ موقف کا تفصیلی جائزہ لینا نہیں ہے بلکہ میں تو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ کیسے اس انتہائی نازک مقام پہ بھی اہل کوفہ کی اکثریت حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ کھڑی رہی اور انھیں آپ کی حمایت سے کوئی شک وشبہ اور کوئی مغالطہ پیچھے نہیں ہٹا سکا۔ نصر بن مزاحم، محمد بن مخنف، واقدی اور ان کے بعد میں آنے والے مورخین نے بھی لکھا ہے کہ کیسے ابوموسی اشعری، ابو احنف قیس اور قاضی شریح کو اپنے کیے پہ پچھتاوا ہوتا رہا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس قدر تفصیل سے نصر بن مزاحم نے جنگ صفین سے پہلے اور پھر جن صفین وقت ہونے والے واقعات کا احوال دیا اس طرح کی تفصیل ہمیں علامہ جریر طبری کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

نصر بن مزاحم ہوں، محمد بن مخنف ہوں یا اس زمانے کے دوسرے کوفی اہل سیر ہوں انھوں نے اپنے تذکروں میں واضح طور پہ یہ دکھایا ہے کہ ایک تو جنگ جمل میں کوفہ سے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے ساتھ شریک جنگ نہ ہونے والے انتہائی تھوڑے تھے اور اکثریت ان کی اس جنگ میں شریک ہوئی۔ 400 صفحات پہ وقعۃ الصفین ہے جو اس زمانے کے واقعات پہ مشتمل سب سے قدیم دستاویز ہے جو دستبردِ زمانہ سے بچ گئی ہے۔

اس پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد اہل کوفہ بلکہ نصر بن مزاحم تو ان کو اہل عراق کہتا ہے کی اکثریت کا چہرہ وفاداران حضرت علی علیہ السلام الکریم کے طور پہ پیش کرتا ہے۔ طبری سمیت متاخرین مورخین کے ہاں ہمیں اہل کوفہ کی اکثریت کے بارے میں منفی پینٹنگ ملتی ہے۔ نصر کی کتاب میں ہمیں مالک الاشتر کی جناب اہل بیت اطہار سے وفاداری غیر مشروط بنیادوں پہ ملتی ہے اور ان کی اس کتاب میں ایک منفی فقرہ بھی اشتر بارے نہیں ملتا۔

نصر بن مزاحم کو محمد بن مخنف کی طرح ماہرین علم الرحال نے "شیعہ" لکھا ہے۔ اور اس لفظ کے نصر، محمد بن مخنف کے باب میں کیا معنی بنتے ہیں؟

اس کا جائزہ ہم نصر بن مزاحم کی اس تاریخی کتاب کے متن کا بغور جائزے سے لے سکتے ہیں۔ اس کتاب میں نصر بن مزاحم نے ایک بھی روایت ایسی درج نہیں کی جس میں ہمیں نصر بن مزاحم کا یہ عقیدہ ملتا ہو وہ خلافت اور امامت کے باب میں کسی نص کے قائل تھے۔

ہاں تین سے چار روایات ایسی ہیں جن میں نصر بن مزاحم حضرت علی علیہ السلام الکریم کا یہ خیال درج کرتے ہیں کہ قربت رسول اللہ کے لحاظ سے اور اہل بیت ہونے کے ناطے سے خلافت پہ پہلا حق ان کا تھا لیکن انھی روایات میں ساتھ یہ بھی درج ہے کہ حضرت علی علیہ

السلام الکریم نے اپنے حق پہ ان کی فوقیت کو بہرحال نظرانداز کر دیا تھا۔

نصر بن مزاحم ایک روایت مین حضرت علی علیہ السلام الکریم کی زبان مبارک سے یہ جملے بھی نکلواتا ہے کہ ابو بکر و عمر (شیخین کریمین رضی اللہ عنھما) احسن سیرت کے مالک تھے اور انھوں نے امت میں عدل کو قائم رکھا۔

حضرت عثمان کے بارے میں آپ سے وہ یہ جملے ارشاد فرماتا ہے کہ اسلام کے لیے ان کی بڑی خدمات تھیں اگرچہ خلافت کے دوران ان سے ایسے کام ہو گئے تھے جن پہ صرف دیگر بلاد اسلامیہ کے لوگوں کو اعتراض ہوئے بلکہ انصار اور مہاجر صحابہ کرام کو اعتراضات ہوئے۔لیکن حضرت علی علیہ السلام الکریم اس بنیاد پہ ان کے قتل کو ہرگز روا نہیں رکھتے۔

تو نصر بن مزاحم صحابہ کرام انصار و مہاجرین کی بدرجہ اتم عزت و احترام کرتا نظر آتا ہے۔اور وہ ہمیں اسی وقعتہ الصفین مین بتاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام الکریم اہل شام کو جماعت مسلمین سے بغاوت کرکے الگ ہوا گروہ مسلمان تھا اور یہ جنگ ایمان اور کفر کے درمیان نہیں تھی بلکہ جماعت المسلمین اور باغی مسلمان گروہ کے درمیان جنگ تھی۔اس سے خود نصر بن مزاحم کا نظریہ بھی واضح ہوجاتا ہے۔

اس ساری وضاحت سے ایک تو متاخرین جن میں دور جدید کے ناصبین شامل ہیں ان کا یہ الزام غلط ثابت ہوتا ہے کہ نصر بن مزاحم رافضی تھے۔دوسرا ان کا امام شیعہ ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں وہ فضلیت کے باب میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے تھے۔

اس جنگ میں نصر بن مزاحم کے مطابق حضرت علی علیہ السلام الکریم کی طرف سے 25 ہزار لوگ شہید ہوئے۔اور نصر بن مزاحم روایت لیکر آتے ہیں کہ بنوھمدان کے ہر گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں تھیں اور ایک شخص نے حضرت علی سے کہا اسقدر گریہ کا سبب کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ بنو ہمدان کا کوئی گھر ایسا نہیں ہے جس میں شہید نہ ہوا ہو تو ان کا غم

بھی بہت بڑا ہے یہ گریہ و بکا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

نصر ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جب شامیوں نے دھوکہ کرلیا تب بھی انصار و مہاجر صحابہ، اہل قراء کوفہ کی اکثریت اور آپ کے حامی وفادار کوفہ میں مقیم یمنی و دیگر قبائل کے بڑے بڑے نامور لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام الکریم کے پاس حاضر تھے۔

اس موقعہ پہ انھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کے سامنے اپنے حلف وفاداری کی تجدید کی اور ایک ہی بات ان میں مشترکہ تھی وہ یہ تھی کہ ان سب نے دنیا پہ آخرت کو، دنیا پرستی پہ ایمان کو ترجیح دی ہے۔ اور آپ کی زات انھیں سب سے عزیز ہے۔

اس جنگ میں بدری صحابہ کی بڑی تعداد بھی آپ کی طرف سے لڑتی ہوئی شہید ہوئی اور ان میں سب سے نمایاں نام حضرت عمار یاسرؓ کا تھا جن کے بارے میں حضور علیہ الصلوات والتسلیم کا فرمان صحابہ کرام میں جانا پہچانا تھا اور وہ یہ تھا کہ عمار بن یاسر کو گروہ باغیہ قتل کرے گا۔ یہ پیشن گوئی درست ثابت ہوئی اور اس ایک واقعے نے صحابہ کرام اور تابعین کے کے اندر سے ان لوگوں پہ حق واضح کر دیا جو حضرت علی علیہ السلام کی اہل شام سے لڑائی بارے متذبذب تھے۔

میں حضرت علی علیہ السلام الکریم سے اہل کوفہ کے علویوں کی وفاداری اور جانثاری کے ثبوت اور شواہد کو اکٹھے کرنے میں لگا ہوا تھا تو مجھے تلاش کے دوران ہیگلر ارون ایم کا تحقیقی مقالہ

The Echoes of Fitna: Developing Historiographical Interpretations of the Battle of Siffin

"بازگشت ہائے فتنہ: جنگ صفین کی تاریخی نویسیانہ تعبیرات کا ارتقا"

پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ہیگلر ارون ایم نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں جنگ صفین کے بارے میں دستیاب تاریخوں میں اپنے سامنے زمانے کی دست برد سے بچ جانے والے مسودے" وقعۃ الصفین" کو رکھا جو دوسری صدی ہجری کے نصف میں لکھا گیا اور راور یہ

مصنف جیسا کہ میں نے آغاز میں بتایا تھا کہ محمد بن مخنف، واقدی جیسوں کی صف میں شامل ہوتا ہے اور یہ بھی کوفہ میں پلا پڑھا اور بعد ازاں بغداد میں چلا گیا۔ اروِن ایم نے اس کو سامنے رکھتے ہوئے پھر جریر طبری، اعثم کوفی، ابن اثیر کے متون کا جائزہ لیا اور اس کے بعد وہ ساتویں اور آٹھویں صدی میں لکھے جانے والے تاریخی متون جیسے ابن کثیر، ابن عساکر، ابن خلدون نے لکھے کا جائزہ لیتا ہے۔

اور اس مقالے میں وہ لکھتا ہے کہ نصر ابن مزاحم کے متن نے یہ واضح کیا تھا کہ حضرت علی حق پہ تھے۔ شام والوں کا موقف درست نہ تھا۔ اور ان تاریخوں میں جو کردارنگاری ابوموسی اشعری اور عمرو بن العاص کی ہوئی اسے بعد میں آنے والوں نے بھی اسی طرح سے پینٹ کیا۔

اگرچہ بعد میں آنے والوں نے صفین کی جنگ کے بیانات کو اختصار سے بیان کرنا جاری رکھا۔ یہ فاضل مقالہ نگار ہمیں واضح مثالوں سے یہ دکھاتا ہے کہ کیسے ساتویں صدی اور آٹھویں صدی کے مورخین بشمول حافظ ابن کثیر اور ابن عساکر کے انھوں نے جنگ صفین کے واقعات میں بنوامیہ کی طرف داری اور ان کی طرف ہمدردی کے رویے کو بڑھایا اور ان کے بعد والوں نے تو ان متون کی تعبیروں میں فرقہ وارانہ بیانیہ کو بہت گہرا کر دیا اور اس سے معروضیت کو سخت نقصان پہنچا۔

ہیگلر اروِن ایم نے زیادہ تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے یہ بھی بتانے کی کوشش کی کہ ساتویں اور آٹھویں صدی کے مورخین کے بنوامیہ کی طرف جھکاؤ کا ایک سبب منگولوں کے حملوں کے سبب پھیلنے والی تباہی تھی اور یہ لکھاری شام ہونے والی ڈویلپمنٹ سے اثر لے کر اموی کیمپ کی طرف جھکے تھے۔

ہیگلر اپنے مقالے میں احمد بن اعثم کوفی کی تاریخ فتوح کی بھی بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جنگ صفین بارے اس نے نہ صرف ابن مزاحم کا متن بھی سامنے رکھنا بلکہ محمد بن مخنف اور واقدی کے متون بھی اس نے درج کیے۔ اور اس کا اسلوب صرف اخباری نہیں

ہے بلکہ ایک مورخ کا اسلوب ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بھی اطمینان ہوا کہ اس نے اسلام کی ابتدائی تاریخ پہ ایک بار پھر مارٹن ہنڈز کے مقالے: ساتویں صدی کے کوفہ میں سیاسی گروہ بندیاں۔۔۔۔۔" کو بنیادی کتاب قرار دیا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کے حوالے سے جتنی بھی جدید تحقیق ہے اس میں مجھے ایک خلا یہ نظر آتا ہے کہ یہ اس زمانے کی سیاسی صف بندی سے آج کے فرقوں کا پروٹو نکالتے ہیں وہ ایک بہت ہی لطیف فرق کو نظرانداز کر جاتا ہے۔

ابتدائی اسلام میں جو تصور جماعت ہے اس کے بارے میں ہمیں بہت تفصیل سے گفتگو جو ملتی ہے وہ خود حضرت علی علیہ السلام کے جمل اور صفین، نہروان کی جنگوں کے دوران دیے گئے خطبات اور خطوط میں ملتے ہیں۔

اور آپ کی گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے اپنی بیعت توڑنے اور بیعت سے انکار کرنے والوں کو قرآن وسنت اور اجماع امت سے منحرف ہونے والے قرار دیا۔

ہمیں کئی ایک موقعوں پہ جناب علی المرتضی کے طرز عمل سے پتا چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک اگر تو انکار کرنے والے تھوڑے سے لوگ ہوں اور وہ امارت کے آڑے بھی نہ آئیں تو ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دیا جائے گا۔

لیکن جو اعلانیہ بیعت کر کے بیعت توڑ دے اور پھر لوگوں کو بھی اکسائے تو اس کے خلاف آپ حرکت میں آئیں گے۔

آپ کی بیعت نہ کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ، حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ میدینہ میں ہی تھے۔ آپ نے ان سے کوئی باز پرس نہ کی۔

ایسے ہی نصر بن مزاحم نقل کرتا ہے جب اشعث بن قیس نے آپ کو بتایا کہ بنو تمیم، راسب اور بنو مراد سے کچھ لوگ تحکیم کو قبول نہیں کر رہے تو آپ نے" دع" ۔۔۔ان کو چھوڑ و کہہ کر مثال سیٹ کی۔

ایسے ہی عین جنگ کے موقعہ پہ جب زبیر بن عوام جنگ کیے بغیر چلے گئے تو آپ

نے ان کا پیچھا نہ کیا اور جس ملعون نے ان کا سر آپ کو لا کر پیش کیا، آپ نے اسے جہنم کی بشارت دی۔

یہ بظاہر معمولی سے واقعات ہیں لیکن یہ حضرت علی کے بطور مسلمانوں کے امام وخلیفہ کے ایک مثال سیٹ کرتے ہیں کہ آپ کس طرح سے عدم تشدد پہ مبنی اختلافی رائے کو برداشت کرتے چاہے وہ خود آپ کو امام ماننے سے انکار کرنے والی کیوں نہ ہو۔

ایسے ہی رائے کے اختلاف کو جو جنگ جمل میں رونما ہوا جس میں سے آپ سے کئی ایک لوگ یہ کہہ کر الگ ہو گئے کہ افراد کی تحکیم کفر ہے، ارتداد ہے۔آپ نے ان کے خلاف بھی کوئی کریک ڈاؤن شروع نہیں کیا۔ یہ بات معروف ہے کہ کوفہ میں آپ کے زمانے میں بھی خوارج صفین کی جنگ بعد رہا کرتے تھے۔اور آپ نے ان سے اعراض ہی برتا۔

صفین کی جنگ کے دوران ہمیں پانچ کوفی خواتین شاعر کا زکر ملتا ہے جو اشعار اور رجز پڑھ کر لڑنے والوں کا حوصلہ بڑھایا کرتی تھیں۔

ہم نے عبداللہ خلیفہ الطائی کے قصّے میں کیسے مستند حوالے سے زکر کیا کہ جب ان کے پیچھے زیاد کی فوجیں لگیں اور ان کے قتل کے درپے تھیں تو یہ محلہ بنو طئے میں آگئے جہاں پہ عورتوں نے گھروں سے باہر آ کر ان کو اپنے حصار میں لیکر بچایا اور پھر ان کو وہاں سے یمن کی طرف فرار کروایا۔

کوفہ کے علویوں کے مرد تو مرد عورتیں بھی بہادر اور سچی محبان اہل بیت میں سے تھیں۔افسوس ان خواتین شعرائے آل محمد کا کلام حوادث زمانہ کی نذر ہوگیا- اگر آج یہ دستیاب ہوتا تو اور زیادہ اس زمانے کے ادب محبت اہل بیت پہ روشنی پڑتی۔

جنگ صفین کے آخر میں جب واقعہ تحکیم پیش آیا اور اس پہ بھی شام والوں نے معاہدے کے مطابق کوئی عمل نہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام الکریم اپنے لشکر کے ساتھ واپس کوفہ روانہ ہوئے جبکہ شامی واپس شام لے گئے۔

راستے میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے لشکر سے کچھ لوگ تحکیم کے سبب الگ

ہوئے تو آپ نے کوشش کی کہ ان کو واپس لایا جائے ان میں سے کئی ایک واپس بھی آ گئے۔

تمام تواریخ کتب میں یہ بات تحریر ہے کہ کوفہ میں بہت تھوڑی تعداد میں" الحکم الا اللہ" کا نعرہ لگانے والے خارجی موجود تھے اور وہ کوفہ میں نماز پڑھنے بھی آتے تھے۔حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب تک یہ لوگ آمادہ بغاوت نہیں ہوں گے ہم ان کو نہ تو کوفہ سے نکالیں گے نہ ہی ان کو مسجد میں نماز سے روکیں گے۔اور اگر یہ آمادہ بغاوت بھی ہوئے تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی اور آخری حل ان سے قتال ہو گا۔

جبکہ کوفہ کے گردونواح میں کچھ خارجی موجود تھے۔ایسے ہی بصرہ میں ان کی کافی تعداد تھی لیکن وہاں بھی یہ اقلیت مں تھے۔اس لیے خوارج نے نھہروان میں اکٹھا ہونا شروع کیا۔اس دوران حضرت علی علیہ السلام الکریم نے اہل عراق بشمول اہل کوفہ سب کو کہا کہ بجائے گھر بیٹھنے کے شام پہ فیصلہ کن جنگ کی تیاری کی جائے۔

آپ نے 38 ہجری کے آخر تک 40 ہزار کا لشکر اکٹھا کر لیا تھا جس کا اندازہ جنگ نہروان میں آپ کی سپاہ کی تعداد سے ہوتا ہے۔

کوفہ کے اشراف القبائل، کندہ قبیلے کا اشعث بن قیس اور کئی ایک جن کے اندر نفاق تھا انھوں نے حضرت علی علیہ السلام الکریم کا بظاہر ہمدرد بن کر رائے ظاہر کی کہ پہلے خوارچ کا قلع قمع کیا جائے پھر شام والوں کی طرف جایا جائے۔

لیکن آپ نے یہ تجویز مسترد کر دی تھی اور شیعان علی المرتضی آپ کے ساتھ جا کر شام والوں سے لڑنے کو بالکل تیار تھے۔لیکن اس دوران اچانک سے خوارج نے اپنا ساتھ نہ دینے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور پھر حباب بن منذر صحابی رسول اللہ ک قتل کا اندوہ ناک واقعہ پیش آیا تو اس وقت صورت حال بدل گئی۔

اب آپ کے شیعان علی جن میں انصار و مہاجر صحابہ کرام اور کوفہ کے لوگ بھی

شامل تھے کی رائے یہ بنی کہ اگر اہل کوفہ لشکر لیکر شام کی طرف بڑھے تو پیچھے سے خوارج کوفہ میں ان کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پہ حملہ کر دیں گے اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں لیں گے۔

آپ نے اس رائے کو اس مرتبہ تسلیم کرلیا۔ اور پھر خوارج کا تعاقب کیا- مقام نہروان پہ آپ نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی-کئی ایک سمجھے بھی لیکن کئی ڈٹے رہے اور آخرکار جنگ میں کام آئے یا زخمی ہوئے۔آپ نے زخمیوں کو ان کے قبیلے والوں کے حوالے کر دیااور جو مال غنیمت تھاان کے عزیزوں اقارب کے مطالبے پہ واپس کر دیا-

اس لشکر میں اشراف القبائل اور اشعث بن قیس کے لشکر بھی موجود تھے اور اہل بصرہ سے بھی لوگ تھے۔جنگ نہروان کے فوری بعد آپ نے لشکر کو شام کی طرف لیجانا چاہا تو ایک بار پھر اشراف القبائل اور اشعث بن قیس،کئی ایک بصرہ والے بہانے بنانے لگے اور یوں آپ حضرت علی اور ان کے مخلص شیعان علی کو کوفہ واپس لوٹنا پڑا۔

آپ اس دوران پھر شام پہ حملہ آور ہونے کے لیے بڑا لشکر تشکیل دینا چاہتے تھے۔ اور ادھر جناب علی المرتضی علیہ السلام کے ارادوں اور اقدامات کی خبریں امیر شام تک پہنچ رہی تھیں۔کوفہ، بصرہ اور دیگر علاقوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو خفیہ خطوط لکھ کر امیر کو ساری معلومات پہنچارہے تھے۔ان میں اشراف القبائل سب سے آگے تھے۔شام کی حکومت نے اپنے اوپر سے دباؤ ختم کرنے کے لیے حضرت علی علیہ السلام الکریم کی عمل داری میں موجود صوبوں اور علاقوں پہ حملے شروع کرا دیے۔مصر، تمر، یمن، بصرہ، مدینہ، مکہ پہ اس نے چھاپے مار جنگیں مسلط کر دیں۔

ان جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام الکریم کے شیعان علی کا بڑے پیمانے پہ قتل ہوا۔اسی دوران مالک الاشتر کو زہر دلوایا گیا جن کو اپ نے مصر بھیجا تھا جبکہ یہ کوفہ کے شیعان علی کے لشکر تھے جنھوں نے ان چھاپہ مار دہشت گردوں کو عراق، یمن اور حجاز سے نکال باہر کیا۔ہم نے امیر شام کی چھاپہ مار کاروائیوں کے خلاف شیعان علی کوفہ کے بہادرانہ کردار پہ

الگ سے تحقیقی مقالہ شامل کتاب کیا ہے۔

اس لیے غارات کی تفصیل یہاں نہیں دی جارہی۔

آپ پوری کوشش کر رہے تھے عراق، یمن، بصرہ سے بہت بڑا لشکر تیار کر کے شام کو اپنے زیرنگیں لے آئیں۔آپ عراق کے گرد ونواح میں تشریف لیجاتے رہے۔ بصرہ والوں نے صرف دو ہزار سوار بھیجے اور یہی احوال دیگر علاقوں کا تھا۔تواریخ کتب مین آپ کے خطبات موجود ہیں جن میں آپ سستی برتنے، جہاد میں لیت ولعل سے کام لینے پہ مذمت فرماتے تو یہ شیعان علی تھے جو جواب میں کھڑے ہوتے اور لبیک کہتے۔ابن مزاحم،محمد مخنف، واقدی کی روایات کے مطابق وفاداران شیعان علی کوفہ کی تعداد 25 ہزار سے 30 ہزار تھی- جبکہ دوسرے علاقوں ے الگ تھی۔اور آپ کی شہادت کے وقت شام کے لیے 60 ہزار کا لشکر تیار ہوگیا تھا۔

اور پھر رمضان کے آخری ہفتے میں آپ علیہ السلام مسجد میں عین نماز کی حالت میں ابن ملجم خارجی کی زد میں آئے اور اسی ضربت میں 21 رمضان المبارک آپ کی شہادت ہوگئی۔ابن ملجم کے بارے میں کہا گیا کہ وہ رات بھر اشعث بن قیس سے سرگوشیاں کرتا پایا گیا۔امام جعفر صادق علیہ السلام ہمیشہ کہا کرتے تھے ان کے جدامجد علی ابن ابی طالب کا قتل اشعث بن قیس کی تلوار کے نیچے پایا گیا۔

آپ کی شہادت کے بعد خلافت امام حسن علیہ السلام کے حصّے میں آئی اور آپ چاہتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے شام پہ لشکر کشی کی جائے۔ آپ نے لشکر کو تیاری کا حکم بھی دیا۔لیکن اس دوران اشراف القبائل، اہل بصرہ کے لوگ جن میں خارجی بھی شامل تھے اور اشعث بن قیس کے لوگ بھی شامل تھے سازشیں شروع کیں۔

بصرہ کے گرد ونواح پہ آپ پہ خارجیوں نے حملہ بھی کیا۔آپ نے صورت حال کا تجزیہ کیا تو آپ اس نتیجے پہ پہنچے اگر جنگ کی طرف گئے تو جو منافق، خارجی اور غدار ہیں وہ آپ اور آپ

کے خاندان والوں کو گرفتار کرواسکتے ہیں اور آپ کے وفاداروں کا خاتمہ کراسکتے ہیں تو آپ نے بادل نخواستہ صلح کا معاہدہ کیا۔

اس معاہدے کی ایک شق میں صاف لکھا امیر شام ان کے شیعہ کو نہ تو اذیت دے گا، نہ ان کے بیت المال سے وظائف روکے گا۔ نہ ان کے حامی اہل سواد کی زمینیں ان سے چھین کر کسی کو نہیں دی جائیں گی۔لیکن ایسا کچھ نہ ہوا اور ہم نے ایک الگ باب میں آپ کے وفادار اہل کوفہ کی شامیوں کے ہاتھوں ستائے جانے کی تفصیل بیان کی ہے۔

اس ساری تفصیل سے کم ازکم یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ کوفہ شہر حضرت علی علیہ السلام الکریم کی آمد کے وقت بھی کئی سیاسی کیمپوں میں تقسیم تھا اور اس میں ایک بڑی تعداد آپ کے حامیوں کی تھی جن کو شیعان علی المرتضی کہا جاتا ہے۔اور یہ اپنے اخلاص کے اعتبار سے آپ کے وفادار تھے اور انھوں نے جنگ جمل وصفین ونہروان وغارات میں جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔مال خرچ کیا اور آپ کے دشمنوں سے آپ کا دفاع بھی کیا۔اور یہی آپ کے وہ پیروکار ہیں جن کے تحفظ کی امام حسن علیہ السلام کو اتنی پرواہ تھی معاہدہ صلح کی شرائط میں سے ایک شرط ان کے جسمانی ومعاشی تحفظ کی تھی۔جب مالک اشتر کی شہادت ہوئی تھی تو امیر شام نے کہا تھا کہ (حضرت) علی (علیہ السلام) کے دو بازو تھے ایک بازو صفین میں کٹ گیا وہ عمار یاسر تھے اور دوسرا جزیرہ میں مارا گیا مالک الاشتر۔آپ نے جنگ جمل سے لیکر نہروان تک جو جنگیں لڑیں اور پھر جو غارات مسلط ہوئیں ان میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ کے قریب آپ کے حامی شہید ہوئے۔

یہ بہت بڑی تعداد ہے جس سے جانثاران حضرت علی علیہ السلام الکریم کی وفا کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔